ISSN:2788-4066-Online
ISSN:2518-9794-Print
جلد ۷، شمارہ: ۱۱ جنوری۔جون ۲۰۲۱ء

HEC کے معیار کے مطابق

ششماہی علمی و تحقیقی مجلہ

العرفان

فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ

منہاج یونیورسٹی، لاہور

العرفان جنوری۔جون ۲۰۲۱ء فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ منہاج یونیورسٹی، لاہور

ISSN:2788-4066-Online
ISSN:2518-9794-Print
Vol:VII, Issue:11 Jan-Jan 2021

(Biannual Abstracted Research Journal)

AL-IRFAN

Faculty of Islamic Studies & Shariah
Minhaj University Lahore

www.mul.edu.pk/crd

العرفان

(ششماہی، علمی و تحقیقی مجلہ)

جلد:6 شمارہ:11 جنوری تا جون 2021

مجلسِ ادارت

سرپرست اعلی	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، چیئرمین سپریم کونسل، منہاج القرآن انٹرنیشنل، لاہور
سرپرست	پروفیسر ڈاکٹر ساجد محمود شہزاد، وائس چانسلر، منہاج یونیورسٹی، لاہور
مدیر اعلیٰ	پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا، ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور
مدیر	ڈاکٹر ممتاز الحسن، پرنسپل، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، لاہور
نائب مدیر	پروفیسر ڈاکٹر ثمر فاطمہ، پرنسپل منہاج کالج فار ویمن، منہاج یونیورسٹی، لاہور
معاون مدیر برائے اُردو	ڈاکٹر شبیر احمد جامی، چیئرمین شعبۂ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور
معاون مدیر برائے عربی	ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، چیئرمین شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

برائے رابطہ فون: 0321-4457966, 03344053291

'ای میل' ایڈریس: alirfan@mul.edu.pk

مجلسِ مشاورت (بین الاقوامی)

١. الأستاذ الدكتور محمد عبد الرحيم البيومي، عميد كلية أصول الدين، جامعة الأزهر، زقازيق، مصر

٢. الدكتور بان حميد الراوي، رئيس قسم علوم القرآن، كلية التربية للبنات، جامعة بغداد، عراق

٣. الدكتور غلام محمد قمر الأزهري، أمريكة

۴. پروفیسر ڈاکٹر شاہ کوثر مصطفیٰ، یونیورسٹی آف ڈھاکہ، بنگلادیش

۵. پروفیسر ڈاکٹر درمش بلگر، استنبول یونیورسٹی، ترکی

۶. پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم، برطانیہ

۷. ڈاکٹر محمد رفیق حبیب، گلاسگو، برطانیہ

۸. ڈاکٹر حافظ منیر، برطانیہ

۹. ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی، المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی، قم ایران

مجلسِ مشاورت (قومی)

١. پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، چیئرمین ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

٢. پروفیسر ڈاکٹر نوراحمد شاہتاز، ڈائریکٹر، شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی، کراچی

٣. پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

۴. پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ، ڈین علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۵. پروفیسر ڈاکٹر عبد الحمید خان عباسی، صدر شعبہ عربی واسلامک سٹڈیز، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں

۶. پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد اللہ صالح، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۷. ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۸. ڈاکٹر شمس الرحمٰن، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

۹. ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، اسسٹنٹ ڈائریکٹر اقبال اکادمی، ایوان اقبال، لاہور

١٠. ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گجرانوالہ

١١. ڈاکٹر عاطف اسلم راؤ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی

تعارف شرکاء

نادیہ عالم	پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور
ڈاکٹر علی اَکبر الاَزہری	ایسوسی ایٹ پروفیسر، گریشن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سلطان شاہ	ڈین فیکلٹی آف لینگوایجز، جی۔سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر خورشید احمد قادری	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی۔سی یونیورسٹی، لاہور
منیبہ سرور	پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور
ڈاکٹر محمد سعید اختر	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور
ڈاکٹر حافظ محمد سرور جماعتی	لیکچرار، دی کالج آف لاء، نارووال
ڈاکٹر شمشاد اختر	لیکچرار، پنجاب گروپ آف کالجز، سیالکوٹ
ڈاکٹر مفتی محمد شفیق	پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور۔
ڈاکٹر شعیب عارف	لیکچرار شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات۔
محمد محب اللہ اظہر	لیکچرار منہاج یونیورسٹی لاہور
ڈاکٹر محمد سرور	اسسٹنٹ پروفیسر، ویٹرنری یونیورسٹی، لاہور
رابعہ نسرین	گورنمنٹ گرلز ہائی سکول، لیہ
شگفتہ سید	ایم۔فل اسکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور
حنا مرزا	لیکچرار، منہاج یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر شفاقت علی الازہری	اسسٹنٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی لاہور
ابو الحسن احمد	پی۔ایچ۔ڈی اسکالر
محمد شبیر	فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور
پروفیسر ڈاکٹر رانا اعجاز احمد	پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف پولیٹیکل سائنس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
سید کاظم محمود کاظمی	لیکچرار منہاج یونیورسٹی، لاہور
محمد طلحہ حسنات	لیکچرار، منہاج یونیورسٹی لاہور
ڈاکٹر محمد حبیب	لیکچرار شعبہ اسلامیات، گجرات یونیورسٹی، گجرات
حسن شیر	ایم۔فل اسکالر، جی۔سی یونیورسٹی، لاہور
محمد طاہر رحیم	فرید ملت ری سرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور، پاکستان
سید ریحان الحسن گیلانی	پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور

لائبریرین، کالج آف شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور	شاہد رضا
اسسٹنٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	سلمیٰ شاہد
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	محمد اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	حافظ عبدالرشید
ایسوسی ایٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور	آصف میر قادری
Muhammad Arslan Farooq	Ph.D. Scholar, Department of Political Science
Dr.Muhammad Afzal Sajid	PhD Political Science, Punjab University
Israr-ul-Hussnain Qadri	Ph.D. Scholar, Imperial Collage of Business Studies
Dr.Zahoor Ullah	Associate Professor, Imperial College of Business
Dr. Shafayat Ali Malik	Assistant Professor of Journalism Higher Education Department
Dr. Arfan Latif	Assistant Professor of Sociology at Higher Education Department
Mazhar Sajid	M.Phil. Islamic Studies, UMT, Lahore
Ahmad Jafar	School of Islamic Economics, Banking & Finance, Minhaj University, Lahore
Mustanir Hussain Wasim	International Center for Research in Islamic Economics, Minhaj University, Lahore
Muhammad Azhar Abbasi	PhD Scholar, Minhaj University Lahore
Dr. Durdana Qaiser Gillani	Assistant Professor, The University of Lahore,Lahore, Pakistan
Dr. Hassan Shakeel Shah	Associate Professor, Department of Islamic Thought and Civilization, UMT, Lahore
Dr. Sajjad Ahmad	Assistant Professor, Minhaj University

فہرست مقالہ جات

عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ نمبر
اداریہ	مدیر اعلی	
عالمی سطح پر دعوت اسلام میں مکتوبات نبوی ﷺ کا کردار ایک تحقیقی جائزہ	نادیہ عالم/ڈاکٹر علی اکبر الازہری	۱-۳۴
لاہوری احمدی تراجم وتفاسیر قرآن: ایک تنقیدی جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ/ڈاکٹر حافظ خورشید احمد	۳۵-۶۸
برصغیر کے اردو تفسیری اَدب پر تفسیر مظہری کے اعتقادی اثرات	منیبہ سرور/ڈاکٹر محمد سعید اختر	۶۹-۹۱
اہل کتاب سے قرآن حکیم کے اسالیب مخاطبت	ڈاکٹر حافظ محمد سرور جماعتی/ڈاکٹر شمشاد اختر	۹۲-۱۱۷
مصارف زکوۃ اور تملیک شخصی	ڈاکٹر مفتی محمد شفیق/ ڈاکٹر شعیب عارف	۱۱۸-۱۳۷
امام ابنِ تیمیہؒ اور تعلیماتِ تصوف	محمد محب اللہ اظہر/ ڈاکٹر محمد سرور	۱۳۸-۱۵۴
برصغیر میں جہیز معاشرتی المیہ	رابعہ نسرین/ شگفتہ سید/ حنا مرزا	۱۵۵-۱۷۱
فہم نص دور حاضر کے چیلنجز کے تناظر میں	ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی/ابوالحسن احمد	۱۷۲-۱۸۵
کیا قبولِ اسلام کی دعوت ہر عمر کے اَفراد کو دی جا سکتی ہے؟	محمد شبیر/پروفیسر ڈاکٹر رانا اعجاز احمد/سید کاظم محمود	۱۸۶-۱۹۸
خروج و احتجاج کا شرعی دائرہ کار	محمد طلحہ حسنات/ ڈاکٹر محمد حسیب	۱۹۹-۲۲۱
کاسمیٹکس مصنوعات سے متعلق استحالہ کے فقہی ضوابط	حسن شیر/ محمد طاہر رحیم/ سید ریحان الحسن گیلانی	۲۲۲-۲۳۷
وبائی اَمراض (Infectious diseases)میں اسلام کے احکام	شاہد رضا/ سلمیٰ شاہد	۲۳۸-۲۵۹
الإتجاه الإسلامي في شعر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري	محمد اِقبال/ڈاکٹر مسعود اَحمد مجاہد	۲۶۰-۲۸۵
المجاز المرسل (تعريفه وعلاقاته وفوائده)	حافظ عبدالرشید/ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی	۲۸۶-۳۰۰
اسلامی اوقاف کی شرعی حیثیت اور وقف پراپرٹی ایکٹ ۲۰۲۰ کا جائزہ	آصف میر قادری	۳۰۱-۳۲۲
Constitutional Safeguards of Minorities Right in the Constitution of Pakistan 1973	محمد ارسلان فاروق/ڈاکٹر محمد اَفضل ساجد	1-15
Preaching role of Syed Muhammad Fazil-ud-Din Batalavi (1739-1684) in the Sub-Continent	اسرار الحسنین قادری/ڈاکٹر ظہور اللہ اَزہری	16-27
Role of religion in buffering the psychosocial stress among parents of mentally retarded children	ڈاکٹر شفایت علی ملک/ڈاکٹر عرفان لطیف/مظہر ساجد	27-37
The Legal Status of Ju'alah Contract in Islamic Commercial Law & Its Applications in Modern Islamic Finance Industry	احمد جعفر/مستنیر حسین وسیم/محمد اظہر عباسی	38-52
Government Revenue, Zakat Receipts and Economic Growth in Pakistan Economy	ڈاکٹر دردانہ قیصر/ڈاکٹر حسن شکیل/ڈاکٹر سجاد احمد	53-64

نوٹ: ادارہ مقالہ نگار کے پیش کئے ہوئے حقائق کی ذمہ داری قبول کرنے کا پابند نہیں ہو گا۔

العرفان مجلہ: اندرون ملک قیمت:300روپے فی شمارہ/500روپے سالانہ

بیرون ملک قیمت:30ڈالر فی شمارہ/50ڈالر سالانہ

Author Guidelines

مقالہ نگاران سے ضروری گزارشات

۱. ''العرفان'' میں قرآن و حدیث، سیرت النبی، تصوف، فقہ، تقابل اَدیان، اسلامی فلسفہ اور اسلامی تہذیب و تمدن سے متعلقہ موضوعات پر اردو، عربی، اور انگریزی زبان میں علمی و تحقیقی غیر مطبوعہ مقالات شائع کئے جاتے ہیں۔ تاہم جدید طرز کے موضوعات قابلِ ترجیح ہوں گے۔

۲. علمی مقالہ پہلے کسی مجلّے میں شائع نہ ہوا ہو اور نہ ہی اشاعت کیلئے کہیں اور جمع کرایا گیا ہو۔

۳. تمام مقالات A-4 سائز کے کاغذ پر (M.S Word) میں ایک جانب بغیر اَغلاط کے کمپوز کروا کر بھیجے جائیں۔

۴. تحقیقی مقالہ مآخذ و مصادر سمیت 6000 سے 7000 الفاظ پر مشتمل ہو۔

۵. تحقیقی مقالہ Microsoft word میں کمپوز کیا گیا ہو، جس میں اُردو عبارت کے لئے Jameel Noori Nastaleeq استعمال کیا گیا ہو، جبکہ عربی عبارت کے لئے Traditional Arabic استعمال کیا گیا ہو اور انگریزی کے لئے Times New Roman استعمال کیا جائے۔

۶. عنوان کا فاؤنٹ سائز 25، سب ہیڈنگز (Sub Headings) کا سائز 18، متن کا فاؤنٹ سائز 14 ہو، جبکہ فٹ نوٹ (Foot Note) کا سائز 12 ہو گا۔

۷. مقالہ میں درج شدہ تمام حواشی و حوالہ جات (Auto Arrange) ہوں اور مقالہ کے فٹ نوٹ (Foot note) میں ہی درج کیے جائیں۔

۸. مقالے کے آغاز میں انگریزی میں خلاصہ (Abstract) لازماً لکھا جائے جو 150 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں Abstract کے ساتھ Keyword بھی لکھے جائیں۔

۹. مقالہ نگار اپنے نام کے انگریزی ہجے، موجودہ عہدہ، نیز مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی اِرسال کرے۔

۱۰. حوالہ جات میں APA 6th Edition Format سٹائل کو مدِ نظر رکھا جائے۔ نیز حوالہ جات اور مآخذ و مصادر مقالے کے آخر میں فراہم کئے جائیں۔

۱۱. مقالہ نگار زبان کی صحت اور اسلوب نگارش کے حسن کو پیش نظر رکھے۔

۱۲. انگریزی مقالے میں شامل غیر انگریزی الفاظ کو لکھتے وقت (Transliteration) کے لیے "العرفان" مجلہ کے جدول کو مد نظر رکھا جائے۔ اسی طرح اردو مقالے کے انگریزی خلاصے میں شامل غیر انگریزی الفاظ کی نقل حرفی کے لیے بھی مذکورہ جدول کو کو مد نظر رکھا جائے۔

۱۳. مقالہ کی Soft copy بذریعہ e-mail یا CD میں اور Hard copy میں بھی مہیا کیا جائے۔

۱۴. مقالے کا عنوان جدید نوعیت کا ہو جس کے نتائج سے معاشرہ مستفید ہو سکے۔

۱۵. مقالہ ریسرچ کے جملہ اہداف کو پورا کرتا ہوا نظر آئے۔

۱۶. دوسری زبانوں (عربی اور انگلش) کی غیر مروجہ اصطلاحات بریکٹ کی صورت میں دی جائیں۔

۱۷. صفحہ کا مارجن دائیں "0.75" بائیں "0.75" اُوپر "1" نیچے "0.75" ہو۔

۱۸. ادارہ ہر مقالہ نگار کو شائع شدہ مجلہ کی ایک اعزازی کاپی فراہم کرے گا۔

۱۹. العرفان میں چھپنے کے لئے بھیجے گئے مقالہ کی Evaluation اور Plagiarism Report کے مراحل میں اگر کوئی تبدیلی ضروری ہوئی تو مقالہ نگار مذکورہ بالا دونوں رپورٹس کے مطابق مقالے میں اصلاح کے لئے زحمت دی جائے گی۔

کتابتِ مقالہ کے دوران آیاتِ قرآنیہ کو پھول دار بریکٹس ﴿﴾ اور اَحادیث و اَقوال کو (Inverted Commas) میں اندراج کیا جائے گا، نیز مقالہ کے دوران حوالہ جات کے اندراج کے لیے درج ذیل اسالیب کو اپنایا جائے گا:

قرآن کا حوالہ: سورۃ البقرۃ، ۲/ ۵۶

حدیث کا حوالہ: بخاری، محمد بن اسماعیل، (۱۴۰۸ھ)، الصحیح، دار الفکر العربی، بیروت، لبنان۔ ج ۱، ص ۳۴، رقم: ۱۰۹

کتاب کا حوالہ: یزدانی، ڈاکٹر خواجہ حمید، (۲۰۰۴ء)، شرح اسرار و رموز، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔ ص ۴۵

مجلہ کا حوالہ: اوج، ڈاکٹر محمد شکیل، "نکاح و طلاق میں زوجین کے حقوق کا تعین"، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، (انڈیا)، دسمبر، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۳۲

آن لائن دستاویز کا حوالہ: https://dorar.net/article/1716

اداریہ

قارئینِ ذی وقار! بفضلِ خداوندی ہم "العرفان" ریسرچ جرنل کا گیارہواں شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے جارہے ہیں۔اس ششماہی تحقیقی مجلہ میں بحمد اللہ تعالی درج ذیل معاصر موضوعات پر نامور محققین کی تحریریں شامل کی جارہی ہیں۔

شمارے کا پہلا مضمون "اسلام کی عالمی سطح پر ترویج و اشاعت میں مکتوبات نبوی ﷺ کی اساسی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے محققہ نادیہ عالم نے دراَصل اشاعتِ اسلام میں مکتوبات نگاری کی تاریخی اور دینی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

مجلے کا دوسرا مقالہ وطنِ عزیز کے نامور محقق ڈاکٹر سید سلطان شاہ اور ڈاکٹر خورشید قادری کی مشترکہ کاوش ہے۔جس میں اردو تراجم و تفاسیر میں "احمدی" حضرات کے تراجم کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔

مجلے کا تیسرا مقالہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے علمِ تفسیر میں اعتقادی و نظریاتی اثرات سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔تفسیر مظہری ایک جامع تفسیر ہے جس کے اثرات کا دائرہ کار پاک و ہند کے علاوہ پوری دنیا تک پھیلا ہوا ہے۔شمارے میں شامل مضمون اسی موضوع کا احاطہ کرتا ہے کہ اس تفسیر کے اعتقادی اثرات کس حد تک علمائے برصغیر نے قبول کیے ہیں۔

مجلے کا اگلا مقالہ قرآنِ حکیم میں اہلِ ایمان اور اہلِ کتاب سے مخاطبت کے مختلف اسالیب پر مشتمل ہے۔محقق نے اہلِ ایمان اور اہلِ کتاب سے تخاطب کے اسلوب میں واضح فرق کو علمی انداز سے پیش کرنے کے لیے ایک منفرد کاوش کی ہے۔

زکوۃ کی ادائیگی بنیادی ارکانِ اسلام میں شامل ہے۔ائمہ دین نے زکوۃ سے متعلق مختلف نوعیت کے مسائل کو زیرِ بحث لایا ہے جن میں ایک مسئلہ تملیکِ بھی ہے۔ہمارے محقق نے اہلِ علم کے سامنے اس مسئلہ پر اجتہادی بصیرت کے ساتھ اپنا نیا نقطہ نظر رکھا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ علمائے اسلام میں ایک بہت بڑا نام ہے۔عام طور پر انہیں سخت گیر موقف کی وجہ سے تصوف مخالف سمجھا جاتا ہے مگر حقیقتًا وہ روایتی اور بے عمل تصوف کے خلاف تھے۔زیر نظر تحقیقی مقالہ میں تاریخی دلائل سے واضح کیا گیا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ اگرچہ سلفی مذہب کے مقتداء ہیں مگر انہیں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے بھی عقیدت تھی اسی وجہ سے انہوں نے "فتوح الغیب" کی شرح بھی کی ہے۔

علاوہ ازیں بر صغیر میں جہیز جیسے معاشرتی المیہ، فہم نص اور دورِ حاضر کے چیلنج، قبول اسلام کے لیے عمر کی قید کے متنازعہ بل اور دیگر کئی ایک موضوعات پر محققین نے اپنی اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ شمارے میں شامل دو عدد عربی مقالات اور پانچ عدد انگلش مقالات بھی تحقیق کے اَن گنت گوشے لیے ہوئے ہیں۔

ان شاء اللہ العزیز آئندہ شمارہ نمبر ۱۲ HEC کی طرف سے منظور شدہ معیارات کے مطابق ہو گا۔ امید ہے محققین ہماری اس کاوش کو اپنی خوبصورت تحریروں کے لیے منتخب کرتے وقت فخر محسوس کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

مدیر اعلی، ششماہی العرفان

عالمی سطح پر دعوت اسلام میں مکتوبات نبوی ﷺ کا کردار ایک تحقیقی جائزہ

Analytical Review of the Role of the Prophet's Letters in the Global Call to Islam

☆ نادیہ عالم

☆☆ ڈاکٹر علی اکبر ازہری

ABSTRACT

The greatest example of usage of letters to invite non-Muslims to Islam is found in the Blessed personality of the Holy Prophet ﷺ. When the Prophet ﷺ invited different kings, rulers and tribal chiefs from outside of Arabia to Islam, he adopted letters as a source. Through his comprehensive, influential and concise letters, he ﷺ introduced them to Islam, conveyed the message of Allah Almighty, and informed them about the consequences of ignoring or accepting his message. In these letters, he invited them to embrace Islam and enjoy the real success in this world and the hereafter. He also warned them that if they ignored Allah's message, they would be responsible for the ill fate of not only themselves but also of their subjects. About three hundred documents written by him ﷺ are known so far and among them are letters which were sent for invitational purposes to various rulers. The text of these letters is exactly as we find in the books of Hadith and Seerah. This article contains an overview of the invitational letters written by Prophet Muhammad ﷺ.

Keywords: Holy Prophet, Islam, letters, invitational letters

تعارف

دعوت دین میں مکتوبات کے استعمال کی سب سے بڑی مثال رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سے ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے جب عرب سے باہر بادشاہوں، مختلف علاقوں کے حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں کو دعوت اسلام دی

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

تو اس کے لیے مکتوبات کا ذریعہ اختیار فرمایا۔ اپنے ان جامع، پر اثر اور مختصر مکتوبات کے ذریعے آپ ﷺ نے انہیں اسلام سے متعارف کروایا، اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچایا اور اسلام لانے اور نہ لانے دونوں صورتوں میں اس کے نتائج سے آگاہ فرمایا ۔ ان مکتوبات میں آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی ، اسلام قبول کرنے کی صورت میں دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کی ضمانت دی، بصورتِ دیگر ان کے زیر تسلط رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا ذمہ دار بھی انہی کو ٹھہرایا اور انہیں سخت وعید سنائی ۔ ان مکتوبات اور دستاویزات کی تعداد تقریباً ۳۰۰ ہے، ان میں سے ۱۳۹ خطوط ایسے ہیں جن کا اصل متن محفوظ ہے اور ۸۶ خطوط وہ ہیں جن کا صرف مفہوم کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مکتوبات جو آپ ﷺ نے مختلف حکمرانوں کو خاص دعوت اسلام کے لئے بھجوائے، ان میں سے چھ مکتوبات دریافت ہو چکے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مکتوبات کا متن من و عن وہی ہے جو کتب احادیث و سیر میں ہمیں ملتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں ان مکتوبات پر ایک مختصر اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

مکتوبات نبوی ﷺ کی تدوین و اشاعت

آپ ﷺ کے مکاتیب کو سب سے پہلے حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ امیر یمن نے مرتب کیا، انہوں نے آپ ﷺ کے ۲۱ مکاتیب گرامی جمع کئے تھے ۔ اس مجموعہ کو ابو جعفر الدیبلی نے تیسری صدی ہجری میں مرتب کیا۔ دسویں صدی ہجری میں شمس الدین محمد بن طولو ن دمشقی (م۹۵۳ھ) نے اپنی کتاب "مفاکهة الخلان فی حوادث الزمان" میں ان مکاتیب کو محفوظ کیا۔ یزید بن حبیب مصری نے مکاتیب نبوی ﷺ پر ایک کتاب مرتب کر کے اسے امام شہاب الدین زہریؒ (م ۱۲۴ھ) کو ارسال کیا تھا۔ تاریخ اسلام کی اہم کتب طبقات الکبریٰ، طبری، ابن کثیر، وغیرہ میں سیرت و اخبار النبی ﷺ کے ذیل میں اہم مکتوبات کا تذکرہ اجمالی طور پر شامل ہے۔ بر صغیر میں ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) نے "مجموعۃ الوثائق السیاسیہ" کے نام سے مکتوبات نبوی پر بہت جامع اور وقیع کام کیا، اس کتاب کی اشاعت اول ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ "سیاسی وثیقہ جات" کے نام سے ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے کیا۔ جو ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اردو کتاب "رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی" میں بھی مکتوبات بنوی اور ان کے مکتوب الیہم کے متعلق وافر مواد ملتا ہے۔ قدیم اردو اسلوب میں مولانا حفظ الرحمن نے "بلاغ مبین" میں آپ ﷺ کے مکاتیب کو جمع کیا۔ صاحبزادہ عبد المنعم خان نے "رسالات محمدیہ" میں مکتوبات نبوی ﷺ کی مناسب تعداد جمع کی ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر قابل قدر کام مولانا سید محبوب رضوی (م۱۹۷۹ء) نے کیا، انہوں نے اپنی کتاب "مکتوبات نبوی ﷺ" میں حضور ﷺ کے ۳۰۰ مکاتیب جمع کئے اور آپ ﷺ کے تبلیغی اور دعوتی مکاتیب اور سیاسی و معاشرتی معاہدوں کو آسان اردو زبان میں جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

دعوتی مکاتیب بھیجنے کا آغاز

چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کی وجہ سے جب عرب مخالفت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے دعوت اسلام کو بیرون عرب دیگر اقوام تک پہنچانے کا ارداہ فرمایا۔ اس سلسلے میں امام طبریؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"أن رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج على أصحابه ذات غداة فقال لهم إني بعثت رحمة وكافة فأدوا عني يرحمكم الله ولا تختلفوا علي كاختلاف الحواريين على عيسى بن مريم قالوا يا رسول الله ﷺوكيف كان اختلافهم قال دعا إلى مثل ما دعوتكم إليه فأما من قرب ---"(۱)

(ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، صحابہؓ جمع تھے، آپ نے فرمایا میں تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر معبوث کیا گیا ہوں، تم میری دعوت کو تمام عالم میں پہنچاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ تم حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا، پوچھا یارسول اللہ ﷺ! کیسا اختلاف؟ فرمایا کہ اگر قریب جانے کو کہا تو راضی ہو گئے اور اگر دور جانے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے اور انکار کر دیا)

یعنی عرب سے باہر یا عرب میں ہی دور دراز علاقوں میں آپ ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے جو ذریعہ اپنایا وہ مکاتیب بھیجنے کا تھا۔ جو آپ ﷺ نے اپنے خاص قاصدوں کے ذریعے بھیجے۔ ملک عرب میں اس سے پہلے ایسی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی مہر مبارک

حضور اکرم ﷺ نے جب مکتوبات لکھ کر مختلف بادشاہوں کو بھجوانے کا ارادہ صحابہ کرامؓ پر ظاہر فرمایا تو کچھ صحابہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں یہ مشورہ پیش کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جس خط پر مہر نہ ہو بادشاہ اسے قابل وثوق نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ وہ ایسے خط کو پڑھتے ہی نہیں، یعنی مکتوبات پر آپ ﷺ کی جانب سے کوئی مہر کندہ ہونا ضروری ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے مشورے سے ایک انگوٹھی پر مہر کندہ کروائی، جس کا نگینہ اور حلقہ دونوں چاندی سے بنائے گئے تھے۔ یہ مہر حبشہ کی صنعت میں ڈھالی گئی۔ اس انگوٹھی کے نگینہ پر مہر کی شکل میں " محمد رسول اللہ " کندہ تھا۔ بناوٹ میں سب سے نیچے " محمد "سب سے اوپر " اللہ " تھا اور درمیان میں " رسول "کا لفظ تھا۔(۲) آپ یہ مہر اپنی چھنگلیا

۱۔ ابو جعفر، محمد بن جریر الطبري۔ تاریخ الأمم والملوک، بیروت: دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولی، ۱۴۰۷ھ، ۲/ ۱۲۸۔

۲۔ الزہری، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۲۲ زرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح مواہب اللدنیہ، ۳/ ۳۳۴۔

میں پہنتے تھے۔ البتہ روایات میں اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ دائیں یا بائیں کس ہاتھ مبارک کی چھنگلیا میں پہنتے تھے؟ یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا آخری فعل یہ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہننے کا تھا۔

دعوتی مکتوبات مبارکہ بھیجنے کا زمانہ

آپ ﷺ نے یہ مکتوبات صلح حدیبیہ کے بعد ماہ ذی الحجہ - ٦ھ کے میں روانہ فرمائے اور بعض کے نزدیک یہ خطوط محرم ۷ھ میں روانہ کئے گئے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ شاید چھٹے سال میں ارادہ فرمایا ہو اور اس پر عمل ساتویں سال ہجرت میں کیا ہو؟ یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجے اور کچھ کو ساتویں میں اس لیے یہ اختلاف ہوا۔(۱) بہر حال اس زمانے میں جن بادشاہوں کو آپ ﷺ نے گرامی نامے تحریر فرمائے اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دی وہ مکتوبات صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے بھیجے گئے تھے۔ پھر یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔

شاہانِ عرب وعجم میں رسول اللہ ﷺ کے مکتوب الیہم

اس زمانے میں جن بادشاہوں کو آپ ﷺ نے گرامی نامے تحریر فرمائے اور ان کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس بارے میں شیخ علی متقیؒ کنز العمال میں حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ”إن الله بعثنى رحمة للعالمين كافة فأدّوا عنى رحمكم الله ألا تخلفوا كما اختلف الحواريون على عيسى فإنه دعاهم إلى مثلي.....إلى المنذر بن الحارث بن أبى شمر الغسانى، وبعث عمرو بن امية الضمرى إلى النجاشى فرجعوا جميعاً جميعاً قبل وفاة النبى إلا عمرو بن العاص فان رسول الله تُوفىَ وهو في البحرين.“(۲)

(اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میری طرف سے دعوت کا فریضہ ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر رحم فرمائے، عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا، عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں اسی چیز کی دعوت دی جس کی میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں۔ چنانچہ (وہ) جس حواری کو قریب کی جگہ بھیجتے وہ بخوشی چلا جاتا۔ اگر دور بھیجتے تو بوجھل ہو کر بیٹھ جاتا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی، چنانچہ ہر شخص

۱۔ دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوت، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۲۹۴ھ / ۱۸۸۰ء، ۲/ ۲۹۴۔

۲۔ المتقی، علاء الدین علی، الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۱۰/ ۶۳۴-۶۳۵، رقم: ۳۰۳۳۶۔

جس قوم کی طرف بھیجا جاتا وہ اسی قوم کی زبان میں بات کرنے لگا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس امر کا تمھارے اوپر عزم کر لیا ہے لہٰذا تم یہ کام کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ کی طرف سے یہ کام کریں گے، جہاں چاہیں بھیجیں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن خذافہ السہمیؓ کو شاہ فارس کسریٰ کے دربار میں، حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کو یمامہ کے بادشاہ ہوذہ بن علی کی طرف، حضرت عمرو بن العاصؓ کو عمان کے شاہوں جیفر اور عبد بن جلندیٰ کی جانب، حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ کو قیصر روم کے پاس، حضرت شجاع بن وھب الاَسدیؓ کو المنذر بن الحارث الغسانی کے ہاں اور حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ چنانچہ یہ تمام قاصد رسول اللہ ﷺ کی رخصت سے پہلے واپس لوٹ آئے البتہ حضرت عمرو بن العاصؓ واپس نہیں لوٹ سکے وہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت بحرین میں تھے)۔

علاوہ ازیں اہم سفیروں کو مقوقس حاکم اسکندریہ و مصر، منذر بن ساویٰ شاہ بحرین، شرحبیل بن عمرو الغسانی حاکم بصرہ اور حارث بن عبد کلال الحمیری حاکمِ یمن کی طرف روانہ فرمایا۔(۱) گذشتہ دو صدیوں میں آپ ﷺ کے چھ مکتوبات مبارکہ اپنی اصلی حالت میں دستیاب ہو چکے ہیں۔ یہ مکاتیب نجاشی، ہرقل، مَقُوقِس، مُنذِر بن ساویٰ التیمی اور خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں اور شاہانِ عمان جیفر اور عبد بن جلندیٰ بن عامر کے نام ہیں۔ ذیل میں رسول اللہ ﷺ کے اہم مکتوب الیہم کا مختصر تعارف حاضر ہے۔

شاہ حبشہ اصحمہ بن ابجر نجاشی:

اہل حبشہ کے حکمرانوں کو نجاشی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حبشی زبان میں بادشاہ کو نَجُوس (Nagus) کہتے ہیں۔ نجاشی نجوس کا ہی معرب ہے۔ پہلے یہ شاہی خاندان بت پرست تھا۔ شاہان روم کے زیر اثر ۳۳۰ء میں پہلے نجاشی اذینہ نے عیسائیت قبول کی۔ اسی کی اولاد سے چھٹی صدی عیسویں میں اصحمہ بن ابجر نجاشی ہوئے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں شاہ حبش تھے۔(۲) عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور تھے۔(۳) بہت منصف مزاج، رحمدل اور آسمانی کتب کے ماہر عالم تھے۔ ان کی عادلانہ حکومت میں حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے شدید جور و ستم سے بچنے کے لیے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ ان کی رعایا اور امراء میں سے بھی کئی لوگوں نے سلام قبول کر لیا۔ اسی (۸۰) سال سے زائد عمر پا کر

۱۔ الحمیری، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، (م ۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی الحلبی وأولادہ، مصر، ۱۹۵۵، ۲/۶۰۷۔

۲۔ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مترجم: محمد عبد الشکور، المیزان لاہور، ۲۰۰۶ء، ۱/۱۲۷۔

۔ العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۱/۲۰۵۔

۹ھ /۶۳۱ء میں وفات پائی۔(۱) غزوہ تبوک سے مدینہ طیبہ واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن فجر کے بعد اصحابہ کرامؓ کو نجاشی کی وفات کی اطلاع دی اور سب کو عید گاہ جانے کا حکم فرمایا، پھر خود ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔(۲)

قیصر روم ہِرَقل (Heraclius)

چھٹی صدی عیسوی میں روم کی بازنطینی سلطنت ایک عظیم سیاسی قوت سلطنت رومہ کی تھی۔ سورۃ روم کے نام سے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ قوانین وضوابط اور نظمِ حکومت کے لحاظ سے یہ سلطنت اتنی وسعت اور گہرائی کی حامل تھی کہ آج تک یورپی ممالک میں میں رومن لاء کو بنیادی حیثت حاصل ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں یہ سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ مشرقی علاقوں کا دارالحکومت قسطنطنیہ اور مغربی حصے کا روم بن گیا۔ رومی سلطنت کے بادشاہ کو قیصر (Caesar) کہا جاتا تھا۔ عہدِ نبوی ﷺ میں روم کا قیصر ہِرَقُل (Heraclius) (۶۱۰ء-۶۴۱ء) تھا۔ اپنے باپ ہرقل کبیر (Heraclius the Elder) کی نسبت سے اسے ہرقل صغیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۵۷۵ء میں موجودہ ترکی کے قدیم شہر کپادوکیہ (Cappadocia) میں پیدا ہوا۔ مکمل نام فلاوی یس ہرقل اگستس (Flavius Heraclius Augustus) تھا۔ تقریباً اکتیس سال کی طویل المدت حکمرانی کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں فوت ہوا۔(۳) ہرقل کی ایرانی سلطنت کے ساتھ طویل عرصہ تک جنگی کشمکش جاری رہی۔ پہلے ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا اور پھر پیہم شکستوں کے بعد ہرقل نے فتوحات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ اس کی خبر سورۃ الروم کی ابتدائی آیات میں فرمائی گئی ہے۔(۴) رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ کو ہرقل کے جانب اپنا مکتوب دے کر بھیجا تھا۔

شاہ ایران خسرو پرویز بن ہرمز (Khosrow Parviz bin Hormizd) :

خسرو پرویز دوم (۵۹۱ء- ۶۲۸ء) مشہو ایرانی بادشاہ نوشیرواں بن کیقباد (۵۳۱ء-۵۷۹ء) کا پوتا تھا۔ اپنے والد ہرمز چہارم (م ۵۹۰ء) کے قتل کے بعد

۱۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/ نجاشی/ ۲۰۲۱-۰۹-۲۴ /

۲۔ بخاری، محمد بن إسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الرجل ينعى الى اهل الميت بنفسه، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والدعوۃ والارشاد، الریاض، ۱۴۱۷ھ، ص ۲۴۵، رقم: ۱۲۴۵۔

۳۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/ ہرقل/ ۲۰۲۱-۰۹-۲۴

۴۔ دیکھیں: الروم ۳۰: ۲-۵۔

بر سر اقتدار آیا۔ زر دشتی مذھب([1])کا حامل، ساسانی خاندان کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ ۵۷۰ء میں پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دعوت اسلام کے لیے اسے اپنا مکتوب بھیجا۔ اس نے جب نامہ مبارک پایا تو اپنے نام سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کو لکھا پا کر غصے میں آگیا اور نامہ مبارک چاک کر دیا۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: " مَزَّقَ کِتَابِیْ مَزَّقَ اللہُ مُلْکَہٗ "(اس نے میرے مکتوب کو ٹکڑی ٹکڑی کیا اللہ اس کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے دس جمادی الاول-۷ھ / ۶۲۸ء کو قتل کر دیا۔([2])

شاہان عمان جیفر وعبد بن جُلندیٰ (Jaifar & Abbad bin Julanda)

عبد اور جیفر دونوں جلندیٰ کے بیٹے تھے اور اس زمانہ میں عمان کے بادشاہ تھے۔ عمان میں ایرانی حکومت کی جانب سے جلندی بن المستکبر کا خاندان نامزد گیا گیا تھا۔ پہلے جُلَندیٰ اپنے علاقے کے حاکم تھے۔ ان کے بعد دونوں بیٹے حکومت میں شریک ہوئے۔ الاصابہ میں امام عسقلانیؒ نے جُلَندیٰ کو اس وقت زندہ قرار دیا ہے، جب حضرت عمرو بن العاص مکتوب نبوی ﷺ لے کر وہاں پہنچے تھے اور لکھا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ یہاں امام عسقلانیؒ نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید انہوں نے خود ضعیفی کی بنیاد پر اپنا اقتدار بیٹوں کے حوالے کر دیا تھا۔([3]) ان کے ساتھ رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا اور ان بھائیوں نے مجھے قوم میں اسلامی احکام نافذ کرنے اور صدقات وصول کرنے کی اجازت دے دی۔([4])

۱۔ زرتشی مذہب قدیم آریائی مذہب ہے۔ ثنویت کے عقیدہ پر یقین تھا اور دو خداؤں آہورامزدا/یزدان اور اہرمن کے ماننے والے تھے۔ آگ کو بہت ہی مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ معبدوں میں نیکی کے خدا (آہورامزدا) کے احترام میں آگ جلائی جاتی جسے ہر وقت جلتے رہنے کا اہتمام کیا جاتا۔ مردوں کو کھلی فضا میں میناروں پر لٹا دیا جاتا جن کا گوشت گوشت خور پرندے کھالیتے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: قادری، محمد انس رضا، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف وتقابلی جائزہ، مکتبہ اشاعۃ الاسلام، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۳-۲۲۰۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۹۵؛ دہلوی، عبد الحق، محدث، مدارج النبوت، مترجم: سید غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور، ۲۰۱۲ء، ۲/۶۹۳؛ الزہری (م ۲۳۰ھ)، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۵۸۔

۳۔ العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۱/۴۹۶۔

۴۔ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ)، زاد المعاد في هدي خير العباد، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ، کویت، ۱۴۱۵ھ، ۳/۶۹۵۔

حارث بن ابی شمر الغسانی(Haris bin Abi Shamir Al-Ghassani):

حارث (م۸ھ) قیصر روم کی جانب سے دمشق کا حاکم تھا۔ دمشق کے قریب مقام غوطہ اس کا پایہ تحت تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے قاصد اس کے پاس پہنچے تو وہ ان دنوں قیصر روم کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے مکتوب نبوی ﷺ پاکر بہت غصہ کیا جیسا کہ نیچے مکتوبات کے ذیل میں اس کا ذکر آرہاہے۔ فتح مکہ کے سال یعنی آٹھ ہجری کو وفات پائی۔(۱)

شاہِ یمن حارث بن عبد کُلال (Haris bin Abd Kulal)

یہ اہل یمن کے بنو حِمیَر کے بادشاہوں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اور ان کے دو بھائیوں کی جانب مکتوب لکھا۔ مختلف کتب سیر و تاریخ میں ان کے ایک بھائی کے نام میں اختلاف ہے۔ یہ شرحبیل، شریح، مسروح بن عبد کلال بتائے گئے ہیں ۔جبکہ تیسرے بھائی نُعَیم بن عبد کلال تھے۔(۲) حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ کے ہاتھ ان کے پاس گرامی نامہ بھیجا۔ ساتھ فرمایا کہ ان کے سامنے سورۃ بیّنہ /لم یکن الذی کی تلاوت کرنا۔ ابن حجرؒ الاصابہ میں ذکر کرتے ہیں کہ حارث بن عبد کلال مدینہ طیبہ آئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ان کی آمد سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس (یمن کی) جانب سے تمھارے پاس معزز ددھیال اور ننھیال والا ایک شخص آئے گا جس کے رخسار زردی مائل سفید ہونگے (جب وہ تشریف لائے تو وہ ایسے ہی تھے) جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا اکرام کیا ان سے معانقہ کیا اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ ابن حجرؒ ہی ایک دوسری روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اسلام لانے کا پیغام بھیجا تھا (خود نہیں آئے تھے) جب نبی کریم ﷺ تبوک سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو بڑے بڑے حِمیَری بادشاہوں نے اپنے ایمان لانے کی اطلاع بھیجی تھی جن میں حارث بھی شامل تھے۔(۳)

شاہ مصر و اسکندریہ مقُوقِس(Muqawqis):

مقوقس جریج بن مینا (م ۶۴۲ء)(۴) قیصر روم کی طرف سے مصر کا نائب السلطنت تھا۔ عیسائی تھا اور اپنے مذہب کا بڑا عالم تھا۔ یہ سکندریہ کا والی اور قوم قبط کا سردار تھا۔ باپ کی جانب سے رومی النسل اور ماں کی طرف سے قبطی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے

۱۔ الزہری (م ۲۳۰ھ)، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۵۸۔

۲۔ دیکھیں: مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، ص ۲۱۸؛ الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۶۴؛ الاصابہ، ۱/ ۵۸۴؛ اسد الغابۃ ۱/ ۴۷۰۔

۳۔ العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ۱/ ۵۸۴۔

۴۔ جریج بن متیٰ بھی کہا گیا۔ کچھ یورپی مؤرخین نے خورج بن مینا بھی لکھا (رحمۃ العالمین، ص ۱۵۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا کہ اصل نام بنیامین تھا (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۲)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ہاتھوں اسے اپنا مکتوب بھیجا۔اس نے نبی کریم ﷺ کے قاصد کا اکرام کیا۔نرم باتیں کیں اور تحائف کے ساتھ واپس کر دیا مگر اسلام قبول نہیں کیا۔(۱) ذکر کیا گیا ہے کہ جب قیصر روم ہرقل کو مقوقس کے تحائف بھیجنے کی اطلاع ملی تو اس نے مقوقس کو معزول کر دیا۔ مگر جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو مقوقس کو پھر بحال کر دیا۔اس کے بعد وہ ہر کام مسلمانوں کے مشورے سے کیا کرتا تھا۔(۲) ۲۲ھ / ۶۴۲ء کو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں وفات پائی۔

گورنر بحرین مُنذِر بن ساویٰ التمیمی (Munzir ibn Sawa Al-Tamimi):

منذر بن ساویٰ بن عبد اللہ ایرانی حکومت کی جانب سے بحرین (۳) کے گورنر تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کے مکتوب بھیجنے پر اپنی اکثر رعایا کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں بدستور بحرین کا حاکم برقرار رکھا۔منذرؓ کے نام حضور اکرم ﷺ نے نصف درجن سے زائد مکتوبات تحریر کروائے تھے۔اس کی وجہ ڈاکٹر حمید اللہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ منذر اسلام لے آئے تھے اور ایک اہم اسلامی صوبہ کے گورنر تھے اس لیے ان کی راہنمائی کے لیے آپ نے ان کو مکتوبات لکھوائے۔جو نامہ مبارک دستیاب ہوا وہ آپ ﷺ کا منذرؓ کے نام دوسرا مکتوب تھا۔منذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پہلے مکتوب پر اسلام لا کر آپ ﷺ جوابی خط لکھا اور اپنے اسلام لانے کی اطلاع کی تھی ۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ یہ مکتوب لکھوایا تھا۔(۴) ان کا انتقال ۱۱ھ کے لگ بھگ ہوا۔اس وقت حضرت عمرو بن العاص ان کے قریب تھے۔ جن سے حضرت منذرؓ نے وصیت کرنے کے احکامات کے بارے میں علم حاصل کیا۔(۵) ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے علاء بن الحضرمیؓ کو منذر بن ساویٰ جانب بھیجا تو وہ مسلمان ہو گئے اور وہ بہت اچھے مسلمان تھے۔پھر وہ رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد اہلِ بحرین کے ارتداد سے قبل ہی وفات پا گئے۔(۶)

۱۔الزہری (م ۲۳۰ھ)، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، س ن، ۱/ ۲۶۰۔

۲۔ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) عبد الرحمٰن (علامہ)، تاریخ ابن خلدون،، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی، س ن، ۲/ ۹۹

۳۔عرب کے مشرقی اور جنوب مشرقی علاقوں عمان اور الحساء وغیرہ کو اس وقت بحرین کہا جاتا تھا۔ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۹۱۔

۴۔تفصیل کے لیے دیکھیں: ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص۔۱۴۷-۱۴۸۔

۵۔العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مترجم: محمد عارف شہزاد علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ۶/ ۱۱۰۔

۶۔ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ء، ۵/ ۵۸؛ العسقلانی، احمد بن علی، ابن علی، ابن حجر، الاصابہ، ۶/ ۱۰۹۔

شاہ یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی(Hozah bin Ali Al-Hanafi)

یمامہ اور نجد کے علاقے میں بنو حنیفہ کا قبیلہ بہت بڑا اور بااثر تھا۔ یہ علاقہ خلیج فارس سے متصل تھا اور اس میں ایرانی اثرات کافی گہرے تھے۔ بنو حنیفہ کی دو بڑی شاخوں کے سردار ثمامہ بن اثال اور ہوذہ بن علی تھے۔ جن کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیط بن عمروؓ کو روانہ فرمایا۔ ان میں سے ثمامہ بعد میں ایمان لے آئے۔ جبکہ دوسری شاخ کا سردار ہوذہ بن علی تھا۔ یہ عیسائی تھا۔(۱) اس کے کسری سے خلیفانہ تعلقات تھے۔ کسریٰ نے ہوذہ کو جواہر جڑی ایک قیمتی ٹوپی بھیجی جسے وہ اکثر پہنا کرتا۔ اس کی بنا پر اس کا لقب ''ذوالتاج'' پڑ گیا تھا۔ وہ یمامہ میں ایرانی قافلوں کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ اس کے شرکتِ اقتدار کے مطالبے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملک کی ہالت کا ارشاد فرمایا تھا۔ ارباب سیر کے مطابق وہ اس کے چھ ماہ بعد ہی ہلاک ہو گیا تھا۔(۲) ایک دوسری روایت کے مطابق اس کی ہلاکت کی اطلاع فتح مکہ کے بعد حضرت جبرئیلؑ لے کر کر آئے۔(۳) اسی قبیلہ کا ایک اور شر پسند مسیلمہ بن حبیب ایک وفد کے ساتھ مدینہ طیبہ آیا۔ جو بعد میں مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قاصدین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم قاصدین یا سفیروں میں درج ذیل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین شامل تھے:

حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ: حضرت حارث بن عمیر الازدیؓ(م ۷ھ) قبیلہ بنو ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت حسین تھے اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ فصیح و بلیغ صحابہ کرام میں شمار ہوتا ہے۔ فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاکم بصرہ شرحبیل بن عمرو کی طرف اپنا مکتوب دے کر بھیجا۔ مؤتہ کے مقام پر شرحبیل بن عمرو الغسانی آپؓ سے ملا، آپؓ کو گرفتار کیا۔ مکتوب لے کر آپؓ کو شہید کر دیا۔ آپؓ پہلے اور واحد سفیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کو شہید کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث ی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک تین ہزار لشکر مجاہدین کا لشکر مؤتہ روانہ فرمایا۔(۴)

۱۔ منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی(م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء)، رحمۃ اللعالمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۰ء، ۱/ ۱۵۶۔

۲۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات از عہدِ نبوی تا بہ خلافت راشدہ، مترجم: ابو یحیٰ امام خان نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۹۷۔

۳۔ حمید اللہ(م ۲۰۰۲ء) محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص ۲۶۴-۲۶۵۔

۴۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۲/ ۴۷۳۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ: حضرت حاطب عمرو بن ابی بلتعہ (م ۳۰ھ)۔ انؓ کا آبائی وطن یمن تھا اور مکہ میں غلامی یا بنی اسد سے خلیفانہ تعلق کی بنا پر رہتے تھے۔ قبل از ہجرت ایمان لائے۔ مکہ میں اناج کی تجارت کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا شمار بہترین شعراء میں ہوتا تھا مگر اسلام لانے کے بعد شاعری کو خیر آباد کہہ دیا۔ بدر اور احد میں اپنی بہترین تیر اندازی کا مظاہرہ کیا۔ بہت حسین اور قدرے چھوٹے قد کے مالک تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو والی مصر و اسکندریہ مقوقس کے پاس اپنا مکتوب دے کر بھیجا۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی ان کو مقوقس کی جانب بھیج کر ایک معاہدہ کیا۔ جو فتح مصر تک قائم رہا۔ ۳۰ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عثمان غنیؓ جو اس وقت خلیفہ تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ([1])

حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی: حضرت دحیہ نے غزوہ بدر سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا مگر اس غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ بہت خوبصورت تھے اور اپنے حسن و جمال کے باعث ہم عصروں میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ حضرت جبرئیل جب انسانی شکل میں آتے تو حضرت دحیہ کی شکل میں آتے۔ ([2]) حضور اکرم ﷺ نے ان کو قیصر روم کے پاس اپنا مکتوب دے کر بھیجا۔ حضرت دحیہؓ ان صحابہ کرام میں شامل تھے جو فتویٰ دیتے تھے۔ آخری عمر میں امیر معاویہؓ کے پاس شام میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ۵۰ھ میں وفات پائی۔ ([3])

حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ: السابقون الاولون میں شامل تھے۔ لوئی بن غالب (آٹھویں جد امجد) پر ان کا نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کو پچیسواں مسلمان کہا ہے۔ مگر انہیں اکیسویں نمبر پر اسلام میں داخل ہونے والے صحابی بھی کہا جاتا ہے۔ ۵-نبوی سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے پہلے شوہر حضرت سکران بن عمروؓ کے بھائی تھے۔ غزوہ بدر میں شرکت پر اختلاف ہے باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو ہوذہ بن علی اور ثمامہ بن اثال یمامہ کے سرداروں کی طرف مکتوبات دے کر بھیجا تھا۔ ایک ہی بیٹے سلیط بن سلیطؓ کا ذکر آتا ہے۔ ۱۲ھ / ۶۳۲ء کو مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں داد شجاع دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ ([4])

۱۔ اسد الغابۃ، ۲/ ۴۹۷-۴۹۸۔

۲۔ الازہری، محمد کرم شاہ (م۱۹۹۸ء)، ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ھ، ۴/ ۱۸۵۔

۳۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۴/ ۱۹۹۔

۴۔ بن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مترجم: محمد عبد الشکور، المیزان لاہور، ۲۰۰۶ء، ۴/ ۹۶۹۔

حضرت ابو وہب شجاع بن وھب الاَسدیؓ :سابقون الاولون صحابہ کرام میں شامل ہیں۔ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق تھا۔ بدری صحابی حضرت عقبہ بن وھبؓ کے بھائی ہیں۔ حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ ہجرت کی۔ یہ سن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے واپس مکہ آ گئے تھے۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ فصیح و بلیغ اور بہت دانش مند تھے۔ غزوہ بدر سمیت تمام غزاوت میں شرکت کی۔ حضور ﷺ نے ان کا حضرت ابن خولیؓ(۱) کے درمیان بھائی چارہ کروایا تھا۔ دراز قد، دبلے جسم مگر رعب دار شخصیت کے مالک تھے۔ ۱۲ھ کو تقریباً ۴۵ سال کی عمر میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔(۲)

حضرت عبداللہ بن خذافہ السہمیؓ: کنیت ابو الحارث تھی۔ قدیم الاسلام تھے۔ حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی تھی۔ حضرت خنیس بن حذافہ، ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب کے پہلے شوہر کے بھائی تھے۔ امام بخاری ان کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ لوگ ان کے نسب پر شک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے منبر شریف پر چڑھ کر فرمایا جو شخص جو پوچھنا چاہتا ہے، پوچھ لے! تو انھوں نے پوچھا حضور میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔(۳) حضور ﷺ نے ان کو بطور قاصد کسریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ بہت خوبصورت اور صحت مند جوان تھے۔ ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ آخری عمر میں مصر میں سکونت اختیار فرمائی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر میں انتقال فرمایا۔(۴)

حضرت علاء بن عبداللہ الحضرمیؓ: حضرت علاء بن عبد اللہ حضر موت سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابو سفیان کے والد حرب بن امیہ کے حلیف تھے۔ آٹھ ہجری میں فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ پہلے جرنیل تھے جنہوں نے سمندر کے ذریعے سفر کیا۔ غزوہ حنین کے بعد جعرانہ سے واپسی پر حضور اکرم ﷺ نے آپؓ کو بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ العبدی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ تجربہ کار منتظم، فاتح جرنیل، محدث اور فقیہ کے طور پر جانے جاتے تھے۔ بہت مستجاب الدعوات

۱۔ ابو لیلیٰ اوس بن خولی بن عبد اللہ بنو خزرج سے تعلق تھا۔ عبداللہ بن ابی سلول کے بھانجے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ کتابت، شہسواری اور تیراکی میں کامل مہارت کی بنا پر انہیں "کامل" کہا جاتا تھا۔ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ نہایت قوی تھے صرف ایک ہاتھ سے گھڑا اٹھا لیتے۔ عمرۃ القضاً کے وقت حضور ﷺ نے حضرت اوس بن خولی کی امارت میں دو سو سواروں کو ہتھیاروں کے ساتھ چھوڑا۔ نبی کریم ﷺ کی تدفین کے وقت اہل بیت کے ساتھ لحد مبارک میں اترے تھے۔ صرف ایک ہی بیٹی تھیں جو لاولد رہیں۔ الزہری، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/ ۵۴۲۔

۲۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۴/ ۱۰۲۳۔

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من کثرۃ السوال و تکلف مالا یعنیہ، ص ۱۵۲۸، رقم: ۷۲۹۴۔

۴۔ العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مترجم: محمد عارف شہزاد علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن۔ ۳/ ۲۳۲۔

تھے۔ منذر بن ساوی کو اسلام قبول کرنے پر حضور ﷺ نے بدستور بحرین کا حاکم رہنے دیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علاء کو بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپؓ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں حاکم بحرین بر قرار رکھا۔ اسی عہدے پر آپؓ کا انتقال ۱۴ھ کو بحرین سے بصریٰ جاتے ہوئے "لیاس" کے مقام پر ہوا۔ وہاں غسل دینے کے لیے پانی میسر نہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق وصال ۲۱ھ کو ہوا۔ ابن سعد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی رحمت سے بارش برسا دی، جس کے پانی سے آپؓ کو غسل دیا گیا۔ (۱)

حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ: حضرت عمرو بن امیہ الضمری الکنانی۔ کنیت ابو امیہ ہے۔ غزوہ احد میں کافروں کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ غزوہ احد کے بعد اسلام لے آئے۔ بئر معونہ کے واقعہ میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ وہاں ایک صحابی کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ اس وجہ سے کفار کے حملے سے بچ گئے۔ مگر بعد میں گرفتار ہوئے اور پھر آزاد کر دئے گئے۔ آپؓ نے اس واقعہ کی اطلاع حضور ﷺ تک پہنچائی تھی۔ اچانک قتل کے ماہر تصور کئے جاتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو حضرت خبیب بن عدیؓ (۲) کی شہادت کے بعد مکہ جا کر ان کا جسد مبارک لانے کی مہم پر روانہ فرمایا۔ جس میں کامیاب ہوئے۔ پھر نجاشیؓ کے لیے مکتوب دے کر ان کو روانہ فرمایا۔ اس کے ساتھ انہیں اپنا وکیل بنا کر بھیجا تا کہ نجاشی حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح کر دیں۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مطلب (شہید بدر) کی صاحبزادی حضرت سخیلۃ بنت عبیدہؓ سے شادی ہوئی تھی۔ تین صاحبزادے جعفر، فضل اور عبد اللہ تھے۔ ان تینوں نے اپنے والد سے حدیث روایت کی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عہد میں ۶۰ ہجری سے پہلے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ (۳)

حضرت عمرو بن العاصؓ: حضرت عمرو بن العاص بنو سہم سے تعلق رکھتے تھے۔ کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ بعض نے ابو محمد بھی بیان کی ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور خصائص کی بنا پر "داھیۃ العرب" اور "ارطبون العرب" کے القاب سے جانے جاتے تھے۔ آٹھ ہجری میں فتح مکہ سے چھ ماہ قبل اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو شاہان عمان کی طرف اپنا مکتوب دے کر روانہ فرمایا اور وہاں کا عامل بھی مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی طرف سردار بنا کر بھیجا وہاں کی

۱۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۷/ ۵۸۴-۵۸۵۔

۲۔ حضرت خبیب بن عدیؓ (م ۴ھ) انصاری تھے بنو اوس سے تعلق تھا۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ غزوہ بدر میں بھی شامل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں دس لوگوں کے ساتھ کفار کی جاسوسی کے لیے بھیجا، وہاں گرفتار ہو گئے اور مکہ لے جا کر انہیں بے دردی سے شہید کیا گیا۔ بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب ھَلْ یَسْتَأْسِرُ الرَّجُلُ وَمَنْ لَمْ یَسْتَأْسِرْ، ص ۶۱۷-۶۱۸، رقم: ۳۰۴۵۔

۳۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۷/ ۶۷۸۔

فتوحات میں شریک رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ نے انہیں فلسطین کا حاکم بنایا۔ پھر سردار لشکر بنا کر مصر کی طرف روانہ فرمایا، مصر کو فتح کیا اور فاتح مصر کا لقب پایا۔ حضرت امیر معاویہ کے قریب ترین مشیر تھے۔ تقریباً نوے سال عمر پائی۔ یکم شوال (عید الفطر) ۴۳ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔ اولاد میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ تھے جو اپنے والد سے پہلے اسلام لائے تھے۔ انھوں نے ہی والد کا جنازہ پڑھایا۔ پھر مقام مصطم میں تدفین کر
کے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی۔([1])

حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ: حضرت مہاجر بن ابی امیہ القرشی المخزومیؓ، یہ ام المومنین حضرت ام سلمی ہند بنت ابی امیہ کے بھائی تھے۔ پہلے ولید نام تھا، حضور ﷺ نے تبدیل کر کے مہاجر رکھا۔ ۹ھ کو رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو یمن کے حارث بن عبد الکلال الحمیری کی جانب اپنا مکتوب دے کر روانہ فرمایا۔ اپنی سفارت کے فرائض بہت خوش اسلوبی سے اداء کئے۔ آپ کی کوششوں سے حارث الحمیری کے ساتھ بہت سے یمنی باشندے اسلام لے آئے۔ بااخلاق، دانشور، عالم و فاضل، ذہین و فطین صحابی تھے۔ غزوہ تبوک میں جہاد نہ جانے پر حضور ﷺ ان سے ناراض ہوئے۔ پھر ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنھا کی سفارش پر معاف فرمادیا۔ انہیںؓ بنو کندہ اور بنو صدف سے وصولِ زکوۃ کا محصل مقرر فرمایا۔ عہد صدیقیؓ میں صنعاء کے عامل رہے۔ اسی دور میں مرتدین یمن کی طرف اسلامی فوج کے اہم کمانڈر رہے اور اہم خدمات سرانجام دیں۔ بعد میں یمن کے گورنر بنائے گئے۔ ([2])

مکتوبات نبوی ﷺ کا وسیع اور متنوع دائرہ

آپ ﷺ نے جن لوگوں کو مکتوبات بھیجے ان میں چار مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ ۱- مشرکین عرب ۲-عیسائی ۳- یہودی ۴- مجوسی۔ پھر آپ ﷺ نے جن کو دعوتی مکتوبات بھیجے ان میں بڑے شہنشاہ تھے، علاقائی بادشاہ تھے، بادشاہوں کی طرف سے تعینات گورنر تھے اور مختلف قبائل کے سردار تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مکتوب اہلِ سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ خوش قسمت حضرات حلقہ بگوش اسلام ہو کر دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔([3]) آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے علاوہ بہت سے مکاتیب احکامات اور تعلیم کے لیے اپنے صحابہ کرام کو بھی لکھوائے تھے، جنھیں آپ ﷺ

۱۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴/۱۹۹۔

۲۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۸/۲۶۰-۲۶۔

۳۔ رضوی، سید محبوب، مکتوبات نبوی ﷺ، ص ۴۲۔

نے مختلف مقاصد کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا ہوا تھا۔کچھ مکاتیب دستاویزات کی شکل میں مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے تھے۔ یہ مکتوبات کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

مکتوبات لکھنے کے لیے استعمال ہونے والا ذریعہ

رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے یہ مکتوبات کھال سے تیار کی گئی جھلی پر تحریر ہوتے تھے۔ جس کو عربی میں "رق" کہا جاتا ہے۔رق ایک خاص قسم کی باریک جھلی نما کھال ہے۔بہت مضبوط اور پائیدار ہونے کی بنا پر زمانہ قدیم سے اسے مقدس کتب (توریت و انجیل)، اہم دستاویزات اور بادشاہوں کو مکتوب تحریر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔یہ تحریر کے لیے استعمال ہونے والی اس زمانے کی دوسری اشیاء مثلاً پتھر، ہڈی اور کھجور کے پتوں وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ نفیس خوشنما اور ہلکی ہوتی تھی۔رق، بھیڑ بکری یا بچھڑے کی کھال کو چونے میں ڈال کر اس کے بال صاف کرنے کے بعد اس کی سطح کو پتھر وغیرہ سے رگڑ کر ہموار اور صاف کر کے بناتے تھے۔اسے انگریزی میں اسے (Parchment) کہتے ہیں۔اس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ طور میں آیا ہے: ﴿وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ ۝ فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ﴾[۱]

"طور کی قسم اور اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے، کھلے ورق پر"

اہم مکتوبات نبوی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جیساکہ ذکر ہوا۔نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بہت سے مکتوبات لکھوا کر بھجوائے۔ان میں سے چند اہم مکتوبات درج ذیل ہیں۔

مکتوب بنام نجاشی

رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت عمرو بن امیہؓ کو اپنا مکتوب دے کر شاہ حبشہ نجاشیؒ کی جانب بھیجا۔نجاشی کے نام حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے تین مکاتیب کا ذکر ملتا ہے۔آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ایک مکتوب بنام نجاشی دستیاب ہوا ہے ۔یہ دعوتی مکتوب حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سب سے پہلے نجاشی کو بھیجا تھا۔مکتوب مبارک یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم ، من محمد رسول الله إلى النجاشي الأصحم ملك الحبشة: سلمٌ أنت، فإني أحمد إليك الله، الملك ، القدوس، السلام ، المؤمن ، المهيمن، وأشهد أن عيسى بن مريم روح الله وكلمته، ألقاها إلى مريم البتول الطيبة الحصينة، فحملت بعيسى، فخلقه الله من روحه ونفخه، كما خلق آدم

۱۔سورۃ الطور ۵۲: ۱-۳۔

بيده ونفخه- وإني أدعوك إلى الله وحده لا شريك له، والموالاة على طاعته، وأن تتبعني وتؤمن بالذي جاءني.... فإني أدعوك وجنودك إلى الله، فقد بلغت ونصحت، فاقبلوا نصحي، والسلام على من اتبع الهدى.(1)

(اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رسول اللہ کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جانب: سلامت رہو! میں تمہارے سامنے اللہ کی جو تمام کائنات کا حاکم ہے، پاک ہے، امان ہے، اور امان دینے والا مقتدر ہے کی تعریف کرتا ہوں اور یہ شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ تھے۔ جسے اس نے نیک، پاک اور عفیفہ مریمؑ کے بطن میں ڈالا اور عیسیٰ بطن مریم میں حمل میں رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی روح اور دم سے اسی طرح بنایا جس طرح آدمؑ کو بنایا اور ان میں جان پھونکی تھی۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اس اللہ کی جانب جو ایک ہے، جس کا کوئی شریک نہیں کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس کی اطاعت کرنے میں میرا ساتھ دو ،میری پیروی کرو اور میری رسالت کا اقرار کرو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔۔۔ میں تمہیں اور تمہاری رعایا کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا تم میری اس نصیحت کو قبول کرو اور اس پر سلامتی ہو جس نے سیدھے رستے کی پیروی کی)

نجاشیؓ نے اسے اپنے خزانے میں محفوظ کر لیا تھا۔ یہ مکتوب مبارک اکتوبر ۱۹۳۸ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں حبش کے دارالسلطنت ادیس ابابا کے مسلم اخبار ''برہان الاسلام'' نے یہ خبر شائع کی کہ ہیلا سلاسی شاہ حبش نے اپنے خزانے سے سرور عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ نامہ مبارک نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا۔ یہ نامہ مبارک ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی جھلی پر لکھا ہوا ہے۔ اس میں مہر مبارک کے علاوہ سولہ سطریں ہیں ۔ (2) رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نجاشی کو ایک اور مکتوب بھی ارسال فرمایا تھا۔ جس کے آخر میں سیدہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان سے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا نکاح کرنے کا لکھا گیا تھا۔ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ نجاشیؓ نے ان دونوں گرامی ناموں کو ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں بڑے اہتمام سے محفوظ کیا اور کہا:

''لَنْ تَزَالَ الْحَبَشَةُ بِخَيْرٍ مَا كَانَ هَذَانِ الْكِتَابَانِ بَيْنَ أَظْهُرِهَا''(3)

۱۔ الطبری (م ۳۱۰ھ)، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، بیت الافکار الدولیۃ، الریاض، س ن، ص ۴۱۸۔

۲۔ حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سیاسی زندگی، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۲۶-۱۳۳۔

۳۔ الزہری، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۹۹۔

(جب تک یہ دو گرامی نامے حبشہ میں موجود رہیں گے اس میں ہر طرف خیر رہے گی)

مکتوب بنام ہرقل

آپؐ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ کو مکتوب دے کر ہرَ قُل قیصر روم کے پاس بھیجا تھا۔ تاریخی حوالوں کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ہرقل کے نام یہ مکتوب اردن کی ہاشمی سلطنت کے بانی اور سابق سربراہ شاہ حسین کے داداشاہ عبد اللہ کی ملکیت میں تھا۔ شاہ عبد اللہ نے اسے اپنی آخری بیوی ملکہ نجدہ کو بطور مہر دیا۔ نجدہ عمان سے ترک وطن کر کے ہند چلی گئیں تھیں اور یہ مکتوب سوئزر لینڈ کے ایک بینک میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اس مکتوب کے اصل ہونے کی تصدیق برٹش میوزیم کے ماہرین نے کی ہے۔ اس کے اصل اور قدیم ہونے کی تصدیق اس کھال سے ہوتی ہے جس پر یہ تحریر کیا گیا تھا۔ یہ ایک مستطیل جھلی پر لکھا گیا ہے اور متن آٹھ سطروں پر مشتمل ہے۔(۱) مکتوب مبارکہ یہ ہے:

''بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ مِنۡ مُّحَمَّدٍ عَبۡدِ اللهِ وَرَسُوۡلِهٖ إِلٰى هِرَقۡلَ عَظِيۡمِ الرُّوۡمِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى، أَمَّا بَعۡدُ: فَإِنِّيۡ أَدۡعُوۡكَ بِدِعَوَةِ الۡإِسۡلَامِ، أَسۡلِمۡ تَسۡلَمۡ يُؤۡتِكَ اللهُ أَجۡرَكَ مَرَّتَيۡنِ، فَإِنۡ تَوَلَّيۡتَ فَعَلَيۡكَ إِثۡمُ الۡأَرِيۡسِيِّيۡنَ، وَيٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللهِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ''(۲)

(محمد کی جانب سے، جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا ہے۔ سلامتی ہو ہر اس بندے پر جو ہدایت کا پیروکار ہے۔ میں تمھیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس دعوت کو نہ مانا تو تمام رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تم پر ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب نہ بنائیں پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں)

ڈاکٹر حمید اللہ نے ''مجموعۃ الوثائق السیاسیہ'' میں ہرقل کے نام ایک دوسرے مکتوب کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے ہرقل کو تبوک سے ارسال فرمایا تھا۔ یہ مکتوب گرامی بھی حضرت دحیہ الکلبیؓ کے ہاتھ ہی بھیجا گیا تھا۔ اس میں بھی قیصر روم کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور اسلام لانے کے بعد اس کے حقوق و ذمہ داریاں مسلمانوں کی

۱۔ محمد یونس، رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام، دار الفرقان، راولپنڈی، ۱۹۹۶ء، ص ۳۷۷-۳۷۸۔

۲۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، الطبعہ السادسہ، دار النفائس، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ص ۱۰۹۔

مانند ہو جانے کے بارے میں آگاہی دی گئی۔ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جزیہ کی ادائیگی کو قبول کرنے کا فرمایا اور لکھا کہ اگر تمھیں یہ بات بھی قبول نہیں تو اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دو تاکہ جو چاہے وہ آزادانہ طور پر اسلام قبول کر لے اور جو چاہے وہ جزیہ دے کر پناہ ہماری حاصل کر لے۔(۱) ڈاکٹر حمید اللہ ہرقل کے ایک سفیر تنوخی کو رسول اللہ ﷺ کے بھیجنے کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اسے قیصر کی جانب سے کئی دوسری باتوں کے ساتھ یہ تاکید ہوئی تھی کہ وہ دھیان رکھے رسول اللہ اس کے ارسال کردہ خط کا کیا ذکر کرتے ہیں؟ جب اس سفیر کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک دعوت نامہ کسریٰ کی جانب بھیجا تو اس نے اسے پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ میں نے تیرے بادشاہ کو مکتوب بھیجا تو اس نے اسے عزت و احترام سے وصول کیا، (اس لیے) لوگ اس کی قوت سے خائف رہیں گے۔(۲)

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ ہرقل نے مکتوب گرامی کو سونے کی ایک نلکی میں محفوظ کر لیا تھا۔ ہرقل کے وارث آنے والے تمام قیصر اس مکتوب کی تعظیم و تکریم کرتے رہے۔ ایک قیصر روم شلیطن بن اذفرنش نے ایک مسلمان سفیر سیف الدین طلح المنصوریؒ کو ایک سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا صندوق دکھایا۔ جس سے ایک زریں قلم دان نکالا پھر اس کو کھول کر اس میں سے ایک مکتوب نکالا اور بتایا کہ یہ تمھارے نبی ﷺ کا نوازش نامہ ہے۔ جو میرے دادا ہرقل کو لکھا گیا تھا۔ ہم اسے ہر نسل میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے اجداد کی وصیت ہے کہ جب تک یہ گرامی نامہ ہمارے پاس محفوظ رہے گا۔ ہماری حکومت باقی رہے گی۔ اس لیے ہم اسے بہت حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ کسی کو بھی اس پر مطلع نہیں ہونے دیتے(۳)

مکتوب بنام کسریٰ

آپ ﷺ نے فارس کے کِسریٰ خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کی طرف عبد اللہ بن خذافہ السہمیؓ کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی کِسریٰ عظیم فارس! سلامٌ علی من اتبع الھدیٰ و اٰمن باللہ و رسولہٖ و شھِد ان لا الٰہ الّا اللہُ وحدہ لا شریك لہ و انّ محمداً عبدہ و رسولہ و ادعوك بِدُعَاءِ

۱۔ ایضاً، ص ۱۱۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔

۳۔ العینی، بدر الدین محمود (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ۱/ ۹۹۔

اللهِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِّأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ فَإِنْ أَبَيْتَ، فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوسِ عَلَيْكَ''(۱)

(محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کی جانب! سلامتی ہو اس بندے پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ جو اللہ، اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں (اے کسریٰ!) میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، تمام لوگوں کی طرف تاکہ (ہر) اس شخص کو ڈراؤں جو زندہ ہے اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو تمام مجوسوں کی گمراہی کا گناہ تم پر ہو گا)

مئی ۱۹۶۳ء میں ساری دنیا کے تمام بڑے اخبارات نے بیروت کی یہ اطلاع شائع کی کہ وہاں کے سابق وزیر خارجہ (ہنری فرعون) کے موروثی ذخیرے میں اصل مکتوب نبوی ﷺ بنام کسریٰ دریافت ہوا ہے۔ یہ دریافت ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تھی۔ انھوں نے ۲۲-مئی ۱۹۶۳ء کو بیروت کے روز نامہ ''الحیوۃ'' میں اس مبارک نامہ کی تصویر اور ایک تحقیقی مضمون شائع کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ہنری فرعون نے پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی۔ ہنری فرعون کو ۱۹۶۲ء تک یہ علم نہیں تھا کہ یہ مکتوب نبوی ﷺ ہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس نے یہ مکتوب ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کے حوالے کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں یوں یہ مکتوب منظر عام پر آیا۔ یہ بھی ایک جھلی پر تحریر ہے جو ایک سبز کپڑے پر چسپاں تھی۔ گہری خاکی جھلی پرانی اور نرم ہے جس کے کنارے سیاہ ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی خود اس مکتوب کی زیارت کی ڈاکٹر المنجد کے مضمون پر اپنے مشاہدات کا اضافہ کیا۔ جھلی اٹھائیس سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سینٹی میٹر چوڑی ہے۔ مگر چوڑائی یکساں نہیں ہے۔ عبارت پندرہ سطروں پر مشتمل ہے۔ نیچے مہر ہے۔ مکتوب کا نچلا حصہ پانی سے متاثر ہے، جس کے باعث بعض جگہ سے الفاظ مدہم ہو چکے ہیں اور کہیں سے مٹ گئے ہیں۔ مکتوب کے درمیان سے کسریٰ کے پھاڑنے کا نشان نمایاں ہے جسے بعد میں سی دیا گیا تھا سلائی عکس سے واضح ہے(۲)۔

۱۔ ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ء، ۴/۳۰۷۔

۲۔ البلاغ (ماہنامہ)، جامع دارالعلوم، کراچی، جلد ۲۰، شمارہ ۹، مئی ۱۹۶۸ء؛ مکتوبات نبوی ﷺ، ص ۱۵۰-؛ فضل الرحمٰن، سید، خطوط ہادیٔ اعظم ﷺ، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۶۰۔

مکتوب بنام مقسوقس

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ جب قیصر روم اور کسریٰ ایران سے اسلام لانے کی امید نہ رہی تو رسول اللہ ﷺ نے قیصر وکسریٰ کے باجگذار عرب روساء اور صوبہ داروں کو براہ راست دعوتی مکتوبات لکھ کر بھیجے۔(۱) والیٔ مصر اور قبطی قوم کے سردار مقوقس کو یہ مکتوب گرامی ارسال فرمایا:

"بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيم، مِنۡ محمَّدٍ عبدِ اللهِ و رسُولِه، إلى المُقَوْقِس عظِيم القِبْط، سَلامٌ على من اتَّبَعَ الهُدى، أما بَعۡدُ: فإنِي أدۡعُوكَ بِدِعَايَةِ الإسۡلامِ، أَسۡلِم تَسۡلَمْ، وأَسۡلِم يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فإنۡ تَوَلَّيْتَ، فإنَّ عَلَيۡكَ إثْمَ القِبۡط ،يَا أَهۡلَ الۡكِتَابِ تَعَالَوۡا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيۡنَنَا وبَيۡنَكُمۡ أَلا نَعۡبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلا نُشۡرِكَ بِهِ شَيۡئاً وَلا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضاً أَرۡبَاباً مِّن دُونِ اللهِ، فَإِن تَوَلَّوۡا فَقُولُوا اشۡهَدُوا بِأَنَّا مُسۡلِمُونَ (۲) "(۳)

(محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مصر کے حکمران مقوقس کو۔ سلام ہو اس شخص پر جس نے راہِ ہدایت اختیار کی۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ' محفوظ رہو گے۔ مسلمان ہو جاؤ' اللہ تمہیں دُہرا اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر تم اعراض کرو گے تو رعایا کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ بھی تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اے اہلِ کتاب !آجاؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّمہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اپنے میں سے کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ اگر اہلِ کتاب نہ مانیں تو اے مسلمانو! تم اعلان کر دو کہ سب لوگ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں)

مقوقس نے یہ نامہ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ڈبے میں محفوظ کر کے اس پر مہر لگا دی۔ نبی کریم ﷺ کو جواب میں لکھا کہ مجھے علم تھا کہ ایک نبی اللہ باقی ہیں۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظہور فرمائیں گے۔ میں نے آپ ﷺ کے مکتوب کا احترام کیا ہے اور آپ ﷺ کو قوم قبط کی دو بلند مرتبہ کنیزیں، ایک چادر اور ایک (نایاب) خچر بھیجی ہے کہ اس پر سوار ہوں۔ مگر ایمان نہیں لایا۔ یہ دونوں کنیزیں حضرت ماریہ قبطیہ والدہ ابراہیم بن رسول اللہ

۱۔ حمید اللہ محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۷۷۔

۲۔ سورۃ آل عمران ۳: ۶۴۔

۳۔ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ)، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/۶۹۱۔

ﷺ اور سیرین تھیں۔ سفید خچر دلدل جسے آپ ﷺ نے استعمال فرمایا۔ اس زمانے میں عرب میں ایسا کوئی خچر نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس خبیث نے اپنی سلطنت پر بخل کیا۔ حالانکہ اس کی سلطنت کو کوئی بقا نہیں۔(۱)

۱۸۵۰ء میں یہ مکتوب فرانس کے ایک مستشرق موسیو بارتل می (Borthlamy) کو مصر میں اخمیم کی ایک عیسائی خانقاہ سے ملا۔ یہ مکتوب ایک انجیل کی جلد پر چپکا ہوا تھا۔ یہ مستطیل نما جھلی پر لکھا ہوا ہے۔ جس کی مہر سمیت بارہ سطریں ہیں۔ اس مبارک مکتوب کو ترکی کے سلطان عبد المجید خان (۱۲۵۵ھ-۱۲۷۷ھ / ۱۸۳۹ء-۱۸۶۱ء) نے موسیو بارتل می سے تین سو پاؤنڈز میں خرید کر توپ کاپی (Topkapi) میوزیم میں حضور ﷺ کے تبرکات میں رکھوا دیا تھا۔ آٹھویں صدی کے جلیل القدر عالم، شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی المقدسی نے "مصباح المضی" کے نام سے مکتوبات نبوی کو جمع کیا تھا۔ اس میں وہ واقدی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مقوقس کے نام جو مکتوب نبوی ﷺ روانہ کیا گیا تھا۔ اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا تھا۔ یوں خوش نصیبی سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ سے لکھی تحریر بھی ہم تک پہنچی ہے۔(۲)

مکتوب بنام منذر بن ساوی:

رسول اللہ ﷺ نے شاہ بحرین منذر بن ساویٰ کو یہ مکتوب لکھا:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم، مِنْ محمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إلى المُنْذِرِ بن سَاوى، سَلامٌ عَلَيْكَ؛ فإنِّي أحمد إليك الله الذى لا إله إلاَّ هو، وأَشْهَدُ أَنْ لا إله إلاَّ اللهُ، وأنَّ مُحمَّداً عَبْدُهُ ورَسُولُه، أمَّا بَعْدُ: فإنى أُذَكِّرُكَ اللهَ عَزَّوجَلَّ، فإنَّه مَنْ يَنْصَحْ فإنَّمَا يَنْصَحُ لِنَفْسِه، وإنَّه مَنْ يُطِعْ رُسُلى، ويَتَّبِعْ أَمْرَهُم، فَقَدْ أطاعَنى، ومَنْ نَصَحَ لَهُمْ، فَقَدْ نَصَحَ لى، وإنَّ رُسُلى قد أَثْنَوْا عَلَيْكَ خيراً، وإنى قَدْ شَفَعْتُكَ فى قَوْمِكَ، فاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِينَ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وعَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنوبِ فاقْبَلْ مِنْهُم، وإنَّكَ مَهْما تَصْلُحْ، فلن نَعْزِلَكَ عن عَمَلِكَ، ومَنْ أَقَامَ على يَهُودِيَّةٍ أَوْ مَجُوسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الجِزْيَةُ"(۳)

(اما بعد! میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے اس نے میری اطاعت کی

۱۔ الزہری (م ۲۳۰ھ)، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۶۰۔

۲۔ رضوی (م ۱۹۷۸ء)، سید محبوب، مکتوبات نبوی ﷺ، بار پنجم، یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۱-۱۷۲۔

۳۔ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابی بکر، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/ ۶۹۲-۶۹۳۔

اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے، لہذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انہیں اس پر چھوڑ دو۔ اور میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے لہذا ان سے قبول کر لو۔ اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے)

یہ مکتوب ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء کو ایک فرانسیسی سیاح کو مصر کے ایک راہب سے ملا۔ یہ مکتوب گرامی ایک نہایت مہین سیاہی مائل بھوری کھال پر لکھا ہوا ہے۔ ترکی کے سلطان عبد المجید خان نے اس سیاح کو بھاری رقم دے کر یہ مکتوب مبارکہ بھی حاصل کیا۔ اسے استنبول کے توپ کاپی میوزیم میں دوسرے تبرکات کے ساتھ رکھا۔ یہ مستطیل نما جھلی پر دس سطری مکتوب ہے گیارہویں سطر میں مہر لگی ہے۔ اس مکتوب کا انداز تحریر بھی مقوقس والے مکتوب سے بہت حد تک ملتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ مکتوب بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے لکھا ہوا ہو۔ (۱) اسلام لانے کے بعد حضرت منذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ بحرین میں کئی لوگوں نے اسلام کو بہت پسند کیا ہے۔ بعض نے اس کے بارے میں کراہت کا اظہار کیا ہے اور کچھ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ میرے علاقے میں یہودی اور مجوسی بستے ہیں۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے انہیں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ کے بعد بھی اسلام قبول نہ کریں تو ان سے سالانہ ایک یمنی چادر 'معافری' کی قیمت کے برابر یعنی ایک دینار جزیہ لیا جائے (۲)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ خط وکتابت ۹ھ ہجری میں غزوہ تبوک کے پہلے ہوئی۔ (۳) پھر اس کے کچھ روز بعد حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کو بحرین بھیجا گیا تاکہ وہ حضرت منذرؓ سے جمع شدہ جزیہ لے آئیں۔ (۴)

مکتوب بنام جعفر بن جلندیٰ:

رسول اللہ ﷺ نے شاہان عمان کو جو مکتوب بھیجا اس کی دریافت ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے " الوثائق السیاسیۃ" میں اس مکتوب کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کا یہ مکتوب بنام جیفر و عبد ابن جلندیٰ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء کو پیرس میں کچھ لوگوں کے پاس تونس کے ایک عربی روزنامہ کے ایک تراشے میں چھپا دیکھا۔ لیکن

۱۔ محمد ہاشم، مفتی، رسول اکرم ﷺ کے مکتوبات اور معاہدات کا تحقیقی جائزہ، رضوی، سید محبوب، مکتوبات نبوی ﷺ ۔

۲۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، الطبعہ السادسہ، دار النفائس، بیروت، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۸۔

۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ منذر بن ساویؓ کے نام نو مکتوبات لکھے گئے۔ دیکھیں: حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص ۱۴۴-۱۵۲۔

۴۔ حمید اللہ محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۲۔

اس اخبار کا نام اور تاریخ اشاعت معلوم نہ ہو سکی۔ اخبار کی اس اشاعت میں اس مکتوب پر مختلف تبصرے بھی شامل تھے۔ جس میں بعض علماء نے اسے نسخہ اصلیہ قرار دیا۔ ان میں استاد اسمٰعیل الرصاصی جو کہ شام کے موجودہ اور ایران میں بعض عرب ممالک کے سابق سفیر تھے اس بارے میں بتایا کہ اس مکتوب کا اصل نسخہ "ہاوی لائبریری" میں پایا گیا ہے جو کہ محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے۔ لبنانی منتظم لائبریری نے استاذ اسماعیل رصاصی کو اس مکتوب کی تصویر بنانے کی اجازت تو دے دی مگر اصل مکتوب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس مکتوب کی تصویر تونس کے اخبار میں دیکھنے اور اس کے بارے میں پڑھنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس میں عمان کے سفیر سے ملے اور اسے یہ تاکید کی کہ وہ اس معاملے میں تحقیق کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کرے۔(۱) مکتوب مبارک یہ ہے:

"بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمنِ الرَّحِيم، مِنۡ محمَّدِ بنِ عبد الله، إلى جَيۡفَرٍ، وعَبۡدٍ ابنى الجُلَنۡدى، سَلامٌ على مَن اتَّبَعَ الهُدَى، أَمَّا بَعۡدُ: فإني أَدۡعُوكُما بدِعَايَةِ الإِسۡلام، أَسۡلِما تَسۡلَما، فإِنِّي رسولُ اللهِ إلى النَّاسِ كَافَّةً لأُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيّاً ويَحِقَّ القَوۡلُ عَلى الكَافِرِين، فإنَّكُما إنۡ أقۡرَرۡتُما بالإِسۡلامِ ولَّيۡتُكُما، وإن أَبَيۡتُما أنۡ تُقِرَّا بالإِسۡلام، فإنَّ مُلۡكَكُما زَائِلٌ عَنۡكُما، وَخَيۡلى تَحُلُّ بساحَتِكُما، وتَظۡهَرُ نُبُوَّتِى على مُلۡكِكُما"(۲)

یہ مکتوب پندرہ سطور پر مشتمل ہے۔ پندرہویں سطر مہر پر مشتمل ہے جو مجہول ہو چکی ہے۔ عبد و جیفر کے نام سرور کائنات ﷺ نے ذیقعدہ ۸ھ / ۶۳۹ء کو یہ مکتوب بھیجا تھا جسے حضرت ابی بن کعبؓ نے تحریر کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ پہلے میں ان بھائیوں میں سے عبد بن جلندیٰ سے ملا اور اسے اسلام سے متعارف کروایا۔ وہ ان بھائیوں میں زیادہ نرم مزاج و خلیق تھا۔ اس کے بعد میں جیفر بن جلندیٰ سے ملا، جو ان بھائیوں میں سے بڑا اور سربراہ تھا۔ دونوں بھائیوں نے کچھ تامل کے بعد بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جیفر نے مجھے اپنے ملک کا وزیر مال مقرر کر دیا تھا۔ (پھر) میں وہاں دولت مندوں سے زکوۃ وصول کر کے غریبوں پر تقسیم کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے وصال تک وہاں ہی مقیم رہ کر اپنے فرائض سر انجام دہی میں مصروف رہا۔(۳)

۱۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعة الوثائق السياسية، ص ۱۶۲-۱۶۳۔

۲۔ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابی بکر، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/ ۶۹۴-۶۹۵۔

۳۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، س ن، ۱/ ۲۵۸۔

مکتوب بنام ہوذہ بن علی حنفی:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیط بن عمرو العامریؓ کے ہاتھ قبیلہ بنو حنفہ کے سردار ہوذہ بن علی کو یہ مکتوب بھیجا:

''بسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ محمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إلى هَوْذَةَ بن عليّ، سَلامٌ عَلى من اتَّبَعَ الهُدى، واعْلَمْ أنَّ دِيني سَيَظْهَرُ إلى مُنْتَهى الخُفِّ والحافِرِ(۱) فأَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَجْعَلْ لَكَ ما تَحتَ يَدَيْكَ''(۲)

(اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سے ہوذہ بن علی کے نام! جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہے۔ جان لو کہ میرا یہ دین (اسلام) تمام دنیا تک پہنچے گا اور غالب آئے گا، پس تم اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔ تمھارا ملک تمھارا ہی رہے گا (مجھے اس سے سروکار نہیں)

ہوذہ نے حضرت سلیط کو اچھی طرح ٹھہرایا، مدارت کی آپ کا مکتوب پڑھا اور پھر اس کا جواب تحریر کرواکر حضرت سلیطؓ کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے لکھا کہ آ ﷺ کی جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت عمدہ اور اچھی ہے۔ میں اپنی قوم میں بلند مرتبہ اور ان کا خطیب و شاعر ہوں۔ اس لیے اگر آپ کچھ امور (بعض روایات کے مطابق بنوت کے اور بعض کے مطابق حکومت کے کچھ فرائض و مراتب) مجھے تفویض کردیں تو میں آپ ﷺ کی اس دعوت کو قبول کرلوں گا۔ اس نے جوابی مکتوب کے ساتھ کچھ تحائف اور حجر ساختہ قیمتی ملبوسات بھی قاصدؓ کے ہاتھ روانہ کئے۔ آپ ﷺ نے اس کے مکتوب کو پڑھ کر اس کے مطالبات کو رد فرمادیا اور فرمایا کہ اگر وہ زمین کے پانی کا بہاؤ بھی مانگتا تو میں اسے عطانہ کرتا۔(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَوْ سَئَالَنِیْ سَیَابه مِنَ الْاَرْضِ مَا اَعْطَیْتُهٗ وَ مَا اَجَرْتُهٗ، هَلَكَ مَافِیْ یَدِهٖ''(۴)

۱۔ الخُفِّ: اونٹ بکریوں وغیرہ کے سموں اور الحافر: گھوڑے، گدھے اور خچروں کے کھروں کو کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ جہاں تک ان چارپایوں کے پاؤں پہنچتے ہیں اور دنیا کا آخری کنارہ ہے، وہاں تک میرا دین اسلام پہنچے گا۔ دیکھیں: دہلوی، عبدالحق، محدث، مدارج النبوت، ۲/ ۷۰۰۔

۲۔ الجوزية، ابن قيم محمد بن ابی بكر، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/۶۹۶۔

۳۔ الزہری، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۵۸۔

۴۔ دہلوی، عبدالحق، محدث، مدارج النبوت، ۲/ ۷۰۱۔

(وہ اگر مجھ سے زمین سے ایک خوشہ کھجور کے برابر بھی مانگے تو میں اسے نہ دوں اور جائز قرار نہ دوں، (بلکہ) جو اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا)

مکتوب بنام الحارث بن أبي شِمرِ الغسّاني:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت شجاع بن وھبؓ کو حارث کی جانب بھیجا۔ جب حضرت شجاع اس کے پاس پہنچے تو وہ قیصر روم کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ دو روز تک حضرت شجاعؓ کی اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس دوران حارث کے مُری نامی دربان (حاجب)([1]) سے ملاقات رہی جس نے حضرت شجاعؓ کی بہت خاطر و تواضع کی۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے دریافت کیا۔ انہیں یہ واضع کر دیا کہ حارث قیصر سے بہت ڈرتا ہے اس لیے وہ ایمان نہیں لائے گا۔ مکتوب مبارک یہ ہے:۔

''بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنۡ محمّدٍ رَسُولِ اللهِ، إلى الحارث ابن أبي شِمۡرٍ: سَلامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى، وآمَنَ باللهِ وصَدَّقَ، وإنِي أدۡعُوكَ إلى أن تُؤۡمِنَ باللهِ وَحۡدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، يبقى لَكَ مُلۡكُكَ''([2])

(محمد رسول اللہ کی جانب سے، حارث بن ابی شمر غسانی کے نام، اس پر سلام ہو جو راہ ہدایت کی اتباع کرے، اس پر ایمان لائے اور اسے سچ جانے میں تمھیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ تمھارا ملک تمھارے پاس ہی باقی رہے گا)

جب حضرت شجاعؓ کی حارث سے ملاقات ہوئی اور آپؓ نے اسے مکتوب دیا تو وہ اسے پڑھ کر غصہ سے بے قابو ہو گیا اس نے گرامی نامہ زمین پر دے مارا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو میری حکومت چھیننا چاہتا ہے۔ میں اس پر حملہ کروں گا۔ اس نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور قیصر کو اپنے ارادے سے مطلع کیا مگر قیصر نے اسے اس ارادے سے باز رہنے کا حکم دیا اور لکھا کہ فوراً میرے پاس پہنچو۔ یہ حکم دیکھ کر اس کے مزاج کی تلخی دور ہو گئی۔ اس نے حضرت شجاعؓ کو بلوایا اور

۱۔ مریؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سنا تو وہ آپ ﷺ کے بارے میں سولات کرتا اور آپ ﷺ کے بارے میں سنتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جاتا کہتا کہ انجیل میں آنے والے نبی کی جو علامتیں پڑھی ہیں وہ ساری ان ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ اس نے اپنے ایمان کا اقرار کیا اور کہا کہ اگر مجھے حارث کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنے ایمان کا اعلان کر دیتا۔ واپسی پر مریؓ نے حضرت شجاع کو لباس اور زاد راہ پیش کیا اور کہا کہ نبی کریم ﷺ کو میرا اسلام عرض کریں۔ الزہری، ابوعبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۵۸۔

۲۔ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابی بکر، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/۶۹۷۔

پوچھا کہ آپؐ کا واپسی کا کب تک ارادہ ہے۔ پھر انہیں ہدیۃً ایک سو مثقال سونا پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے حارث بن ابی شمر کے رویے کے بارے میں سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی سلطنت برباد ہوگئی۔(۱)

نجران کے عیسائی پادریوں کو دعوتی مکتوب

رسول اللہ ص ﷺ نے اہل نجران، ان کے راہبوں اور پادریوں کے نام بھی اسلام کو قبول کرنے کے لیے یہ مکتوب بھیجا:

بِاسْمِ إِلَهِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، مِنْ مُحَمَّدٍ النبی رسول الله الی أسقف نجران! أسلم أنتم فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمْ إِلَهَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكُمْ إِلَى عِبَادَةِ اللهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ، وَأَدْعُوكُمْ إِلَى وِلَايَةِ اللهِ مِنْ وِلَايَةِ الْعِبَادِ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ آذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَالسَّلَامُ.(۲)

(ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے معبود کے نام سے، محمد ﷺ کی جانب سے نجران کے عالم کے نام! اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گے، میں احمد تمھارے ساتھ حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے معبود کی تعریف کرتا۔ اس کے بعد میں تمھیں بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی جانب بلاتا ہوں، بندوں کی دوستی سے اللہ تعالیٰ کی دوستی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ پھر اگر تم نے انکار کیا تو تم پر جزیہ کی ادائیگی لازم ہے اور اگر (اس سے بھی) انکار کیا تو میں تمھیں جنگ کی طرف بلاؤں گا)

اہل نجران نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا۔ ہاں اطاعت کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک معاہدہ لکھوا دیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ اس دور کے اہل نجران نے اپنے بڑے پادری السید الغسانی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحائف بھیجے، خراج عقیدت پیش کیا اور اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لیے یہ تک کہلا بھیجا کہ آپ ﷺ کی فتح کے لیے آپ ﷺ کی جانب سے جنگ میں شمولیت کے لیے بھی تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تحائف قبول فرما کر ایک معاہدہ تحریر کروا دیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس معاہدے کی تجدید کی تھی۔(۳)

۱۔ الزہری، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۵۸۔

۲۔ ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ۵/۶۴۔

۳۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص ۱۸۰۔ آگے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس معاہدے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہود خیبر کو مکتوب

آپ ﷺ نے یہود خیبر کی طرف بھی ایک دعوتی مکتوب ارسال فرمایا تھا۔ اس میں توراۃ شریف کا حوالہ دے کر انہیں اسلام کی دعوت دی:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله صاحب موسى وأخيه والمصدق لما جاء به موسى ألا إن الله قال لكم: يا معشر اليهود وأهل التوراة وإنكم لتجدون ذلك في كتابكم ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ ،(۱) وإني أنشدكم بالله و بالذي أنزل عليكم وأنشدكم بالذي أطعم من كان قبلكم المن والسلوى وأيبس البحر لآبائكم حتى أنجاكم من فرعون وعمله إلا أخبرتموني، هل تجدون فيا أنزل الله عليكم أن تؤمنوا بمحمد ﷺ قد تبين الرشد من الغي وأدعوكم إلى الله وإلى رسوله . (۲)

(بسم اللہ الرحمن الرحیم ، محمد رسول اللہ کی طرف سے جو نبوت و رسالت میں موسیٰ کی طرح ہیں اور ان امور کی تصدیق کرنے والے ہیں جو موسیٰ لے کر آئے تھے۔ اے اہلِ تورات! کیا اللہ نے تورات میں یہ نہیں کہا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو لوگ ان کے ساتھ ہوں گے ،وہ اللہ کے دشمنوں کے لیے بہت سخت ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور محبت کرنے والے ہوں گے،وہ اللہ کے آگے جھکنے اور سجدہ کرنے والے ہوں گے اور وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں گے۔ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے توراۃ نازل کی اور جس نے تمہارے بزرگوں کو من و سلویٰ کھلایا اور سمندر کو ان کے لیے خشک کیا، فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، کیا توراۃ میں مجھ پر ایمان لانے کے لیے ذکر موجود نہیں ؟ میری نسبت توراۃ کی اس تصریح کے بعد کیا ہدایت اور گمراہی واضح نہیں ہو جاتی ؟ پس میں تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دیتا ہوں)

مگر یہود نے اس مبارک دعوت پر کوئی غور و خوص نہیں کیا اور اس مکتوب شریفہ کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا۔ (۳)

۱۔ سورۃ الفتح ۴۸: ۲۹۔

۲۔ المتقی، علاء الدین علی، الھندی، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۱ھ، ۱۰/ ۴۶۹، رقم: ۳۰۱۳۱؛ الحمیری، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ۱/ ۵۴۴۔

۳۔ حمید اللہ محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۱۷۔

دیگر والیان مملکت اور حاکم علاقہ جو اسلام لانے کی سعادت سے مشرف ہوئے:

جب نبی کریم ﷺ نے مختلف علاقوں کے والیوں اور حاکموں کو اپنے قاصدوں کے ذریعے مکتوبات بھیج کر اسلام کی دعوت دی۔ تو ان میں سے کئی نے اسلام کی حقیقت جان کر اسلام قبول کر لیا۔ ان میں نجاشیؓ، عبد و جیفر بن جلندیٰ، منذر بن ساویٰ اور حضرت حارث بن عبد کلالؓ کا ذکر اوپر ہو چکا۔ مکتوبات نبوی ﷺ کے ایک نتیجے کے طور پر ان باقی خوش قسمت اور مبارک حاکموں کے نام جنھوں نے پیغام نبوی کو پایا تو اسلام قبول کر لیا:

۱. **ابو امامہ ثمامہ بن اثال حنفی یمامی:** آپ ﷺ نے انہیں بھی اسلام قبول کرنے کے لیے قاصد حضرت سلیطؓ کے ہاتھوں اپنا مکتوب بھیجا۔ اس وقت تو یہ اسلام نہیں لائے مگر بعد میں فتح مکہ سے پہلے ایک سریہ میں صحابہ کے ہاتھوں پکڑے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ مسیلمہ کذاب کے فتنہ ارتداد میں بنو حنیفہ کو اسلام پر مضبوط رکھنے کی کوششیں کیں۔ یمامہ چھوڑ کر بحرین گئے اور اسلامی لشکر کا ساتھ دیا۔ اس زمانے میں بنی قیس کے لوگوں نے شہید کر دیا۔([۱])

۲. **فروہ بن عمرو الجذامی:** عرب کے شمالی (شام اور فلسطین کے متصل) علاقوں پر جہاں بزنطینی سلطنت کا قبضہ تھا، اس سارے علاقے میں قیصر روم کی جانب سے فروہ بن عمروؓ حاکم تھے۔ جس کا دار الحکومت معان تھا۔ اسلام کی حقانیت ان تک مکتوب نبوی کے ذریعے پہنچی ([۲]) تو اسلام قبول کر کے قاصد کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی، آپ ﷺ کو مکتوب لکھا اور ایک قیمتی سفید خچر کا ہدیہ بھیجا۔ قیصر روم کو جب ان کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو انہیں گرفتار کروا کے پاس بلوا لیا۔ اسلام سے ہٹانے کیبہت کوششیں کیں۔ مگر مسلسل انکار پر پھانسی دے دی۔ ([۳]) قبول اسلام کے بعد یہ عظیم انسان اس پر یوں مضبوطی سے جم گئے کہ پھر حکومت، دولت، عزت اور جان ہر چیز قربان کر دی مگر پیچھے نہیں ہٹے۔

۳. **جبلہ بن ایہم الغسانی:** رسول اللہ ﷺ نے جبلہ بن ایہم کو بھی دعوت اسلام دی۔ یہ بنو غسان کے سردار تھے۔ قیصر روم کے خلیف تھے۔ عیسائی حکومت کے قرب میں ان کا سارا قبیلہ عیسائی مذھب اختیار کر چکا تھا۔ حضرت شجاع بن وھبؓ کو

۱۔ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۱/ ۳۵۵-۳۵۶۔

۲۔ منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ اللعالمین، ۱/ ۱۷۳۔

۳۔ الجوزیۃ، ابن قیم، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳/ ۵۶۴۔

حارث بن ابی شمر غسانی کے ساتھ ساتھ جبلہ کی جانب بھی بھیجا گیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جبلہ اسلام لے آیا اور اپنے اسلام کی خبر رسول اللہ ﷺ کو بھیجی۔ آپ ﷺ کو ہدیۃ بھیجا اور برابر مسلمان رہا۔(۱) اس کی تصدیق امام سہیلی نے الروض الانف میں اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ میں بھی کی ہے۔(۲) حتیٰ کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمرؓ کے عہد میں ایک اعرابی کے ساتھ قصاص کا معاملہ ہوا تو اپنی سرداری کے زعم میں اپنی بے عزتی تصور کر کے مرتد ہو گیا۔(۳)

۴. **اکیدر بن عبدالملک الکندی:** رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اکیدر کی جانب روانہ فرمایا۔ اکیدر دومۃ الجندل کے عیسائی سردار تھے۔ دومۃ الجندل سلطنت رومہ کا صوبہ شام میں ایک سرحدی شہر تھا۔ یہ ایک اہم تجارتی گزر گاہ بھی تھی۔ رسول اللہ نے حضرت خالد کو فرمایا کہ وہ شکار کرتے ہوں گے تو انہیں زندہ گرفتار کرنا ہے۔ امام ابو قاسم سہیلی نے روض الانف میں اس مکتوب کا ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اکیدر نے نام لکھا۔(۴) اکیدر گرفتار ہو کر آئے اور پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کر لیا۔(۵)

۵. **ذی الکلاع الحمیری:** ابو شرحبیل اسمیفع بن ناکور ذوالکلاع الحمیری اپنے قبیلے کے سردار اور یمن و طائف کے بعض علاقوں پر حاکم تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے ہاتھ انہیں دعوت اسلام دی۔ اس پر بیوی

۱۔ الزہری، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۶۴۔

۲۔ دیکھیں: سہیلی، ابو القاسم عبد الرحمٰن، شرح سیرت ابنِ ہشام (ترجمہ: الروض الانف)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ۴/ ۵۹۵؛ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص ۱۲۷۔ کئی موٗرخین نے جبلہ کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جزیہ پر صلح کی تھی۔ مگر اس صورت میں ارتداد کی تمام روایات غلط ثابت ہوتی ہیں۔

۳۔ الزہری، ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۶۴۔

۴۔ دیکھیں: سہیلی، ابو القاسم عبد الرحمٰن، الروض الانف، ۴/ ۴۵۶۔

۵۔ اکیدر کے اسلام قبول کرنے میں بھی سیرت نگار اور مورخین میں اختلاف ہے کچھ کے نزدیک انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی تھی۔ دیکھیں: الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ، ۳/ ۱۰۹۔ جبکہ کچھ محققین و مورخین کے مطابق انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور نبی کریم ﷺ کے ان کے نام مکتوبات اور فرمان بھی ملتے ہیں دیکھیں: سہیلی، ابو القاسم عبد الرحمٰن، الروض الانف، ۴/ ۴۵۶؛ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص ۲۹۳-۲۹۴۔ اسد الغابہ میں امام ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں مختلف راوایت ہیں۔ کہ انہوں نے جزیہ پر صلح کی تھی اور یہ کہ اسلام تو لائے مگر بعد میں مرتد ہو گئے تھے۔ جنہیں حضرت خالد نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں بحالت نصرانیت قتل کیا۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۱/ ۱۹۲۔

سمیت اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسود عنسی کے قتل پر ان سے تعاون کرنے کا لکھا تھا۔شام میں رہائش پذیر ہوئے۔جنگ صفین میں شہید ہوئے۔(۱)ان کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ یہ اپنے علاقے کے بے تاج بادشاہ تھے حتیٰ کہ خود کو خدا کہلوا کر سجدہ کرواتے تھے۔پھر جب اسلام قبول کیا تو اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے۔نبی کریم ﷺ کے عہد میں تو حکومت انہی کے ہاتھ رہی۔ پھر دور سیدنا عمرؓ میں مدینہ آگئے۔(۲)اس کے بعد شام تشریف لے گئے۔

خصائص مکتوبات نبوی ﷺ

آپ (ﷺ) نے شاہانِ عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے ہیں، یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت فقط جزیرۂ عرب کے ''اُمّیّین'' کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھی، بلکہ آپ (ﷺ) کی رسالت عرب وعجم، جن و انس، یہود و نصاریٰ، مشرکین، مجوس اور پوری دنیا کے انسانوں کے لئے یکساں ہے -رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے جو مکتوبات تحریر کروائے ان کی سب سے بڑی خوبی ان کا اجمال و اختصار ہے۔ان کے مطالعے سے آپ ﷺ کا جوامع الکلم ہونا بخوبی واضح ہے۔ ان میں انداز تخاطب اور متن مکتوب، مکتوب الیہ کی شخصیت اس کی استعداد اور ذہنی افتاد کے مطابق ہیں۔ہر مکتوب میں انذار و تبشیر کا لطیف امتزاج ہے، جو ان مکتوبات گرامی کا خاص اسلوب ہے۔ جس میں جمال و جلال نبوت کی عکاسی ہے۔

آپ ﷺ نے عیسائی بادشاہوں کے نام جو مکتوبات تحریر فرمائے۔ خصوصاً ہِرَ قْل(Heraclius) اور مُقَوقِسِ (Muqawqis) کے نام جو مکتوبات لکھے ان میں خصوصیت سے اپنے نام کے ساتھ ''عبد اللہ'' لکھا ہے۔جس سے مخاطب کے عقیدہ ابنیت مسیح (جیسا کہ عیسایوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق پایا جاتا تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں) کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کر دی گئی۔ان میں آپ ﷺ نے یہ واضح فرما دیا کہ انبیاء و مرسلین اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں اس کے بندے اس کی مخلوق ہوتے ہیں۔اس سے پہلے جب آپ ﷺ نے عیسائی شاہ حبشہ نجاشی کو مکتوب لکھا تھا تو اس میں خصوصی طور پر اپنے ''عبد اللہ'' ہونے کا ذکر نہیں فرمایا۔اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ مکتوب الیھم کے عقائد کے بارے میں بخوبی علم رکھتے تھے۔

۱۔ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۱/ ۲۲۷۔

۲۔منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ اللعالمین، ۱/ ۱۶۱۔

پھر جب آپ ﷺ نے اہل نجران کے عیسائی پادریوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے مکتوب لکھا تو اس کے آغاز میں بسم اللہ کی بجائے الہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے نام سے شروع کیا اور ان معزز بزرگوں کے معبود کی تعریف فرمائی۔(۱)یوں اس مکتوب میں آپ ﷺ نے انہیں یہ باور فرمایا کہ اسلام میں بھی حضرات ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام محترم و مکرم ہستیاں ہیں اور میں بھی انہی کے خدا (الہ) پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان کے دلوں کو اسلام کی جانب مائل کیا۔ کسریٰ کے نام جو نامہ گرامی ارسال کیا گیا، اس میں عقیدہ توحید کو خاص طور پر اجاگر کیا کہ فارس میں خیر و شر کے دو علیحدہ خداؤں یعنی ثنویت کا عقیدہ موجود تھا۔

مکتوب یہود کو دعوت اسلام دی تو ان کو تورات کے حوالے سے اس میں موجود اپنے بارے میں آیات کو دلیل بنا کر بات کی۔ اہل کتاب کو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارات کا علم تھا۔یہود میں ایک جلیل القدر نبی کی آمد کا عقیدہ راسخ تھا اور وہ ان کی آمد کے منتظر تھے۔ مگر جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو انھوں نے بنی اسماعیل میں سے ہونے کی بنا پر حسد کرتے ہوئے آپ ﷺ سے متعلق آیات کو چھپانا یا تبدیل کرنا شروع کر دیا اور آپ ﷺ کی رسالت کے انکاری ہوئے۔ حضور ﷺ نے یہود کو دعوت اسلام میں اسی بات کو دلیل بنایا کہ میرے متعلق بشارت خود تمھاری مقدس کتاب میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے توریت میں موجود اپنے متعلق آیات کو یہودیوں کے لیے مدارِ فیصلہ قرار دیا اور ان پر یہ واضح فرمایا کہ " خود تمہاری کتاب میں مجھ پر ایمان لانے کا حکم ہے" پھر اس میں اپنے ماننے والوں کی صفت کے بارے میں دریافت کیا جو تورات شریف میں بھی مذکور تھی اور اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر اور اللہ تعالیٰ کے ان پر انعامات کا ذکر کر کے پوچھا کہ کیا تورات شریف میں مجھ پر ایمان لانے کا حکم صراحت سے موجود نہیں؟ پھر استفسار فرمایا کہ کیا اس حکم کے بعد ہدایت اور گمراہی واضح نہیں ہو جاتی؟ (۲)

۱۔ یہاں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ مکتوب آپ ﷺ نے طس سلیمان (سورۃ النمل ۲۰) کے نزول سے پہلے بھیجا تھا۔اس لیے بسم اللہ کی بجائے الہ ابراھیم و اسحاق و۔۔۔ لکھا: ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ،۵/ ۶۴۔ حالانکہ سورۃ النمل جو کہ قرآن کریم کی بیسویں سورہ ہے، وہ مکہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نجران کے پادریوں کو مکتوب غزوہ تبوک کے بعد ارسال فرمایا۔ اس سے قبل آپ کتنے ہی مکتوبات بسم اللہ کے آغاز کے ساتھ بھجوا چکے تھے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عیسائی پادریوں کو دانستہ طور پر اس طرح کے ابتدائی الفاظ لکھے تھے لاعلمی کی بنا پر نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا" کہ میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا" کتاب مقدس استثناء باب ۱۸، آیت ۱۸-۱۹۔لاہور: برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی۔۱۹۵۶۔

رسول اللہ ﷺ نے ان مکاتیب مبارکہ میں اکثر میں " اسلم تسلم" کے الفاظ لکھوائے۔یعنی اگر اسلام قبول کرلوگے تو(دنیا و آخرت میں) سلامت رہوگے۔ قاضی منصورپوری اس بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ تہدیداً نہ تھے بلکہ یہ پیشگوئی تھی جو پوری ہوئی۔(١)

خلاصہ بحث

ان مبارک مکتوبات سے جو بات نمایاں طور پر سمجھ میں آتی ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے کس انداز سے پیش کرنا چاہیے؟اور مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تعلقات و معاملات میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے؟ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مکتوبات کا اسلوب بے تکلفانہ ہے۔ مگر ان میں مکتوب الیہ کے مقام و مرتبہ کی پوری رعایت موجود ہے۔ یہ مکتوبات طوالت، تصنع، عبارت آرائی کی بجائے سادگی، ایجاز و اختصار اور بے ساختگی کا حسین مرقع ہیں۔ اندازِ تحریر نہایت سادہ، عام فہم اور دلنشین ہے۔ ان مکاتیب مبارکہ میں آپ ﷺ کو عطا فرمودہ جوامع الکلم کی شان و خصائص کا بھرپور اظہار ہے۔ یہ مکاتیب آپ ﷺ کی فصاحت، بلاغت اور جامیعت کے بہترین عکاس ہیں۔ جو مکتوبات شریفہ اب تک منظر عام پر آئے، ان کی تحقیق و مطالعے سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کتب حدیث و سیرت میں ذکر کئے گئے ان مکتوبات کا متن محدثین کرام نے کتنی احتیاط سے محفوظ کیا تھا اور یہ کہ ان کے حافظے کتنے مضبوط اور اچھے تھے کہ وہ مکاتیب بعینہ ویسے ہی لکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ ان کتب میں درج ہیں۔ اس سے ان کتب اور ان میں درج احادیث و روایات کا مقام و مرتبہ اور بھی بلند اور یقینی ہو جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ان مکاتیب میں چار مختلف مذاہب یہودی، عیسائی، زرتشتی اور مشرکین عرب کو دعوت اسلام دی گئی ہے۔ان مکتوبات سے دعوت و تبلیغ دین کے انتہائی رہنما اصول حاصل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے یہ واضح فرمادیا کہ اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ کیا ہے؟ جن کی پیروی میں ہمارے بہت سے بزرگوں نے مؤثر دعوتی و تبلیغی مکتوبات لکھے۔ انداز اور اسلوب دعوت و تبلیغ میں یہ مکتوبات آج بھی ہمارے لیے راہنما اور مشعل راہ ہیں۔

١۔ منصورپوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ اللعالمین، ١/ ١٦٠۔

مصادر ومراجع

۱. کتاب مقدس استثنا، باب۱۸، آیت ۱۸-۱۹۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، لاہور، ۱۹۵۶۔

۲. الازہری، محمد کرم شاہ(م ۱۹۹۸ء)، ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ھ۔

۳. ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مترجم: محمد عبدالشکور، المیزان لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۴. بخاری(م ۲۵۶ھ)، محمد بن إسماعیل، صحیح البخاری، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والدعوۃ والارشاد، الریاض، ۱۴۱۷ھ۔

۵. ابو جعفر، محمد بن جریر الطبري۔ تاریخ الأمم والملوک، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولی، ۱۴۰۷ھ۔

۶. ابن قیم، محمد بن ابی بکر(م ۷۵۱ھ)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ، کویت، ۱۴۱۵ھ۔

۷. حمید اللہ، (م ۲۰۰۲ء)، محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۳ء۔

۸. حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات از عہدِ نبوی تا بہ خلافت راشدہ، مترجم: ابو یحیٰ امام خان نوشہروی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۹. حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، الطبعہ السادسہ، دار النفائس، بیروت، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء۔

۱۰. الحمیری، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، (م ۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی الحلبی وأولادہ، مصر، ۱۹۵۵۔

۱۱. ابن خلدون(م ۸۰۸ھ) عبد الرحمٰن(علامہ)، تاریخ ابن خلدون، ، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی، س ن۔

۱۲. دہلوی، عبد الحق، محدث، مدارج النبوت، مترجم: سید غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور، ۲۰۱۲ء۔

۱۳. دیار بکری(م ۹۶۶ھ)، حسین بن محمد، قاضی، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، مؤسسہ شعبان، بیروت، س ن۔

۱۴. رضوی(م ۱۹۷۸ء)، سید محبوب، مکتوبات نبوی ﷺ، بار پنجم، یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۱۵. زرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبع ازہریہ، مصر، س ن۔

۱۶. الزہری(م ۲۳۰ھ)، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، س ن۔

۱۷. الزہری(م ۲۳۰ھ)، محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ، مترجم: علامہ عبد اللہ العمادی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، س ن۔

۱۸. سہیلی، ابو القاسم عبد الرحمٰن، شرح سیرت ابنِ ہشام(ترجمہ: الروض الانف)، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۱۹. سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، بلاغ مبین مکاتیب سید المرسلین، امجد اکیڈمی، لاہور، س ن۔

۲۰. الطبری(م ۳۱۰ھ)،ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ۔

۲۱. العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

۲۲. العسقلانی، احمد بن علی (ابن حجر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مترجم: محمد عارف شہزاد علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن۔

۲۳. العینی، بدر الدین محمود (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن۔

۲۴. فضل الرحمٰن، سید، خطوط ہادیٔ اعظم ﷺ، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، ۱۹۹۵ء۔

۲۵. قادری، محمد انس رضا، اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ، مکتبہ اشاعۃ الاسلام، لاہور، ۲۰۱۷ء۔

۲۶. ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ء۔

۲۷. المتقی، علاء الدین علی، الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

۲۸. محمد یونس، رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام، دار الفرقان، راولپنڈی، ۱۹۹۶ء۔

۲۹. منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی (م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء)، رحمۃ اللعالمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۰ء۔

۳۰. البلاغ (ماہنامہ)، جامع دار العلوم، کراچی، جلد ۲۰، شمارہ ۹، مئی ۱۹۶۸ء۔

۳۱. https://ur.wikipedia.org/wiki/نجاشی/ ۲۰۲۱-۰۹-۲۴ /

۳۲. https://ur.wikipedia.org/wiki/ہرقل/ ۲۰۲۱-۰۹-۲۴

لاہوری احمدی تراجم وتفاسیرِ قرآن: ایک تنقیدی جائزہ

Aḥmadīs (Lahore Faction) on Translating and Interpreting the Qur'ān: A Critical Analysis

☆ Prof. Dr Sultan Shah

☆☆ Dr Hafiz Khurshid Aḥmad Qadri

ABSTRACT

The Holy Qur'ān has been rendered into English by a number of Aḥmadī or Qādiānī translators and commentators who believe in Mirza Ghulam Aḥmad Qādiānī as the Promised Messiah and awaited Mahdī. In the Subcontinent, the foremost Aḥmadī translation was done by Dr. Abdul Hakim Khan in 1905 but he abandoned Qādiānism soon after publication of this work. After the death of the Mirza Qadianī and his first khalifa Maulawi Nuruddin the Aḥmadīya community got split in two factions: Qādiān Party led by Mirza Qādiānī' s son Bashiruddin Mahmud Aḥmad and Lahore Party led by Maulvi Muḥammad 'Ali. Both factions undertook translation of the Holy Qur'ān and wrote exegeses on it. Maulvī Muḥammad 'Alī, the head of Lahore faction, published his translation and commentary in 1917. Another Qadianī translator and commentator was Dr Khadim Rahmanī Nurī who put the explanatory words and sentences in brackets within the translation avoiding footnotes or exegetical comments. 'Alī and Nurī are only two Lahorī Ahmadis who have published complete renderings of the Holy Qur'ān in English language. Some incomplete works were published by Khwaja Kamāl-ud-Din and Ch. Moḥammad Manzoor Ilahi. Dr. Bashārat Aḥmad's Urdu translation and commentary on Part (juz) 27 and 30 of the Holy Qur'ān was retranslated into English. This paper presents a critical study of renderings of some verses which Lahorī Ahmadis misinterpret to prove their particular beliefs. Along with that it is recommended that the orthodox Muslim scholars should produce new literature to highlight the Finality of Prophethood.

Keywords: The Holy Qur'ān, Translations, Commentaries, Messiah, Mahdī, Exegesis, Qādiānī, Aḥmadī,

احمدی جماعت کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۹ء میں بھارتی پنجاب کے گاؤں قادیان میں پیدا ہوا۔ اس نے عربی اور علوم اسلامیہ کی کچھ تعلیم حاصل کی اور سیالکوٹ میں انگریز حکومت کے دفتر میں چار سال تک بطور کلرک نوکری

☆ Dean Faculty of Languages, Islamic and Oriental Learning

☆☆ Assistant Professor, Department of Islamic Studies, GC.University, Lahore

کرتا رہا۔اس نے اسلام سے متعلق کچھ تحریروں اور دوسرے مذاہب کے رہنماؤں کے ساتھ مناظروں کے ذریعے شہرت حاصل کی۔ جلد ہی اس نے کفریہ نظریات اپنا لیے اور ۱۸۹۱ء میں اعلان کیا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی معہود ہے ۔اگرچہ اس کے پیروکار تسلیم نہیں کرتے لیکن اس نے سال ۱۹۰۰ء کے نصف آخر یا ۱۹۰۱ء کے نصف اول میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا غلام احمد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں فوت ہوا اور اسے قادیان میں دفن کیا گیا۔اسے اپنی زندگی میں بہت سے جسمانی اور ذہنی عوارض لاحق رہے۔اس کے اپنے بیان کے مطابق وہ دائمی "ذیابیطس"اور" دوران سر" کے امراض میں مبتلا تھا۔وہ اکثر فریب خیال اور اوہام کا بھی شکار رہا۔اس دور کے معروف علمائے کرام نے مرزا قادیانی کو ایک مرتد شخص قرار دے کر اس کے ارتداد پر فتاویٰ بھی جاری کیے۔

مجددین کے لیے پیغمبرانہ خواص کے دعوے کی وجہ سے اس کا دعویٰ مجددیت بھی اسے روایت سے انحراف کا مجرم قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ مرزا قادیانی نے بہت سی کتب تحریر کیں جن میں اس نے اپنے باطل دعاوی کو ثابت کرنے کی خاطر قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی من مانی تعبیر کرنے کی کوشش کی۔

مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو احمدی یا قادیانی کہا جاتا ہے۔ مرزا کی وفات کے بعد احمدی جماعت کی قیادت حکیم نورالدین بھیروی(۱۸۴۱-۱۹۱۴ء) نے سنبھالی۔ مرزا کے خلیفۂ اول نے آنکھیں بند کیں تو احمدی جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ قادیانی فرقے کی قیادت مرزا کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد (۱۸۸۹-۱۹۶۵ء) جبکہ لاہوری فرقے کی قیادت مولوی محمد علی (۱۹۵۱-۱۸۷۴ء) نے سنبھالی۔ دونوں احمدی فرقوں کے سربراہوں نے اردو زبان میں قرآنی تفاسیر پر کام کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے "تفسیرِ صغیر" اور "تفسیرِ کبیر" جبکہ مولوی محمد علی نے "بیان القرآن" کے زیرِ عنوان تفاسیر قرآن شائع کیں۔احمدی جماعت کے بانی غلام احمد قادیانی نے قرآن کریم کی کوئی تفسیر کسی بھی زبان میں سپُردِ قلم نہیں کی البتہ اس نے اپنی تحریروں میں بہت سی آیات قرآنی کی ـــــ اپنے انداز میں ـــــ تفسیر بیان کی ہے۔اس کے پیروکار،اس کی تحریروں اور تقریروں سے اخذ شدہ ایک تفسیر اردو زبان میں مرتب کر چکے ہیں۔اس بات کی طرف اشارہ کرنا موزوں ہو گا کہ قادیانی جماعت نے تقسیم ہند کے بعد قادیان (بھارت) سے اپنا مرکز پاکستان کے شہر چناب نگر (ربوہ) میں منتقل کر لیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت نے ۱۹۷۴ء میں اس جماعت کے دونوں فرقوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔زیادہ تر ابتدائی احمدی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ان میں سے کچھ نے برطانیہ عظمیٰ سے تعلیم حاصل کی۔ احمدیلوگ قرآن کریم کے انگریزی تراجم کو مغرب میں اپنے مذہب کی ترویج کے لیے لازمی خیال کرتے تھے۔ان کے اسکالرز نے قرآن مجید کے انگریزی تراجم کے ذریعے کوشش کی کہ اپنے نقطۂ نظر کو پھیلائیں۔

قرآن مجید کے احمدی ترجمہ یا تفسیر کو کیسے پہچانا جائے؟

احمدی مترجمین نے قرآن مجید کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں اس طرح ترجمہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے مخصوص عقائد کو اس کے متن سے ثابت کریں۔ اگر انہوں نے اپنے ترجمے میں ایسا نہیں کیا تو اپنی نیت کا اظہار حواشی میں کر دیا۔ انہوں نے صحیفۂ اسلامی کے لغوی معانی سے انحراف کیا ہے، خاص طور پر عیسیٰ علیہ السلام یا ختم نبوت سے متعلق آیات کے ترجمے اور تفسیر میں ان کا انحراف نمایاں ہے۔ اس لیے یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ایک ایسا معیار بنایا جائے جس کے ذریعے کسی احمدی کے ترجمے یا تفسیر کو پہچانا جا سکے۔

احمدی مترجمین یا مفسرین عام طور پر سورۃ آل عمران کی اس آیت کے ترجمے میں تصرفِ بے جا کرتے ہیں:

﴿إِذْ قالَ اللَّهُ يا عِيسى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيما كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (۱)

اس آیت کے لفظ "مُتَوَفِّيكَ" کا ترجمہ: I shall take you back (میں تجھے واپس لے جاؤں گا) یا I shall cause you to attain to your full term of life (میں تجھے ایسا بناؤں گا کہ تم اپنا دورِ حیات مکمل کرو)، کے بجائے I shall cause you to die (میں تجھے موت دوں گا)، کرتے ہیں۔

انہوں نے سورۃ المائدہ کی ایک آیت کے ترجمے میں بھی تصرف کی روایت کو برقرار رکھا ہے:

﴿ما قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ ما أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً ما دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (۲)

اس آیت مبارکہ کے لفظ "تَوَفَّيْتَنِي" کا ترجمہ You took me back to yourself (تو مجھے واپس اپنے پاس لے گیا)، کے بجائے Thou didst cause me to die (تو نے مجھے موت دی)، کیا ہے۔

لفظ "توفیٰ" کا مادۃ "و-ف-ی" ہے۔ اس کا ماضی "وفی" ہے جس کا معنی "پورا کرنا" ہے۔ "توفیٰ" کا لفظی معنی "موت" نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم اپنی ذات کو واپس نیند یا موت میں لے جانا ہے۔

---

(۱) آل عمران، ۳/۵۵

(۲) المائدہ، ۵/۱۱۷

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اللہ تعالی کی جناب میں واپس لے جانا۔

اسی طرح انہوں نے سورۃ النساء کی ایک آیت کے ترجمے میں الحاق الفاظ بڑھانے سے بھی گریز نہیں کیا، وَما قَتَلوهُ وَما صَلَبوهُ (۳) کا ترجمہ یوں کیا ہے: "انہوں نے اسے قتل نہیں کیا، نہ انہوں نے اسے صلیب پر موت دی بلکہ وہ صلیب کی موت سے بچ نکلا"

اس ترجمے کا آخری حصہ " بلکہ وہ صلیب کی موت سے بچ نکلا" کسی قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ الحاقی الفاظ ہیں جو تحریف کے زمرے میں آتے ہیں۔

احمدی مترجمین سورۃ المؤمنون کی ایک آیۂ مبارکہ سے اپنا من چاہا مطلب کیسے نکالتے ہیں، ملاحظہ ہو۔﴿وَآوَيْناهُما إِلى رَبْوَةٍ ذاتِ قَرارٍ وَمَعِينٍ﴾ (۴) سے احمدی مترجمین یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی ماں کے ساتھ بہتے چشموں والی سطح مرتفع پر پناہ لی۔ احمدیوں کے نظریے کے مطابق آپؑ کی وہاں وفات اور تدفین ہوئی اور آپؑ کی قبر مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر میں ہے۔

لاہوری احمدیوں کے نظریے کے مطابق مرزا قادیانی ایک محدث تھا جو پیغمبری سے ایک درجہ نیچے کا مقام ہے۔اس کے باوجود وہ مانتے ہیں کہ مرزا پر وحی نازل ہوتی تھی۔ مرزا غلام قادیانی کی نبوت کے حوالے سے دونوں گروہوں میں کچھ اختلاف ہے لیکن مرزا کے مجدد ہونے پر ان کے درمیان کامل اتفاق پایا جاتا ہے۔زیادہ تر احمدی مترجمینِ قرآن نے تسمیہ کو ہر سورت کی پہلی آیت کے طور پر شمار کیا ہے۔ قرآن مجید کی کچھ سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات کو کچھ خاص عربی الفاظ کے مخففات کے طور پر لیا ہے اور انہوں نے ان مفروضہ الفاظ کا ترجمہ بھی لکھا ہے۔ اپنے قادیانی ہم مذہبوں کی طرح احمدی بھی متن قرآن مجید میں کسی نسخ کے قائل نہیں ہیں۔

ا۔ قرآن مجید: عربی متن، مولوی محمد علی کا انگریزی ترجمہ و تفسیر

(The Holy Qur'ān Containing the 'Arabic Text with English Translation and Commentary by Maulvi Muhammad 'Ali)

احمدیوں کے لاہوری فرقے کے امیر مولوی محمد علی نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر ۱۹۱۶ء میں مکمل کر لیا جو پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔اس کی دوسری طباعت ۱۹۲۰ء میں سامنے آئی جسے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

(۳) النساء،۴:۱۵۷

(۴) المومنون، ۲۳:۵۰

لاہور نے شائع کیا۔ قرآن حکیم کا احمدی نقطۂ نظر سے لکھا جانے والا یہ معروف ترین ترجمہ ء قرآن ہے۔ محمد مارماڈیوک پکھتال(۱۸۷۵-۱۹۳۶ء) اور عبد اللہ یوسف علی(۱۸۷۲-۱۹۵۳ء) کے تراجم کی اشاعت سے پہلے مولوی محمد علی کا انگریزی ترجمہ ء قرآن بہت پڑھا جاتا تھا۔ مولوی محمد علی، احمدیہ جماعت کے بانی کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:"میرے اس کام میں جو کچھ بھی اچھا ہے اس کی وجہ موجودہ دور کے عظیم ترین مذہبی رہنما مرزا غلام احمد قادیانی کا روحانی اثر ہے۔میں نے اس چشمۂ علم سے جی بھر کر پیا جسے اس عظیم مصلح ـــــ موجودہ صدی کے مجدد اور احمدیہ جماعت کے بانی ـــــ نے رواں کیا۔"

اس ترجمۂ قرآن میں کچھ لسانی خوبیاں ہیں لیکن مترجم نے چند قرآنی آیات کا انگریزی میں ـــــ اپنے مخصوص احمدی نظریات کے مطابق ـــــ ترجمہ کیا ہے۔کچھ مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَما قَتَلُوهُ وَما صَلَبُوهُ وَلكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ما لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّباعَ الظَّنِّ وَما قَتَلُوهُ يَقِيناًo بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكانَ اللَّهُ عَزِيزاً حَكِيمًا﴾ (۵)

"اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیحؑ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب پر مارا مگر وہ ان کے لیے اس جیسا بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"(٦)

مولوی محمد علی نے درج بالا آیات کا غلط ترجمہ اور بے جا تفسیر کی ہے۔اس کے مطابق یہودی اور عیسائی دونوں صلیب پر عیسیٰؑ کی وفات کے لازمی طور پر قائل ہیں۔جبکہ قرآن عظیم کے مطابق انہیں اس واقعے کا حقیقی علم نہیں تھا۔یہودی عیسیٰ کے دعوئے مسیحیت کو استثنا کے اس بیان کی بنیاد پر رد کرتے ہیں:" جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے "(۷)

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کیونکہ عیسیٰؑ صلیب پر جان سے گئے اس لیے وہ ملعون ہیں۔اور وہ جو خدا کی طرف سے ملعون ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ایک بالکل مختلف سلسلہ ء دلائل کی پیروی کرتے ہوئے ایک عیسائی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

---

(۵) النساء،۴:۱۵۷،۱۵۸

(٦) محمد علی، حضرت، مولانا، (۱۹۸۰ء)، بیان القرآن، لاہور: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام. طبع ۴، جلد ۱، ص 3

(۷)استثنا، ۲۱:۲۳

وفاتِ عیسیٰؑ صلیب پر ہوئی اور وہ ملعون تھے۔ اس نے استثنا۲۱:۲۳ کے بیان کو سچ جان کر قبول کر لیا۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ جب تک مسیح ملعون ہے وہ اپنے پیروکاروں کے گناہوں کو نہیں دھو سکتا۔ جیسا کہ گلتیوں میں ہے:

"مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔"(۸)

اس طرح یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے عقائد کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسیح کی وفات صلیب پر ہوئی۔ اس آیت کا معنی بالکل واضح ہے یعنی دوسرے الفاظ میں، ہر یہودی اور عیسائی ـــــــ اس حقیقت کے باوجود کہ کوئی یقینی علم بالکل نہیں رکھتا ـــــــ اپنی موت سے پہلے اس عقیدے پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہے کہ مسیحؑ کی موت صلیب پر ہوئی۔

مذکورہ بالا آیات میں قرآن کریم واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ" وَما قَتَلوهُ وَما صَلَبوهُ" نہ تو انہوں نے آپؑ کو قتل کیا اور نہ ہی آپؑ کو صلیب دی۔ زیر بحث آیات کے حوالے سے مولوی محمد علی کا ترجمہ اور تفسیر مکمل طور پر غلط ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے متعلق یہ نادر خیال کہ "اگرچہ وہ صلیب دیے گئے لیکن قدرتی موت مرے" مرزا غلام احمد قادیانی کی اختراع ہے۔ بعد ازاں اس کے پیروکاروں نے مرزا کے اس بیان کی وضاحتیں کیں۔ سورۃ المائدہ کی درج ذیل آیت کا ترجمہ بھی قابل توجہ ہے:

﴿ما قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ ما أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً ما دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (۹)

"میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا، کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے، اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے"(۱۰)

سورۃ آل عمران کی ایک آیت کا ترجمہ یوں ہے: ﴿إِذ قالَ اللَّهُ يا عيسىٰ إِنّي مُتَوَفّيكَ وَرافِعُكَ إِلَيَّ﴾(۱۱)

---

(۸) گلتیوں، ۳:۱۳

(۹) المائدہ،۵:۱۱۷

(۱۰) بیان القرآن، ص۴۵۲

(۱۱) آل عمران۳:۵۵،

"جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں"(۱۲)

سورۃ المؤمنون کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾(۱۳)

"اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا ہے اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی۔" (۱۴)

زیریں حاشیہ میں مولوی محمد علی نے آیت مبارکہ کی غلط تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:"اس آیہ مبارکہ میں مذکور جگہ کے حوالے سے بہت بحث رہی ہے۔'ربوہ' ایک بلند جگہ ہے اور 'قرار' کا مطلب زیر کاشت اور ایسی جگہ ہے جہاں سیراب شدہ نشیبی زمین ہو۔یروشلم، مصر، فلسطین یا دمشق جیسے کچھ نام لیے جاتے ہیں لیکن یہ وہ جگہیں نہیں ہیں جو آیت کا مفہوم ہیں لیکن وادیٔ کشمیر اس کا درست جواب ہو سکتا ہے۔بنی اسرائیل کے لاپتہ ہو جانے والے ۱۰ قبائل کے ایک حصے کا کشمیر آنا مصدقہ ہے۔جہاں بڑی تعداد میں قصبوں اور دیہاتوں کے نام فلسطین کے قصبوں اور دیہاتوں کے ناموں جیسے ہیں۔مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر کے محلہ خان یار میں نبی صاحب، عیسیٰ صاحب یا، یوز آصف نبی کا مقبرہ اس حکایت کو ایک اضافی دلیل فراہم کرتا ہے۔پھر یہ حقیقت کہ سورۂ مبارکہ کا موضوع انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی ان کے دشمنوں سے نجات اور حتمی کامیابی ہے۔اس سے عیسیٰؑ کے مصلوب کیے جانے کے واقعے کے بعد پراسرار انداز میں منظر سے غائب ہو جانے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۱۵۷ میں بتایا گیا ہے کہ " وَما قَتَلُوهُ وَما صَلَبُوهُ"یعنی عیسیٰؑ نے صلیب پر وفات نہیں پائی۔ابن کثیر (ج۲،ص۲۴۶) کی روایت کے مطابق نبیؐ کا فرمان ہے کہ عیسیٰؑ نے ۱۲۰برس کی عمر پائی۔یہ آیت رہنمائی کرتی ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں سے نجات پانے کے بعد آپؑ کو کسی اور جگہ پناہ دی گئی۔اس آیت کی نشان دہی ـــــــ جس کو یہ حقیقت بھی مضبوط بناتی ہے کہ کشمیر میں ایک مقبرہ ہے جو تمام شہادتوں کے مطابق عیسیٰؑ کا مقبرہ ہےـــــــ کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں جس جگہ کا ذکر ہے، وہ کشمیر ہے۔

سورۃ الاحزاب کی اس آیت کا ترجمہ بھی تحریفِ معنی کی ایک مثال ہے:

---

(۱۲) بیان القرآن، ص۲۲۴-۲۲۶

(۱۳) المؤمنون، ۲۳:۵۰

(۱۴) بیان القرآن، ص۹۴۴

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجالِكُمْ وَلكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (۱۵)

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے"۔(۱۶)

مولوی محمد علی کے مطابق لفظ خاتَم کا مطلب ہے "مہر" کسی چیز کا آخر یا آخری حصہ۔ یہ دوسرے معانی لفظ خاتَم کے حوالے سے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ نبی کریمؐ مسلمہ طور پر آخری نبی ہیں حتی کہ تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعد دنیا میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، اس کے باوجود قرآن حکیم نے لفظ خاتَم (ت پر زبر کے ساتھ) استعمال کیا ہے (ت کی زیر کے ساتھ) خاتِم نہیں۔ صرف حتمیت کے بجائے "نبیوں کی مہر" کے معنی کی ایک الگ اہمیت ہے۔ درحقیقت اس کا اشارہ نبوت کی تکمیل اور حتمیت کی طرف ہے۔ اس میں پیروکاروں کے لیے نبوت کی برکتیں جاری رہتی ہیں۔

آپ ﷺ انبیاء کی مہر ہیں کیونکہ آپؐ کے ذریعے نبوت کا مقصد انسانیت کی رہنمائی کے لیے رضائے الہی کا اظہار ایک کامل قانون میں قرآن کریم کے نزول کی صورت میں حتمی طور پر ثابت ہوا۔ آپؐ انبیاء کی مہر ہیں کیونکہ کچھ خاص نعمتیں جو انبیاء کو عطا کی گئیں وہ ہمیشہ کے لیے آپؐ کے امتیوں کے لیے جاری رہیں گی۔ پیغمبری کا رتبہ یا تو صرف انسانیت کو ایک قانون دینے کے لیے یا موجودہ قانون کے نقص کو دور کرنے کے لیے یا وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قانون کے نئے گوشوں کو نمایاں کرنے کی خاطر انسانوں کی رہنمائی کے لیے ضروری تھا۔ کیونکہ ابتدائی انسانی معاشرے کے حالات ایک ایسے مکمل قانون کو وجود میں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے جو مختلف نسلوں اور مختلف مقامات کی ضروریات کے مطابق ہو۔ اسی لیے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن نبیؐ کے ذریعے ایک بے عیب قانون دیا گیا جو تمام زمانوں اور تمام ممالک کی ضروریات کے لئے کافی تھا۔ اور اس قانون کی تمام رخنہ اندازیوں کے خلاف حفاظت کو یقینی بنایا گیا۔ اسی لیے رتبہء نبی کی مزید ضرورت نہ رہی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے منتخب بندوں پر ہونے والی خدائی عنایات کا امت مسلمہ کے چنیدہ رجال کے لیے انکار کر دیا جائے۔ لوگوں کو ایک نئے قانون کی بالکل ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس ایک معیاری قانون پہلے سے موجود ہے لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ انہیں خدائی عنایات تو ہمیشہ درکار ہیں۔ اللہ تعالی کی عنایات کا نقطہء عروج الہام و القاء ہے۔ اسلام اس بات کی تائید کرتا ہے کہ فرشتہ

---

(۱۵) الاحزاب ۳۳:۴۰

(۱۶) بیان القرآن، ص ۱۱۰۳

رب العزت کے پسندیدہ بندوں سے ماضی کی طرح اب بھی بات کرتا ہے۔ اس بیان کی تصدیق نبی کریمؐ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: "نبوت میں سے مبشرات یعنی اچھی خبروں کے علاوہ کچھ باقی نہیں ہے" جب یہ سوال کیا گیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا" سچے خواب" ایک اور حدیث کے مطابق آپؐ نے فرمایا: "ایک بندہء مومن کا خواب نبوت کے ۴۶ ویں حصے کے برابر ہے۔۔۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا لیکن اس کی ایک برکت باقی ہے اور یہ امت مسلمہ میں ہمیشہ باقی رہے گی۔

قادیانی گروہ کے مترجمین و مفسرین قرآن کریم جیسے کہ مولوی شیر علی(۱۸۷۵-۱۹۴۷ء)، ملک غلام فرید(۱۸۹۷-۱۹۴۷ء) اور دیگر نے زیرِ بحث آیۂ مبارکہ کا اس طرح غلط ترجمہ اور تفسیر کی کہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے لیے گنجائش نکل آئے۔ سورۃ النور کی درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذلِكَ فَأُولئِكَ هُمُ الْفاسِقُونَ﴾(۱۷)

"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ ان کے لیے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن (کی حالت) کر دے گا وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔"(۱۸)

مولوی محمد علی نے مرزا قادیانی کے جھوٹے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت کی خود ساختہ تفسیر ان الفاظ میں کی: "یہ آیت نہ صرف مملکتِ اسلامیہ کے قیام بلکہ اس کی ہمیشگی کی بھی پیش گوئی ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کے خلفاء آتے رہیں گے اور امت مسلمہ زمین پر ایک حاکم قوم ہو گی۔۔۔ اگرچہ اس آیت میں مذکور وعدہ واضح طور پر سلطنتِ اسلامیہ کے قیام اور امتِ مسلمہ کو موعودہ خطۂ مقدسہ کے حوالے سے بنی اسرائیل کا خلیفہ بنایا گیا ہے۔ اس

(۱۷)النور، ۲۴:۵۵

(۱۸)بیان القرآن، ص۹۷۵

آیت میں مسلمانوں میں مجددین کے آنے کے خدائی وعدے کی طرف اسی طرح اشارہ بھی ملتا ہے جیسے بنی اسرائیل میں انبیاء مبعوث کیے جاتے تھے۔اسی طرح کا ایک واضح وعدہ نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد میں ہے:

"یقیناً اللہ تعالی ان لوگوں (مسلمانوں) میں ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا فرد بھیجے گا جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا"

اس آیت میں مذکور وعدہ نہ صرف رسولِ کریم ﷺ کے شخصی خلفاء سے متعلق ہے بلکہ اس سے آپؐ کے روحانی خلفاء یعنی مجددین بھی مراد ہیں۔بنی اسرائیل کی تمثیل، جس کا اس آیت میں ذکر ہے، اسی طرح مسلمانوں میں ایک مسیح کے ظہور کی طرف اشارہ کرتی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں ایک مسیح ظاہر ہوا تھا۔یہی وہ آیۂ مبارکہ ہے جس کی بنیاد پر بانی احمدیہ جماعت آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔اس نے چودھویں صدی ہجری کے مجدد اور مسیح ہونے کا دعوی کیا، جس کے ظہور سے متعلق بہت پہلے بتادیا گیا تھا۔

محمد علی کی مذکورہ بالا تفسیر واضح طور پر زور زبردستی سے کی جانے والی یا مصنوعی تفسیر معلوم ہو رہی ہے۔آیۂ مبارکہ تو ان سچے اہل ایمان کی بات کر رہی ہے جو نیک اعمال کرتے ہیں کہ انہیں زمین پر حکمرانی عطا کی جائے گی۔یہ آیت مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں پر منطبق نہیں ہوتی۔احمدیت کے ظہور کے دن سے اب تک نہ تو وہ، نہ اس کے پیروکار، دنیا کے کسی خطے میں حکمران بن سکے ہیں۔مولوی محمد علی نے حروف مقطعات کے خود ساختہ معانی یوں ذکر کیے ہیں:

حروف مقطعات	سورت کا نمبر	محمد علی لاہوری کے خودساختہ معانی
الٓمّٓ	۲،۳،۲۹،۳۰،۳۱،۳۲	میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں(۱۹)
الٓرٰ	۱۰،۱۱،۱۲،۱۴،۱۵	میں اللہ دیکھتا ہوں(۲۰)
الٓمّٓصٓ	۷	میں اللہ بہت جاننے والا، بہترین فیصلہ کرنے والا ہوں(۲۱)
الٓمّٓرٰ	۱۳	میں اللہ خوب جانتا اور دیکھتا ہوں(۲۲)

(۱۹) بیان القرآن، ص 8

(۲۰) ایضاً، ص ۶۱۷

(۲۱) ایضاً، ص ۵۰۱

(۲۲) ایضاً، ص ۷۰۳

كٓهٰيٰعٓصٓ	١٩	کافی، ہادی، برکت والا، عالم، صادق (خدا)[٢٣]
طٰهٰ	٢٠	اے مرد (کامل)[٢٤]
طٰسٓمٓ	٢٦،٢٨	طورِ سینا پر موسیٰ (کی وحی پر غور کرو)[٢٥]
طٰسٓ	٢٧	طورِ سینا (کی وحی پر غور کرو)[٢٦]
يٰسٓ	٣٦	اے انسانِ (کامل)[٢٧]
صٓ	٣٨	اللہ تعالیٰ صادق ہے بزرگی دینے والا[٢٨]
حٰمٓ	٤٠،٤١،٤٣،٤٤،٤٥،٦	(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا ہے[٢٩]
حٰمٓ عٓسٓقٓ	٤٢	(اللہ تعالیٰ) بے انتہا (رحم والا، جاننے والا، سننے والا) قادر ہے[٣٠]
قٓ	٥٠	(اللہ تعالیٰ سب باتوں پر) قادر ہے[٣١]
نٓ	٦٨	دوات (گواہ ہے)[٣٢]

مولوی محمد علی نے قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا اور تین جلدوں میں "بیان القرآن" کے نام سے ایک مفصل تفسیر لکھی۔ اس میں اس نے احمدی عقائد، جیسے کہ عیسیٰؑ کو صلیب دیا جانا لیکن صلیب پر ان کی موت واقع نہ

(٢٣) ایضاً، ص ٨٤٩

(٢٤) بیان القرآن، ص ٨٧١

(٢٥) ایضاً، ص ٩٩٦

(٢٦) ایضاً، ص ١٠١٤

(٢٧) ایضاً، ص ١١٣٥

(٢٨) ایضاً، ص ١١٦٥

(٢٩) بیان القرآن، ص ١١٩٣

(٣٠) ایضاً، ص ١٢١٨

(٣١) بیان القرآن، ص 1292

(٣٢) ایضاً، ص ١٣٩٦، بیان القرآن، ص: ب ٣٣

ہونا، بیان کیے ہیں۔ مولوی لاہوری نے اس تفسیر میں جماعت احمدیہ کے بانی اور پہلے خلیفہ حکیم نورالدین کے ناموں کا ذکر کیا ہے (۳۳)۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی کے مطابق محمد علی لاہوری نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ و تفسیر اپنے عقائد کو بڑے پیمانے پر پھیلانے کی غرض سے شائع کی (۳۴)۔

کچھ اسکالرز نے مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے لسانی معیار کی تعریف کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں مولوی لاہوری کے ہم جماعت حافظ غلام سرور (۱۸۷۲-۱۹۵۴ء) رقم طراز ہیں: "مولوی محمد علی کے شاہکار کے مقابلے میں انگریزی زبان میں کوئی ترجمہ اور تفسیر موجود نہیں ہے" (۳۵)

عبداللہ یوسف علی (۱۸۷۲-۱۹۵۳ء) مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس کی (احمدیہ جماعت) لاہور انجمن نے مولوی محمد علی کا انگریزی ترجمۂ قرآن پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں شائع کیا ،جو بعد ازاں بھی طبع ہوا۔ یہ ایک عالمانہ کام ہے جس کے حواشی اور مقدمے میں کافی تفسیری مواد موجود ہے۔ ایک بھرپور اشاریہ بھی اشاعت کا حصہ ہے لیکن متن کی انگریزی بہرحال کمزور ہے اور ان قارئین کے لیے قابل توجہ نہیں ہے جو عربی سے ناواقف ہیں" (۳۶)

سید حبیب الحق ندوی نے مولوی محمد علی کی طرف سے قرآنِ کریم کے ترجمہ و تفسیر میں کی جانے والی تحریفات کی نشان دہی کی ہے:

> "سب سے پہلے تو اس نے عیسیٰؑ کی موت کا ذکر کر کے اسے بڑھا چڑھا کر بیان کیا تاکہ مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کی توجیہ کی جاسکے۔ اس نے ملائکہ اور جنات کے وجود کا انکار کیا۔ اس کی رائے کے مطابق وہ خیر اور شر کی قوتوں کی علامات ہیں۔ جنت کا بھی کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جہنم غضب کی علامت ہے" (۳۷)۔

عثمانی، محمد نسیم، پروفیسر، ڈاکٹر، (۱۹۹۴) اردو میں تفسیری ادب (کراچی: عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ،) ص ۴۱۶

(34) ʻUthmāni, Muhammad Nasim, Prof. Dr,(1994), Urdu mein Tafsiri Adab (Karachi: ʼUthm āniya Academic Trust,) p.416

(35)Ghulām Sarwar, Hāfiz, Al-Haj, (1973),Translation of the Holy Qurʼān, National Book Foundation, Lahore, , p. xxxvii

(36)Yūsuf ʼAlī, A. The Holy Qurʼān: (1413 A. H),Translation and Commentary (Beirut: Dār-al- Qurʼān al-Karīm,.) p.xiii

(37) Nadvī, S. Habīb-ul-Haq, Autumn (1989)، "Book Review", Muslim World Book Review, 10:1 p.7

انگریزی زبان کے ایک اور مترجمِ قرآن، حافظ غلام سرور نے بھی مولوی محمد علی کی انگریزی دانی پر تبصرہ کیا ہے:

"مولوی محمد علی کے مقدمہ اور تفسیری حواشی کی انگریزی زبان تنقید سے مبرّا ہے۔اس نے پہلے انگریزی مترجمین کی بہت سی اغلاط کو درست کیا ہے۔ جہاں کہیں وہ ان سے اختلاف کرتا ہے تو اس کا ترجمہ یا تو درست اور زیادہ معتبر نظر آتا ہے یا عربی کی معیاری لغات سے استفادہ اس کی پشت پر ہوتا ہے۔(۳۸)"

ترجمہُ قرآنِ کریم کے لیے مولوی محمد علی نے جو انگریزی زبان استعمال کی ہے حافظ غلام سرور نے اس پر درج ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے:

"انگریزی ترجمہُ قرآن کے بے شمار پیروں کی زبان بہت کم زور ہے اور ترجمہ جیسے ہوا میں معلق ہو گیا ہو یا اس کے جملے آپس میں یوں گتھ گئے ہیں کہ غیر ضروری طور پر طویل غور و فکر کے بغیر سمجھ سے بالا تر رہتے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ انہیں آسانی سے بہتر شکل دی جاسکتی تھی۔ مولوی محمد علی اس کام کی اہلیت رکھتا ہے لیکن یا تو لفظی ترجمے کی پابندی یا عدیم الفرصتی یا دونوں نے مل کر اسے مجبور کیا کہ اس نے بہت سے پیروں کو زمین و آسمان کے درمیان معلق چھوڑ دیا ہے۔ وہ قارئین جو عربی زبان سے واقفیت رکھتے ہیں بآسانی جان سکتے ہیں کہ مولوی محمد علی کی مراد کیا ہے۔ لیکن ترجمہُ قرآن تو عام طور پر ان لوگوں کے لیے کیا جاتا ہے یا کیا جانا چاہیے جو عربی زبان کے ساتھ ماہرانہ تعلق نہیں رکھتے(۳۹)۔"

ایک اور ہم عصر اسکالر عبد اللہ سعید کی رائے ملاحظہ ہو:

"احمدیہ فرقے کی اہم ترین شخصیت کی طرف سے لکھے گئے ترجمہُ قرآن پر بہت سے لوگوں نے اس کے فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے تنقید کی ہے۔ مولوی محمد علی کئی ایک مقامات پر روایتی ترجمہ و تفسیر سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ خاص طور پر حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت سے متعلق آیات کے ترجمہ و تفسیر میں یہ انحراف زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ مولوی محمد علی نے معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تفسیر پیش کی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت سے متعلق وہ منفی رائے رکھتا ہے۔"(۴۰)

(38) Ghulām Sarwar, Hāfiz, Translation of the Holy Qur'ān, p. xxxvii

(39) Ibid, p. xxxvii

(40) ʻAbdullāh Saʻeed, 2008The Qur'ān: An Introduction (Oxon, UK and New York: Routledge,) p. 134

جب محمد علی نے قرآن کریم میں مذکور مافوق الفطرت واقعات کی غلط تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی تو نیل رابنسن (Neal Robinson) نے اس کی عقلیت پسندی اور معجزات کے انکار کی نشان دہی درج ذیل تبصرے کے ذریعے کی:

"احمدی عالم مولوی محمد علی کا ابتدائی انگریزی ترجمہ ٔ قرآن، دوسرے تراجم کی طرح، کافی حد تک لفظی ہے لیکن اس کے مفصل تفسیری حواشی واضح کرتے ہیں کہ معجزات کو تمثیلی انداز میں سمجھنا چاہیے۔ پرندے کی کہانی ایک تمثیل ہے کہ کس طرح آپؑ نے سچائی کو ایک پھونک کے ذریعے اپنے حواریوں میں جاگزیں کر دیا یعنی عیسٰی علیہ السلام نے انہیں زمینی احتیاجوں سے بلند کر دیا۔ نابینا کو بینائی اور بیمار کو صحت بھی روحانی ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنے کا بیان بھی روحانی طور پر مرے ہوؤں کو روحانی زندگی دینا ہے۔"(۴۱)

نیل رابنسن نے عقلیت پر مبنی اس کی غلط تعبیرات کو مزید واضح کیا ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کے لغوی معانی کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا ہے۔ رابنسن نے احمدی ترجمہ ٔ قرآن کی اس طرز کی چند اغلاط کی نشان دہی کی ہے:

"مولوی محمد علی نے جنات اور پرندوں کی افواج کو ترجمے میں تو برقرار رکھا ہے لیکن تفسیری حواشی میں وضاحت کی ہے کہ جنات دراصل پہاڑی قبائل تھے جنہیں حضرت سلیمانؑ نے اپنا مطیع بنا رکھا تھا جبکہ پرندوں کی افواج سے مراد غالباً آپؑ کی گھڑ سوار فوج تھی جس کے سواروں کو ان کی سرعت کے سبب پرندوں کا نام دیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کے پرندوں کی بولیوں سے واقف ہونے کی استعاراتی انداز میں یوں وضاحت کی گئی کہ چونکہ آپؑ پرندوں کو پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتے تھے تو اس عمل کو پرندوں کی بولیوں سے واقفیت کا نام دیا گیا۔ چیونٹیوں کی زبان سے حضرت سلیمانؑ کی واقفیت کو مولوی محمد علی نے ترجمہ ٔ قرآن میں، پہلو تہی کرتے ہوئے، بلا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۱۸ میں 'چیونٹیوں کی وادی' اور 'چیونٹی' کا ترجمہ 'نمل کی وادی' اور 'نملہ' کیا۔ حواشی میں نمل کو ایک قبیلہ قرار دیا گیا۔ اسی طرح ایک خاص پرندے کے لیے عربی کے لفظ 'ہُدہُد' کو ہی لکھ دیا اور انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے ایک آدمی کے نام سے تعبیر کیا۔" (۴۲)

قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے بانی مولوی محمد علی کا انگریزی ترجمہ ٔ قرآن کیونکہ ان کا جماعتی ترجمہ ہے اس لیے مترجم نے اپنے نظریات کا جگہ جگہ الحاق ضروری سمجھا ہے۔ جیسا کہ یہ نظریہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود تھا وغیرہ۔ ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی (پ ۱۹۵٦ء) نے درست لکھا:

(41) Neal Robinson, Sectarian and Ideological Bias in Muslim Translations of the Qur'ān . . . Vol. 8, No.3, p. 270

(42) Ibid, pp. 270-271

"قادیانیوں کے ترجمان کی حیثیت سے مولوی لاہوری نے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت سے متعلق آیات کے مدعا کو مسخ کرکے پیش کیا۔" (۴۳)

ایک احمدی مصنف عامر عزیز الازہری نے حال ہی میں یہ کہتے ہوئے ایک حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی کہ "مولوی محمد علی پہلا مسلمان تھا جس نے قرآنِ کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ اعزاز مولوی محمد علی اور جماعت احمدیہ لاہور سے کبھی چھینا نہیں جاسکتا۔" (۴۴)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مولوی محمد علی احمدیوں کی لاہوری جماعت کا بانی تھا۔ حکومتِ پاکستان نے قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتوں کے پیروکاروں کو ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ اس طرح مولوی محمد علی تو پاکستانیوں کی اکثریت کے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج قرار پایا۔ دوسری بات یہ کہ مولوی لاہوری قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ کرنے والا پہلا فرد نہیں تھا۔ اس کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے ۱۹۱۷ء میں منصہ شہود پر آنے سے پہلے برِصغیر کے دو سے زیادہ مسلمان اپنے انگریزی تراجمِ قرآن شائع کر چکے تھے۔ پٹیالہ کے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے جب ۱۹۰۵ء میں قرآنِ مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تو وہ ایک احمدی تھے لیکن اشاعت کے فوراً بعد انہوں نے مرزا قادیانی کی زندگی میں ہی تائب ہونے کا اعلان کیا اور دوبارہ اسلام کی برکتوں میں پناہ ڈھونڈی۔ حیرت دہلوی اور مرزا ابوالفضل بھی ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں اپنے انگریزی تراجمِ قرآن شائع کر چکے تھے۔

۲۔ڈاکٹر خادم رحمانی نوری کی قوسین میں حواشی کے ساتھ قرآن مجید کی رواں تفسیر

The Running Commentary of the Holy Qur'ān with Under-bracket Comments by Dr. Khādim Ramḥānī Nūrī:

احمدی اسکالر خادم رحمانی نوری کا تعلق ضلع آسام سے تھا۔ نوری کے ہم مذہب ناصر احمد نے اسے ایک معروف عالم قرار دیا ہے۔ مولوی محمد علی کے مطابق نوری نے قرآن مجید کا "خاسی زبان" (ایک آسٹرو ایشیائی زبان جو ضلع آسام کے پہاڑی علاقوں میں بولی جاتی ہے) میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ بہت سی کتب اور کتابچوں کے تراجم بھی اس کے قلم سے نکلے۔ اس کی تفسیرِ قرآن کے پہلے صفحے پر یہ عبارت درج ہے: "مختلف زبانوں میں ۱۵۰ سے زیادہ کتب کا مصنف، مؤلف اور مترجم۔" (۴۵)

---

(43) Kidwāi, A. R., Translating the Untranslatable, p. 211

(۴۴) عامر عزیز الازہری، (۲۰۱۳ء)، تاریخ کا سیاہ ورق، پیغامِ صلح، لاہور، ج ۱۰۰، ش ۱۵-۱۶، ص ۹

(45) Nasir Ahmad, English Translation of the Holy Qur'an with Arabic Text and Transliteration, Part 30, p.iii

نوری کا انگریزی ترجمہ ٔ قرآن پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا جس پر بعد ازاں اس کے بیٹے ڈاکٹر ظہور الحق نے نظر ثانی کی۔ اس میں عربی متن کے لفظی ترجمے کے ساتھ ۲۵،۰۰۰ حواشی قوسین میں دیے گئے ہیں۔ اس ترجمے کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ نوری نے ترجمے کے درمیان ہی وضاحتی الفاظ اور جملوں کو قوسین میں دے دیا ہے۔ اس طرح یہ ایک رواں ترجمہ بن جاتا ہے جس میں قاری کو زیریں حواشی کی زحمت سے بچایا گیا ہے۔ تمام اضافی الفاظ اور حواشی چھوٹے خطوط وحدانی میں مقید ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ دو خوبیوں سے مزین تفسیر ہے:

۱) قوسین کے بغیر مطالعہ لغوی معانی بتاتا ہے۔

۲) قوسین سمیت مطالعہ الفاظ کی وضاحت فراہم کرتا ہے۔

تقابلی مطالعے کی غرض سے آیات قرآنی، احادیث مبارکہ، بائبل مقدس، بھگوت گیتا اور دوسری مذہبی کتب کے حوالے جگہ جگہ دیے گئے ہیں (۴۶)۔

نوری کی اختیار کردہ ترتیب پر بھی ناقدین نے سخت گرفت کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی (پ ۱۹۵۶ء) نے نوری کی اس بات کو ایک جھوٹ قرار دیا ہے کہ اس نے اپنے ترجمہء قرآن میں ایک عجب خوبی متعارف کرائی ہے کہ ترجمے کے درمیان قوسین میں حواشی دے دیے ہیں۔ اس طرح، اس کے بقول، اس کا کام رواں تبصرے کا لطف بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ترتیب اس کے کام کو بھدا اور نامعقول بنا دیتی ہے (۴۷)۔

خادم رحمانی نے احمدیہ جماعت کے ایک ہفت روزہ میں اپنی تفسیرِ قرآن کی قسط وار اشاعت کا آغاز کیا۔ جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے:

"میری کی ہوئی تفسیرِ قرآن ۱۹۵۸ء سے لاہور، مغربی پاکستان کے ایک انگریزی ہفت روزہ 'دا لائیٹ' (The Light) میں چھپ رہی ہے (۴۸)۔"

(46) Akhtar Jabeen Aziz (tr.) (2011),Life and Works of Maulānā Muhammad ʼAlī, English translation of the Urdu book "Mujahid-i-Kabir" by Mumtaz Ahmad Faruki (Wembley, U.K.: Ahmadiyya Anjuman Lahore Publications, p.405

(47) Kidwāi, A. R., English Translations of the Holy Qur'an: An Annotated Bibliography, p. 41

یہ معلومات احمدی اسکالر ناصر احمد نے ۲۴ جنوری، ۲۰۱۲ کو اپنی ایک ای میل کے ذریعے میرے تلمیذ اور رفیقِ کار حافظ خورشید احمد کو فراہم کیں

(48) Nurī, Khādim Raḥmānī, Dr. (1964),The Running Commentary of the Holy Qur'an with Under-Bracket Comments (Shillong: Sūfī Hamsāyah, Gurdwara Bara Bazar Road,) p. v

قرآنِ مجید کا یہ ترجمہ و تفسیر واضح طور پر احمدیہ جماعت کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہے۔ درج ذیل امثلہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ سورۃ النساء کی ان دو آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَما قَتَلُوهُ وَما صَلَبُوهُ وَلكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ما لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَما قَتَلُوهُ يَقِيناًo بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكانَ اللَّهُ عَزِيزاً حَكِيمًا﴾(۴۹)

[And (a wager being a fool's argument) their saying (boastfully): "Surely, we have killed Masīh," --- 'Isa, son of Mar-yam (2:87), the rasūl of Allah ---" and thereby have proved him to be an accursed one, Deu. 21:23"); and(the fact is that) they killed him not (rather they were victims of delusion), nor did they cause his death by crucifixion (as he expired not on the cross, though they nailed him to it), but he was made to resemble (one crucified) to them (because his fainted state in the cross-incident appeared to them as his death, Joh. 19:32-33; 20:25-8; Mark 15:44; 16:4; Luke 24:39-43; Matt. 28:10, Heb. 5:7). And verily those who differ with regard to him are (themselves) in a certain doubt about him. They have no (true) knowledge about it (i.e. this escape of 'Isā from death on the cross) but are merely following a guess; and they killed him not for certain (and thus they failed to prove him to be accursed; rather he lived to a good old age, 3:45, and died a natural death, 3:45 and was buried in Kashmīr, 23:50) On contrary, Allah exalted him (3:45) towards Himself (in honour and dignity). And Allah ('who was able to save him from death of the cross, Heb 5:7) is Exalted in power, Most Wise (in making him fainted which helped in the way of his escape, John 19:32-33)][50]

"اور (ایک مقابلے باز کی احمقانہ دلیل ہے) ان کا یہ کہنا (شیخی سے) یقیناً ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔۔۔ عیسٰی بن مریم (۲:۸۷) اللہ کے رسول (۔۔۔ اور اس طرح اسے ایک ملعون ثابت کیا، استثنا ۲۱:۲۳) اور (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے اسے قتل نہیں کیا (بلکہ وہ مغالطے کا شکار رہے) نہ ہی وہ اسے صلیب پر موت دے سکے (کیونکہ وہ صلیب پر نہیں مرے اگرچہ انہوں نے اسے صلیب پر لٹکا دیا تھا) لیکن بالکل اسی طرح معلوم ہوتا تھا (جیسے صلیب دیا گیا ہو) انہیں (کیونکہ صلیب کے واقعے میں اس کی بے ہوشی کو انہوں نے اس کی موت سمجھ

(۴۹) النساء۴:۱۵۷، ۱۵۸

(50) Nurī, Khādim Raḥmānī, Dr., p.153

لیا، یوحنا۱۹:۳۲،۳۳) (یوحنا۲۰: ۲۵-۲۸)(مرقس۱۶:۴،۱۵:۴۴) (لوقا۲۴:۳۹،۴۳) (متی ۲۸ :۱۰) (عبرانیوں۵:۷) اور یقیناً جنہوں نے اس سے متعلق اختلاف کیا وہ(خود) اس کے حوالے سے شک میں ہیں ان کے پاس اس بارے میں (حقیقی) علم نہیں ہے۔(یعنی عیسیٰؑ کا صلیب کی موت سے بچ نکلنا) بلکہ وہ محض ایک گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا(اور اس طرح وہ اسے ملعون ثابت کرنے میں ناکام رہے۔بلکہ وہ بزرگی کی عمر تک جیتا رہا۳:۴۵ اور ایک قدرتی موت مرا۳:۴۵ اور اسے کشمیر میں دفن کیا گیا۲۳:۵۰)اس کے برعکس اللہ نے اسے اپنی طرف بلند کیا(عزت و عظمت میں) اور اللہ (جس نے اسے صلیب پر موت سے بچایا عبرانیوں۵:۷) طاقت میں بلند ہے، سب سے زیادہ حکیم ہے(جس نے اسے بے ہوش کر دیا جس نے اس کو بچانے میں اہم کردار ادا کیا یوحنا۱۹:۳۲،۳۳)"

سورۃ المؤمنون کی ایک آیت کا متن اور ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ (۵۱)

[And We made the son of Mar-yam (2:87) and his mother a sign (for the guidance of the nations, 21:91, particularly the Jews, the Christians, and the later day Muslims, 3:54); and (after their deliverance from the hands of their enemies, 4:157) We sheltered them in (the valley of) a plateau (of Kashmīr, the only plateau in the world) having (plenty of) meadows (as well as places of security) and springs (and, therefore, called the Heaven on Earth wherever their tombs are existing).](52)

"اور ہم نے مریم کے بیٹے(۲:۸۷)اور اس کی ماں کو ایک نشانی بنایا(اقوام کی رہنمائی کے لیے ۲۱:۹۱خاص طور پر یہودیوں، عیسائیوں اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے ۳:۵۴)اور (ان کے دشمنوں کی قید سے رہائی کے بعد ۴:۱۵۷) ہم نے انہیں پناہ دی(وادی میں) سطح مرتفع کی(دنیا کی واحد سطح مرتفع کشمیر میں) جس میں(بہت سے) سبزہ زار ہیں(اور محفوظ جگہیں بھی) اور چشمے(اور یہی وجہ ہے کہ اسے زمین پر جنت کہا جاتا ہے جہاں ان کے مزارات بھی ہیں)"

سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کا متن اور ترجمہ یوں ہے:

---

(۵۱) المؤمنون، ۲۳:۵۰

(52) Nurī, Khādim Raḥmānī, Dr., p.529

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾(۵۳)

[(O mankind!)Muhammad is not the (spiritual) father of any of your men (of Elevated Places, i.e. your nabīs 7:46; so,no nabīs, new or old, will ever appear after him as his spiritual offspring, as they appeared after your father Ibrāhīm, 22:78); but (he is) a Rasūl of Allah and the Seal of the Nabīs (, therefore, the institution of sending nabīs has been closed and a seal has been set with Muhammad, who is the Last or the Final Nabī and with whom religion has reached the peak of perfection, 2:213;5:3). And Allah is Ever Knower of all things (including that any imposter claiming to be a Nabī after Muhammad will be digging his own grave. 69:44-47)]

”اے عالمِ انسانیت!) محمد نہیں ہیں (روحانی) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد (بلند مقامات والے یعنی تمھارے انبیاء۷:۴۶، اس طرح کوئی بھی نبی نیا یا پرانا آپؐ کی روحانی اولاد کے طور پر کبھی نہیں آئے گا۔ جیسے کہ وہ تمہارے جدامجد ابراہیم کے بعد آئے ۲۲:۷۸) لیکن (وہ ہیں) اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر (اسی لیے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بند کردیا گیا اور محمدؐ کے ذریعے مہر لگادی گئی جو آخری اور حتمی نبی ہیں اور ان کے باعث مذہب اپنی تکمیل کی معراج کو پہنچا۲:۲۱۳) (۵:۳) اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر کوئی جھوٹا محمدؐ کے بعد نبوت کا دعوٰی کرے گا تو وہ اپنی قبر خود کھودے گا۶۹:۴۴،۴۷)“

سورۃ النور کی ایک آیت کا متن اور ترجمہ یوں ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(۵۴)

[Allah promised (three things) to those among you who believe (obeying His Law) and do good deeds (2:25) that (i) He will make them successors (in both temporal and spiritual fields) in the (whole) earth (by sending *Mujaddids* or Reformers at the head of each century, AD. 36:1, who will make them true

---

(۵۳) الاحزاب، ۳۳:۴۰

(۵۴) النور، ۲۴:۵۵

Believers by cleansing them of their dross), as He made successors those (chain of Isrā'lite Nabīs in the dispensation of the Law-giver, Mūsā) before them (,similarly, as Mūsā was succeeded after 1300 years by Isā Masīḥ, so also Muhammad who is like unto Mūsā, 73:15, is to be succeeded 1300 years later by the Promised Masīḥ who will be like unto 'Isā, with a chain of 12 *Mujaddids* in between; and that (every generation needing regeneration) .(ii) He will establish for them their religion (of Islam in its full glory like the full moon of the fourteenth night), which He has approved for them (5:3, superseding other outdated religions where interpolations have crept in, 9:33); and that (iii) He will most surely change them from their (state of) fear (of their total annihilation by their bitter opponents, 33:9-20) into (a state of) security (and thus he that is master of himself will be master of others). They will worship Me (alone), not associating aught with Me. And whoever is ungrateful thereafter, then these themselves are (to be dealt as) the transgressors (or as the disobedient ones to My commandments).][55]

"اللہ نے وعدہ کیا ہے (تین چیزوں کا) تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان رکھتے ہیں (اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں) اور نیک اعمال کرتے ہیں (۲۵:۲) کہ (اول) وہ انہیں خلفاء بنا دے گا (طبعی اور روحانی دونوں میدانوں میں) زمین (پوری) پر (ہر ہجری صدی کے آغاز میں مجددین اور مصلحین بھیج کر ۳۶:۱ جو انہیں ان کی آلائشوں سے پاک کر کے سچا مومن بنائے گا) جیسا کہ انہیں خلفاء بنایا (تورات دینے والے موسیٰؑ کی اتباع کرانے والے اسرائیلی انبیاء کا سلسلہ) ان سے قبل جس طرح موسیٰؑ کے تیرہ سو (۱۳۰۰) سال بعد عیسیٰ مسیحؑ تشریف لائے۔ بالکل اسی طرح محمدؐ جو کہ موسیٰؑ کی طرح ہیں (۱۵:۷۳) ان کے تیرہ سو (۱۳۰۰) سال بعد مسیح موعود آئیں گے جو عیسیٰؑ کی طرح ہیں درمیان میں آنے والے بارہ (۱۲) مجددین کے سلسلے کے ساتھ) اور یہ کہ (ہر پیڑھی کو حیات نو کی ضرورت ہوتی ہے) (دوم) وہ ان کے لیے ان کے مذہب کو قائم کرے گا (چودھویں کے چاند کی طرح اسلام کو اپنی پوری عظمت کے ساتھ) جو اس نے ان کے لیے مقدر کر رکھا ہے (۳:۵) متروکہ مذاہب، جہاں الحاقات در آنے کی جگہ لینے کے لیے (۳۳:۹) اور یہ کہ (سوم) یقیناً وہ انہیں ان کے خوف (کی حالت) سے نکال لے گا (ان کے بدترین مخالفین کی طرف سے ان کے مکمل انہدام سے ۹:۳۳) (۲۰:۳۳) تحفظ (کی حالت) میں (اور اس طرح جو اپنی ذات کا مالک ہے دوسروں کا بھی مالک ہو گا) وہ (صرف) میری عبادت

(55) Nurī, Khādim Raḥmānī, Dr., p.549

کریں گے کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔اور جو کوئی اس کے بعد ناشکر گزار ہے، تب خود ان کے ساتھ (ایسا معاملہ کیا جائے گا) جیسا حد سے گزرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے (یا جیسا میرے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے)"

دوسرے قادیانی یا احمدی مترجمینِ قرآن کے بر عکس خادم نوری نے آیت بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ۔ کو ہر سورت کا حصہ نہیں بنایا نیز یہ کہ اس نے حروفِ مقطعات کو ترجمے میں ویسے ہی بر قرار رکھا لیکن قوسین میں ان کے معانی دیے ہیں۔مثلاً: الم(ا-ل-م) "میں اللہ بہترین علم رکھنے والا ہوں"(۵۶)۔"نوری نے ایک تفصیلی اشاریہ بنایا ہے جو محققین کے لیے مدد گار ہو سکتا ہے"(۵۷)۔

ڈاکٹر قدوائی (پ۱۹۵۶ء) نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خادم نوری کا کام کمزور انگریزی سے بھرا پڑا ہے۔ محاورات کے بے ہنگم استعمال نے اس کی شکل مسخ کر دی ہے۔ایک متوسط درجے کے قاری کے لیے یہ انگریزی محاورات قابل فہم نہیں ہیں۔پرانی انگریزی کے ضمائر کا استعمال اس کے ترجمے کی تفہیم میں ایک اور بڑی رکاوٹ ہے۔(۵۸)

لاہوری جماعت کے ایک لکھاری اور مترجم ،ناصر احمد(پ۱۹۳۵ء) نے نوری کے ترجمے کو بہت تعریف و توصیف سے یوں نوازا ہے:"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر نوری کی طرف سے انگریزی ترجمۂ قرآن کے ساتھ تفسیری وضاحتیں فراہم کرنے کی یہ ایک اچھی کوشش ہے، ان سے قاری کے لیے تفہیمِ قرآن کریم میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ بر قرار رہتی ہے کہ کم و بیش یہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی بنیاد مولانا محمد علی اور حافظ غلام سرور کے انگریزی تراجمِ قرآن پر رکھی گئی ہے"(۵۹)

خادم رحمانی نوری نے نہ صرف الفاظ بلکہ طویل جملوں کے الحاقات سے قرآنی آیات کے معانی میں تحریف کی ہے۔حاصلِ کلام یہ ہے کہ قوسین میں موجود اس کے حواشی نے اسے مسلم تراجم سے بالکل جدا کر دیا ہے۔

۳۔خواجہ کمال الدین کی تفسیرِ قرآن مجید

A Running Commentary on the Holy Qur'ān by Khāwja Kamāl ud Dīn:

(56) Nurī, Khādim Raḥmānī, Dr., p.3

(57) Ibid, pp.1025-1144

(58) Kidwāi, A. R., Translating the Untranslatable, p.41

(59) Nasir Aḥmad, English Translation of the Holy Qur'ān with 'Arabic Text and Transliteration, Part 30,p.iii

خواجہ کمال الدین(۱۸۷۰-۱۹۳۲ء) لاہور احمدیہ جماعت کا رکن تھا۔ اس نے ایف۔سی۔کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ قانون کی ڈگری ایل۔ایل۔بی۔کرنے کے بعد اس نے لاہور میں وکالت شروع کر دی لیکن ۱۹۱۲ء میں وہ انگلستان چلا گیا اور وہاں "ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ" کی بنیاد رکھی۔اس نے 'دا اسلامک ریویو' (The Islamic Review[(۶۰)]) کے نام سے ایک ماہ وار رسالہ لندن سے جاری کیا۔احمدیہ جماعت کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اس نے لاہوری جماعت کا انتخاب کیا۔وہ احمدیہ عقائد کا ایک متحرک مبلغ تھا اور اس نے اس حوالے سے بہت سی کتب تحریر کیں۔اس نے rief notes of the Qur'an: The last Seven Chapters[(۶۱)] شائع کی۔یہ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے حوالے سے اس کا پہلا کام تھا۔سورۃ الکوثر کا متن اور کمال الدین کا کیا ہوا اس کا انگریزی ترجمہ یوں ہے: بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم۔

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (۶۲)

In the name of Allah, Beneficent, the Merciful

1. Surely, We have given you abundance of good,
2. Therefore, pray to your Rabb (Creator, Nourisher and Maintainer) and make sacrifice.
3. Surely, your enemy is the one cut off.[(63)]

"اللہ کے نام سے،مہربان، نہایت رحم والا۔یقناً ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی،اس لئے اپنے رب (خالق،پالنہار،اور برقرار رکھنے والے) کی عبادت کریں اور قربانی دیں۔یقیناً آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔"

بعد ازاں خواجہ کمال الدین کا ترجمہ و تفسیرِ قرآن بھی شائع ہوئے۔اس کے پہلے حصے میں سولہ (۱۶) سورتیں ہیں۔مقدمے میں "دی اسلامک ریویو ووکنگ" کے مدیر آفتاب الدین احمد(۱۹۰۱-۱۹۵۶ء) کا کہنا ہے:

"اس تفسیرِ قرآن کا خیال خواجہ کو ۱۹۲۶ء کے دورہء جنوبی افریقہ کے دوران آیا۔اس نے ۱۹۲۸ء میں برصغیر واپسی پر اس مقصد کے لیے کام شروع کر دیا لیکن عین انہی دنوں ٹی۔بی۔نے حملہ کر دیا۔اس کی گرتی ہوئی صحت نے

(60) The Islamic Review was started by Khāwja Kamāl ud Dīn, in February (1913) under the The title the "Muslim India and Islamic Review" but its title was changed " The Islamic Review and Arab Affair" in January (1949.)

(61) Kamāl ud Dīn, Khāwja Brief Notes on the Qur'ān: The Last Seven Chapters, Surrey, England: The Woking Muslim Mission and Literary Trust) pp.ii-iii

(۶۲) الکوثر،108:1 -3

(63) Kamāl ud Dīn, Khāwja, Brief Notes on the Qur'ān, p.4

اسے اجازت نہیں دی کہ وہ انگریزی میں اپنے کام کو جاری رکھ سکتا،اسی لیے اس نے جلدی کے باعث اردو کو ذریعہِ اظہار بنایا۔اگلے صفحات میں قارئین کے سامنے جو کچھ پیش کیا جارہا ہے اس کا زیادہ تر حصہ کمال الدین کے اردو مسودے سے ترجمہ کیا گیا ہے"[۶۴]۔

اس تفسیر میں قرآنی متن کی چند آیات لکھ کر ان کا انگریزی رقم ہے ،ان کے بعد تفصیلی تفسیر دی گئی ہے۔کمال الدین کا طریقہ کار محمد علی سے کافی متائثر ہے۔اس کے تفسیری حواشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنے غلط عقائد کو سچ ثابت کرنے کے لیے پیغامِ الٰہی کی غلط تعبیر کی ہے۔لاہوری جماعت کے احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی نہیں بلکہ محدث تھا۔خواجہ کمال الدین سورۃ البقرہ کی ایک آیت (۱۲۹:۲) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"مقام نبوت سے نیچے ایک رتبہ ہے جو اپنی حیثیت میں خدائی الہام کے رابطے سے بلند تر ہے۔اس کم تر درجے کا نام 'محدثیہ' ہے۔خدائی رابطے سے منسلک ہونے والے ہر شخص کو محدث نہیں کہا جاتا صرف وہی ہستی محدث کہلا سکتی جسے کثرت سے اور بار بار خدائی رابطہ میسر ہو۔یہ وہ شخصیت ہے جس کی مماثلت ایک نبی سے ہے[۶۵]۔"

یہ احمدی مفسر بہت عیار ہے کیونکہ وہ اپنے نام نہاد محدث کا نام ذکر کرنے سے گریزاں ہی رہا۔اپنی جماعت کے دوسرے لکھاریوں کی طرح اس نے بھی کوشش کی کہ جہاد کو ذاتی دفاع تک محدود رکھا جائے۔وہ لکھتا ہے:"سوائے ذاتی تحفظ کی انتہائی صورت حال کے اسلام جنگ سے منع کرتا ہے[۶۶]" یہ مؤقف مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیمات کے عین مطابق ہے جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو برطانوی حکومت کے خلاف لڑنے سے روکنے کی کوشش کی۔اس ترجمے میں حروفِ مقطعات کے معانی کا ذکر بھی ہے۔مثلاً ا۔ل۔م۔کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:"میں اللہ بہترین جاننے والا ہوں[۶۷]" اس نے بائیبل مقدس کی مختلف کتب کے حوالے دیے ہیں جیسے کہ:پیدائش[۶۸]،خروج[۶۹]،استثنا[۷۰]،متی کی انجیل[۷۱]،یوحنا کی انجیل[۷۲]،سلاطین(اول[۷۳]) اور سلاطین (دوم[۷۴])۔اس نے بہت سی عربی لغات کا ذکر کیا ہے

(64) Kamāl ud Dīn, Khāwja, A Running Commentary on the Holy Qur'ān(Surrey, England: The Woking Muslim mission and Literary Trust, n.d.) pp.ii-iii

(65) Ibid, p.128

(66) Ibid, p.142

(67) Kamāl ud Dīn, Khāwja, A Running Commentary on the Holy Qur'ān, p.17

(68) Ibid, p.105

(69) Ibid, pp.42,43,74

(70) Ibid, pp.37,70,71,78,105

(71) Ibid, p.68

جیسے: تاج العروس[۷۵]۔ جارج سیل[۷۶] اور ایڈورڈ ولیم لین[۷۷] جیسے مستشرقین کا ذکر بھی اس تفسیر میں موجود ہے۔ خواجہ کمال الدین کے اس تفسیری کام کو اس کے بیٹے خواجہ نذیر احمد[۷۸] (۱۸۹۷-۱۹۷۰ء) نے مکمل کیا لیکن یہ تفسیر نہ تو خلافت لائبریری چناب نگر (ربوہ) اور نہ ہی دارالسلام لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

۴۔ قرآن مجید کا متن، ٹرانسلٹریشن اور انگریزی ترجمہ، تالیف: ناصر احمد

(English Translation of the Holy Qur’ān with ‘Arabic Text and Transliteration, compiled by Nāsir Aḥmad)

ناصر احمد (پ ۱۹۳۵ء) کے والد مولانا آفتاب الدین احمد (۱۹۰۱-۱۹۵۶ء) نے مذہبی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ آفتاب الدین نے ۱۹۲۴ء میں احمدیہ انجمن لاہور میں شمولیت اختیار کی اور بعد ازاں ووکنگ مسلم مشن میں بطور مبلغ خدمات انجام دیں۔ ابو ناصر نے دو انگریزی مجلوں "دا لایئٹ "اور" دی اسلامک ریویو[۷۹]" کی ادارت بھی کی۔ اپنے والد کی طرح ناصر احمد نے احمدیوں کی لاہوری جماعت کے لیے مختلف حیثیات میں کام کیا۔ آپ نے ووکنگ مسلم مشن کے سکریٹری، لٹریری ٹرسٹ لاہور کے معاون، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے مجلہ "دالائیٹ" کے نائب مدیر کی حیثیت سے بھی کام کیا[۸۰]۔ ابنِ آفتاب الدین احمد نے قرآن حکیم کے کچھ اجزا کا انگریزی ترجمہ اور ٹرانسلٹریشن شائع کیے ہیں۔ اس قرآنی خدمت کے حوالے سے ناصر احمد کا اپنا بیان یوں ہے: "یہ در حقیقت ناصر احمد کے تالیف کردہ قرآنِ مجید کے کچھ اجزا کی ٹرانسلٹریشن اور انگریزی ترجمہ ہے۔ کئی سالوں کے سفر کے دوران آپ نے ٹرانسلٹریشن کے طریقہِ کار میں بہتری کی کوشش کی۔ آپ کے ذہن میں ہمیشہ قرآنِ مجید کی قراءت کرنے والوں کی مدد کا خیال جاگزیں رہا، جب

(72) Ibid, p.71

(73) Ibid, p.83

(74) Ibid, p.83

(75) Ibid, p.83

(76) Ibid, p.61

(77) Kamāl ud Dīn, Khāwja, A Running Commentary on the Holy Qur’ān ,p.83

(78) Ismet Benark and Halit Eren,(1406/1986),World Bibliography of the Translations of the Holy Qur’ān (Istanbul: Research centre for History, Art and Culture,) p.40

(79) Shaban-ul-Ahmadiyya Markaziyya, Maulana Aftab-ud-Din Aḥmad, available at www.aaiil.org

(۸۰) یہ معلومات احمدی اسکالر ناصر احمد نے میرے تلمیذ حافظ خورشید احمد کو فراہم کیں جو ناصر احمد سے کئی ملاقاتیں کر چکے ہیں

انگریزی ہفت روزہ "دا لائیٹ" کے قرآن صفحے کی تیاری کے لیے۱۹۵۸ء میں آپ نے پہلی مرتبہ اس فن پر کام شروع کیا تو اس کی تفصیلات سے آگاہی حاصل کی۔ٹرانسلٹریشن کا مقصد یہ ہے کہ قاری متنِ قرآن کے ہر کلمہ یا رکن کلمہ کو درست طور پر ادا کر سکے۔ قاری دیکھ سکے کہ ٹرانسلٹریشن میں ہر حرف، کلمہ اور جزوِ کلمہ کو کس طرح نمائندگی دی گئی ہے۔یہ مستشرقین کی ٹرانسلٹریشن کے طریقہ کی پیچیدگیوں سے مبرا ہے۔اس ٹرانسلٹریشن کی مدد سے انگریزی کا واجبی علم رکھنے والا فرد قرآنی متن کی بآسانی تلاوت کر سکتا ہے۔اسی طرح ناصر احمد نے قوانین وقوف کی سہولت کا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔الفاظ کو ملا کر پڑھنے سے گریز کرتے ہوئے قرآنی متن کی آسان تلاوت کا طریقہ فراہم کیا ہے۔در حقیقت ناصر احمد نے الفاظ کے صوتی اظہار کے مطابق قرآنی متن کو ٹرانسلٹریٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ الفاظ میں موجود حروف کے خواص کی پروا نہیں کرتے۔بنیادی طور پر اس ٹرانسلٹریشن کا ہدف وہ لوگ ہیں جو عربی سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے لیکن وہ قرآنی متن کو تلاوت کرنے کی خواہش رکھتے ہیں[۸۱]۔"

ناصر احمد نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ترجمۂ قرآن مجید آپ نے خود نہیں کیا بلکہ مولوی محمد علی کے انگریزی ترجمہء قرآن کو ہی یہاں لکھا ہے۔آپ بیان کرتے ہیں:

"ابھی تو میں قرآن مجید کے تیسویں (۳۰) پارے کی ٹرانسلٹریشن اور انگریزی ترجمہ سامنے لا رہا ہوں کیونکہ زیادہ تر پنجگانہ نمازوں میں اس پارے میں شامل سورتوں کی تلاوت ہی کی جاتی ہے۔ترجمہ اور سورتوں کا تعارف،نام ور مولوی محمد علی کے شاہکار انگریزی ترجمۂ قرآن کریم کی محترم یادوں سے لیا گیا ہے[۸۲]۔"ناصر احمد نے قرآن کریم کے پہلے تین پاروں کو بھی درج ذیل عنوان سے شائع کیا ہے۔

"English Translation of the Holy Qur'ān with 'Arabic Text and Transliteration[(83)]".

ایک سوال کے جواب میں آپ نے وضاحت کی کہ ان پاروں میں شامل ترجمہ میرا نہیں ہے بلکہ میں نے مولوی محمد علی کا ترجمہ استعمال کیا ہے۔میں نے صرف قرآنی متن کو ٹرانسلٹریٹ کیا ہے تاکہ مغربی ممالک میں آباد وہ مسلمان جو قرآنی متن کی قراءت پر قادر نہیں ہیں،وہ بھی تلاوت قرآن کر سکیں۔[۸۴]

---

(81) Nāsir Aḥmad, (compiler), (1976),English Translation of the Holy Qur'ān with Arabic Text and Transliteration (Lahore: Raḥeel Publications) part 30, pp. iii-iv

(۸۲) (Nāsir Aḥmad, part 30, p. vi

(۸۳) (The author of this paper has seen the following two parts:

Nāsir Aḥmad, (compiler), (1976) English Translation of the Holy Qur'an with Arabic Text and Transliteration i. (Lahore: Rāḥeel Publications) part 1, pp. 31

Ibid, Part III, pp.30 ii.

۵۔کے۔ایس۔چوہدری محمد منظور الٰہی کا تسہیل شدہ قرآن مجید

(The Holy Qur'ān Simplified by K. S. Ch. Moḥammad Manzoor Ilāhī)

احمدیوں کی لاہوری جماعت کے رکن چوہدری منظور الٰہی نے قرآنِ مجید کا ایک لفظی اور بامحاورہ نامکمل ترجمہ "تسہیل شدہ قرآن مجید" کے زیرِ عنوان شائع کیا۔ یہ بالا جزا ہے۔پہلا حصہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی پہلی (۷۸) آیات پر مشتمل ہے۔اس حصے کو (۸۵) اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے[(۸۵)]۔دوسرا حصہ سورۃ البقرہ کی آیات (۷۹-۱۴۱) پر مشتمل ہے۔جز دوم کو ۶۵ اسباق میں بانٹا گیا ہے۔ان دونوں اجزا کے ملنے سے قرآن کا پہلا پارہ مکمل ہوتا ہے۔محمد منظور الحق کا تعلق احمدیوں کی لاہوری جماعت سے تھا۔اس نے احمدیت کے فروغ کے لیے انگریزی اور اردو میں بہت سی کتب لکھیں[(۸۶)]۔

"The English Translation of the Holy Traditions with Short Notes"

کے زیرِ عنوان ایک اور کتاب پر اس کا نام ان اضافی الفاظ کے ساتھ "رکن، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ،لاہور (ہندوستان) موجود ہے۔اس کتاب کے تعارف میں اس نے محمد علی لاہوری کا ذکر کیا ہے جس کے انگریزی ترجمۂ قرآن نے یورپی زبانوں میں ادبیات اسلامی کی ترقی کو تحریک دی[(۸۷)]۔

---

(۸۴) یہ معلومات احمدی اسکالر ناصر احمد نے (۳۰ جولائی، ۲۰۱۲ کو اپنی ایک ای میل کے ذریعے میرے تلمیذ اور رفیق کار حافظ خورشید احمد کو فراہم کیں۔

(85) Moḥammad Manzoor Ilāhī, K.S. Ch, (1936), The Holy Qur'ān Simplified (Lahore: Manzoor Ilahi Publisher, Aḥmadiā Building) No.1, p.92

(86) According to the list printed by Manzoor Ilahi , the books written by him includes:

i. The Jesus of the Gospels

ii. Are Gospels word of God?

iii. The Jesus in the Qur'ān

iv. The Aḥmadiyya Catechism(Urdu)

v. The revelations and the Promised Messiah(Urdu)7 Parts

vi. Daroos-us-Saleeb(Arabic & Urdu)Facts about the Safety of Jesus from death on the Cross.

(87) Moḥammad Manzoor Ilāhī, Ch.,(1932)،The English Translation of the Holy Traditions with Short Notes (Lahore: The Rippon Printing Press)No.1, p.xiv

منظور الٰہی کے "تسہیل شدہ قرآن مجید" میں قرآنی متن، ٹرانسلٹریشن، لفظی ترجمہ اور آخر میں رواں ترجمہ دیا گیا ہے۔اس کے ترجمۂ قرآن کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ سورۃ البقرہ کی ایک آیت کا متن اور ترجمہ یوں ہے: ﴿رَبَّنَا وَابعَث فيهِم رَسولًا مِنهُم يَتلو عَلَيهِم آياتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتابَ وَالحِكمَةَ وَيُزَكّيهِم إِنَّكَ أَنتَ العَزيزُ الحَكيمُ﴾(۸۸)

[Our Lord! And raise up in them an apostle from (among) them who shall recite on them Thy communications and teach them the book and the wisdom, and purify them; sure, Thou (art) the Mighty, the Wise.]

"اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں، ان میں سے ایک پیغمبر جو ان کے سامنے تمہاری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور انہیں پاکیزہ بنائے، یقیناً تو عزیز اور حکیم ہے۔"

بعض اوقات چوہدری کا ترجمۂ قرآن دوسرے مترجمین سے کافی مختلف ہوتا ہے۔مثال کے طور پر: ﴿صِبغَةَ اللَّهِ وَمَن أَحسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبغَةً وَنَحنُ لَهُ عابِدونَ﴾(۸۹)

[(Receive) The colour (of) Allah, and who (is) better than Allah (in) baptising and we for Him (are) worshippers.]

"(حاصل کرو) اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر رنگ دینے والا کون ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں"

زیرِ بحث آیت کے ترجمے میں لفظ (Baptism) بپتسمہ یا اصطباغ کا استعمال ناموزوں ہے۔یہ مسیحی کلیسا میں شمولیت کے وقت کیا جانے والا ایک علامتی میثاق ہے۔ مختلف کلیساؤں میں اس کی شکلیں اور رسومات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن سب کلیساؤں کی رسم بپتسمہ (Baptism) میں ہمیشہ پانی کا استعمال اور درج ذیل طرح کی تثلیثی مناجات شامل ہوتی ہیں۔

"میں تمہارا بپتسمہ کرتا ہوں: مقدس باپ کے نام پر، مقدس بیٹے کے نام پر، اور روح القدس کے نام پر"

مسیحی کلیسا میں داخلے کے امیدوار کو جذوی یا مکمل طور پر پانی میں ڈبویا جاتا۔ بعض کلیساؤں میں اس رسم کے دوران پانی امیدوار کے سر پر گرایا جاتا ہے یا کچھ میں چند قطرے سر پر چھڑک دیے جاتے ہیں یا سر پر ڈال دیے جاتے ہیں۔

---

(۸۸) البقرہ، ۱۲۹:۲

(۸۹) البقرہ، ۱۳۸:۲

کچھ مقامات پر مترجم نے اضافی تشریح یا وضاحت کو زیریں حواشی کے طور پر بھی شامل کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ یوں ہے:

﴿وَمِنهُم أُمِّيّونَ لا يَعلَمونَ الكِتابَ إِلّا أَمانِيَّ وَإِن هُم إِلّا يَظُنّونَ﴾ (۹۰)

[And from them are illiterate who know not the book but (only) lies and they only conjecture][91]

"اور ان میں سے ان پڑھ ہیں جو اللہ کی کتاب کو نہیں جانتے (صرف) جھوٹ بولتے ہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں"

لفظ "اُمیین" کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے یہ حاشیہ لکھا: "یہ لفظ 'اُمِی' کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ایسا شخص جو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ یہاں اس سے مراد جاہل یہودی ہیں۔"(۹۲)

منظور الٰہی کے قادیانی عقائد کو زیریں حواشی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرے احمدی مترجمین اور مفسرین کی طرح اس نے بھی عیسیٰؑ کی کہانی دہرائی ہے جنہیں صلیب پر لٹکا دیا گیا لیکن انہیں جان سے نہیں مارا جا سکا اور وہ موت سے بچ نکلے۔ سورۃ البقرہ کی ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿فَقُلنَا اضرِبوهُ بِبَعضِها كَذٰلِكَ يُحيِي اللَّهُ المَوتىٰ وَيُريكُم آياتِهِ لَعَلَّكُم تَعقِلونَ﴾ (۹۳)

[So, We said liken his affair with somewhat of it, thus Allah brings to life the dead and shows you His sign (that) you may understand.][94]

"تو ہم نے اس کے معاملے سے متعلق فرمایا، اس کا کچھ حصہ، اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے (کہ) شاید تم سمجھو"

اس آیت سے متعلق حاشیہ یوں ہے: جیسا کہ یہودیوں کی تاریخ میں قتل کا کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہے جس میں پوری قوم گناہ گار ٹھہرائی گئی ہو۔ زیرِ بحث دو آیات (البقرہ ۷۲ -۷۳) کی وضاحت کا جواب نہیں ہو سکتا سوائے ان کی

---

(۹۰) البقرہ،۲:۷۸

(۹۱) Moḥammad Manzoor Ilāhī, K.S. Ch., The Holy Qur'an Simplified, No.1, p.9

(۹۲) Ibid

(۹۳) البقرہ، ۲:۷۳

(۹۴) Moḥammad Manzoor Ilāhī, K.S. Ch., The Holy Qur'an Simplified, No.1, p.86

اس کوشش کے جس میں انہوں نے عیسیٰؑ کی جان لینا چاہی۔ لیکن معاملہ ان کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ اس طرح عیسیٰؑ کے قتل کا معاملہ مکمل نہ ہو سکا کیونکہ جب انہیں صلیب سے اتارا گیا تو ان کے ساتھ صلیب دیے گئے چوروں کی طرح ان کی ٹانگیں ٹوٹی ہوئی نہیں تھیں۔ سورۃ البقرہ کی ایک اور آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

﴿ما نَنسَخ مِن آيَةٍ أَو نُنسِها نَأتِ بِخَيرٍ مِنها أَو مِثلِها أَلَم تَعلَم أَنَّ اللَّهَ عَلىٰ كُلِّ شَيءٍ قَديرٌ﴾(۹۵)

[Whatever We abrogate from communication or cause it to be forgotten, We bring better than it or like it. Dost thou not knowest that Allah has power over all things.]

"جو بھی ہم وحی میں سے منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے بھلا دیتے۔ ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

احمدی اسکالر زکسی آیت کے نسخ پر یقین نہیں رکھتے۔ منظور الٰہی نے اپنے نظریات اس کی تفسیر کے ضمن میں زیریں حواشی کی صورت یوں بیان کیے ہیں:

"اس سارے رکوع میں اہلِ کتاب یعنی یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی ایک آیت کے منسوخ ہونے سے متعلق ایک بھی حدیث نبی کریمؐ سے ہم تک نہیں پہنچی۔"

۶۔ ڈاکٹر بشارت احمد کی نامکمل تفسیر "انوار القرآن" کا انگریزی ترجمہ

(English Translation of the Anwār al-Qur’ān by Dr. Bashārat Aḥmad)

ڈاکٹر بشارت احمد (۱۸۷۶-۱۹۴۳ء) کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے تعلیم مکمل کر کے مشرقی افریقہ اور متحدہ پنجاب کے مختلف شہروں میں فزیشن اور سرجن کے طور پر کام کرتا رہا۔ وہ مرزا غلام احمد کی بیعت کر کے (۱۹۰۱ء) میں احمدیہ جماعت کا حصہ بنا۔ احمدیوں کے مشہور مترجم قرآن اور لاہوری جماعت کے سربراہ مولوی محمد علی کا سسر ہونے کے ناطے احمدی جماعت کی تقسیم کے بعد بشارت احمد لاہوری جماعت کا حصہ بنا۔ وہ ایک کٹر احمدی تھا اور اس نے "مجدد اعظم" کے زیرِ عنوان مرزا قادیانی کی سوانح حیات بھی قلم بند کی۔ اس نے اپنی کتاب "انسانی آزادی کا قرآنی نظریہ" (Qur’ānic View of Human Freedom) شائع کی جس میں اس نے اپنے قادیانی عقائد کو بار بار دہرایا۔ اس کے مطابق "قرآنِ کریم کی کسی آیت کو نہ تو کبھی منسوخ کیا گیا ہے اور نہ ہی کبھی کیا جائے گا۔ اپنی زندگی کے

(۹۵) البقرہ،۲:۱۰۶

آخری سالوں میں اس نے قرآن حکیم کے سپارہ (۲۷) اور (۳۰) کی تفسیر "انوار القرآن" کے نام سے اردو میں لکھی۔ اس تفسیر کا انگریزی ترجمہ "امام آزد محمد" نے کیا۔ بعد ازاں سید ناصر احمد (پ ۱۹۳۵ء) نے اس پر نظر ثانی کی اور ترتیب دیا۔ دوسرے احمدی مترجمین ومفسرینِ قرآن کے برعکس بشارت احمد نے بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کو سورتوں کا حصہ نہیں بنایا۔ مثلاً سورۃ التین کا متن اور ترجمہ ملاحظہ ہو: التین، ۱-۸

﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ○ وَطُورِ سِينِينَ ○ وَهذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (٤)ثُمَّ رَدَدْناهُ أَسْفَلَ سافِلِينَ ○ إِلاَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ○ فَما يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ○ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحاكِمِينَ﴾ (۹۶)

"In the name of Allah, the Beneficent, the Merciful.

1. By the fig and the olive!
2. And Mount Sinai!
3. And this City made secure!
4. Certainly We created man in the best make.
5. Then We render him the lowest of the low,
6. Except those who believe and do good; so theirs is a reward never to be cut off.
7. So who can give the lie to thee after this about the Judgement?
8. Is not Allah the Best of the Judges?"(97)

"ساتھ نام اللہ کے جو رحمان ہے اور رحیم ہے۔ گواہ ہیں تین یعنی انجیر اور زیتون گواہ ہے سینا پہاڑ۔ اور گواہ ہے یہ امن والا شہر۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر یعنی بہترین حالتِ عدل پر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اس کو لوٹا دیتے ہیں ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف سوائے ان کے جو ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ تو ان کے لیے کبھی نہ منقطع ہونے والا اجر ہے۔ تو کیا چیز تجھے اس کے بعد جزا کے معاملہ میں جھٹلا سکتی ہے۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔"(۹۸)

---

(96) التین، 95:1-8

(97) http://aaiil.org/text/hq/comm/bash/ch95.shtml accessed on May 18, (2013)

(۹۸) بشارت احمد، ڈاکٹر، (1956ء)، انوار القرآن، لاہور: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، طبع 2 ص ص ۲۰۹-۲۱۶-۲۲۰

ڈاکٹر بشارت احمد کی تفسیرِ قرآن ظاہر کرتی ہے کہ اس نے اپنے مخصوص نظریات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کے معانی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس نے اپنی تفسیر میں احمدی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کا حوالہ دیا ہے۔ سورۃ التین کی پہلی تین آیات کی تفسیر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہے:

"قارئین کے اذہان میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بجائے نبیوں کا نام لینے کے ان مقامات کا نام کیوں لیا جہاں ان بزرگوں کی دعوتوں کا ظہور ہوا،فصاحت و بلاغت کے اصولوں میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے بعض دفعہ ظرف بول کر مظروف مراد لیتے ہیں۔ مثلاً: حضرت مجدد وقت (حضرت مرزا غلام احمد) نے صاحب زادہ عبد اللطیف کی شہادت کے وقت جو لکھا تھا کہ 'اے کابل کی سرزمین تو خدا کی نظروں سے گر گئی' تو وہاں کابل کی سرزمین سے مراد کابل کے وہ لوگ تھے جنہوں نے اس ظلم عظیم میں حصہ لیا تھا"(۹۹)

سورۃ الفیل کی تفسیر میں احمدی مفسر نے مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر کر کے تفسیر بالرائے مذموم کی مثال پیش کی ہے:

"اس طرح اللہ نے مسیحِ موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) اور ان کی چھوٹی سی جماعت کو پرندوں کی طرح ایسا ان پر بھیجا جس نے اپنے لٹریچر کے آسمانی سنگریزوں سے ان کے اعتراضوں کے ہاتھیوں کو فنا کر دیا۔ بلکہ ان کے ان آسمانی سنگریزوں سے مسیحیت میں وہ مری پڑی کہ وہ مذہب ہی اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور خود یورپ کے بڑے بڑے پادری اب تثلیث اور کفارہ سے بے زار ہوتے چلے جاتے ہیں اور کسرِ صلیب کا نظارہ اب اہل دانش سے پوشیدہ نہیں رہا۔۔۔ اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے رویا میں دیکھا کہ کعبہ کا طواف دجال بھی کر رہا ہے اور مسیحِ موعود بھی کر رہا ہے (اور جس کی تعبیر محدثین نے یہ کی ہے کہ) کعبہ کے گرد دجال کا گھومنا ایسا ہے جیسے کسی مکان کے گرد چور گھومتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہ مکان میں نقب زنی اور چوری کرے۔ اور دوسری طرف مسیحِ موعود کا گھومنا اس کے گرد ایسا ہے جیسے کسی مکان کے گرد چوکیدار حفاظت کے لئے گھومتا ہے اس کا مقصد ہوتا ہے کہ اگر کوئی چور ہو تو اسے پکڑے اور سزا دلوائے۔ پس عیسائی پوپوں کا فتنہ جسے دجال کا نام دیا گیا ہے اور جو کعبہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی عمارت کو کسی طرح نقصان پہنچا دے اور اس کے خزانے کو لوٹ لے اور اس کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائے تاہم

(۹۹) بشارت احمد، انوار القرآن، ص210

مسیحِ موعود کے کعبہ کے گرد گھومنے کا مقصد یہ ہے اسلام کی عمارت کی حفاظت کرے اور دجال کی کارستانیوں سے بفضلہ تعالیٰ بچائے(١٠٠)۔"

اسی سورۃ الفیل کی تفسیر میں اس نے پہلے قادیانی خلیفہ حکیم نورالدین کا ذکر یوں کیا ہے: "عالمی شہرت یافتہ نام ور مفسر قرآن حضرت مولانا نورالدین "أرسل علیهم طیرا أبابیل" کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ عرب کا ایک محاورہ ہے ان کے ہاں 'کسی پر پرندے بھیجنا' معنے رکھتا ہے 'اسے تباہ کرنا' عرب کے جاہلیت کے اشعار میں ان کے شعرا بڑے فخر سے شعروں میں کہا کرتے تھے کہ ہمارے لشکروں کے ساتھ ساتھ پرندے چلتے ہیں۔پرندے ساتھ چلنے کا محاورہ یہاں سے لیا گیا ہے کہ جہاں لاشیں ہوتی ہیں وہاں مردار خور پرندے کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں(١٠١)۔"

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ القمر کی تفاسیر کے انگریزی ترجمہ کو الگ سے شائع کیا گیا ہے۔ڈاکٹر بشارت احمد کے قلم سے سورۃ التکاثر اور سورۃ الناس کا ترجمہ اور تفسیر کو ایک جلد میں شائع کیا گیا ہے۔

سورۃ الرحمٰن کی تفسیر میں بشارت احمد نے اپنے نام نہاد "مسیحِ موعود" کی تعریف میں خوب ڈونگرے برسائے ہیں۔ مثلاً:

"یہ قرآن کریم کی منفرد عظمت ہے جسے مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد نے بہت قوت اور جوش کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا"

اس نے برطانیہ عظمیٰ میں احمدیت کے پہلے مبلغ خواجہ کمال الدین کی بھی بہت تعریف کی ہے۔وہ لکھتا ہے: "جب آنجہانی خواجہ کمال الدین تبلیغِ اسلام کے لیے انگلستان گئے تو اس دین کے خالص اور مقدس اصولوں نے اس ملک کے لوگوں کے ذہنوں میں اس طرح کی سراسیمگی پھیلا دی کہ پادریوں میں ایک شور مچ گیا۔خاص طور پر پادری زویمر بہت متاثر ہوا۔وہ اسلام کا بڑا سخت دشمن تھا۔اسی دشمنی کے باعث وہ بہت کروفر اور نمائش سے خواجہ کے ساتھ مناظرہ کرنے آ گیا۔عین اسی وقت خواجہ کمال الدین نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے گرتے ہوئے لوہے کے ٹکڑے اس کے جسم میں داخل ہو رہے ہیں۔اس کے ساتھ ہی اس نے ایک آواز سنی جو اعلان کر رہی تھی:"اور ہم نے لوہا اتارا،اس میں شدت کی سختی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں"(١٠٢)

---

(١٠٠) ایضاً،ص ٢٨٦

(١٠١) ایضاً،ص ٢٨٦-٢٨٧

(١٠٢) بیان القرآن،ص ١٣٥٠

اس کے بعد خواجہ کو قرآن کریم سے اس طرح کا اعلیٰ علم اور بصیرت حاصل ہوئی کہ زویمر کو سخت افراتفری اور مایوسی کے عالم میں مناظرے سے بھاگنا پڑا۔ یہ انسان کے لیے قرآن مجید کے فوائد کا صرف ایک پہلو ہے۔ درج بالا باحوالہ امثلہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ڈاکٹر بشارت احمد نے اپنے احمدی عقائد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کے موضوعات تو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس نے احمدیہ جماعت کے بانی اور دوسری نمایاں احمدی شخصیات جیسے کہ مولانا صدرالدین (۱۸۸۱۔۱۹۸۱ء) اور خواجہ کمال الدین کی بہت مدح سرائی کی ہے۔

حاصل بحث

قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے مترجمین ومفسرینِ قرآن نے راسخ العقیدہ مسلمانوں سے ترجمہ و تفسیر میں انحرافی راستہ اختیار کیا ہے۔ بہت سی آیات کے معانی، خاص طور پر جن کا تعلق عیسیٰؑ سے ہے، کے مفہوم کو نام نہاد مسیحِ موعود کے دعوٰی کو ثابت کرنے کے لیے مسخ کیا گیا ہے۔انہوں نے قرآنی متن کا ترجمہ صاف دلی سے نہیں کیا۔ مخصوص آیات کی تفسیر کا مقصد ہی درست معانی کو سامنے لانے کے بجائے مخصوص احمدی عقائد کو ثابت کرنا ہے۔ احمدی اسکالرز نے ماہرینِ علوم القرآن کے بتائے ہوئے اصولِ تفسیر کو نظر انداز کیا ہے۔احمدیوں نے مخصوص احمدی عقائد کو ثابت کرنے کے لیے خاص آیات کے ترجمہ کو مسخ کرنے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیا ہے جن کا متبادل قرآنی متن میں موجود نہیں ہے۔ احمدی عقائد کے مصادر و منابع مرزا غلام احمد قادیانی، حکیم نورالدین اور مولوی محمد علی کی وہ تحریریں ہیں جو ان تینوں نے تفسیر قرآن کے نام پر لکھی ہیں۔انہوں نے کوشش کی کہ عربی الفاظ کے معانی کو توڑ مروڑ کر اپنے من مانے معانی کشید کریں۔احمدیوں نے کچھ مسلم مفسرین کے سیاق وسباق سے ہٹ کر اقتباسات نقل کیے ہیں تاکہ جو کچھ ان کے مسیحِ موعود نے اپنی تحریروں میں گل کھلائے ہیں انہیں ثابت کیا جاسکے۔لاہوری احمدی کہتے ہیں کہ مرزا غلام قادیانی نبی نہیں بلکہ ایک نچلے درجے "محدث" پر فائز ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کو مصلُوب کیا جانا، صلیبی موت سے آپؑ کا بچ جانا، آپ کا اپنی والدہ کے ساتھ کشمیر تشریف لانا، آپؑ کی قدرتی موت اور سری نگر میں تدفین وہ عقائد ہیں جن میں دونوں جماعتوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کے بانی نے جس طرح "نبی" اور "رسول" کے لفظ کو استعمال کیا ہے وہ اس کی توجیہات کرتے ہیں۔احمدیوں کی جانب سے کئے جانے والے تراجم اور تفاسیر قرآن پر صرف راسخ العقیدہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ مغربی ناقدین نے بھی تنقید کی ہے۔

سفارشات

۱. اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ وطنِ عزیز کے کم پڑھے لکھے اور عام تعلیم یافتہ لوگ مرزایت، قادیانیت، احمدیت، اور لاہوریت سے متعلق بہت کم معلومات رکھتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ و تفسیر کے حوالے سے ان کے باطل نظریات کو عوام الناس تک پہنچایا جائے۔

۲. جو قدیم علماء اور جدید اسکالرز حدیث کے ذخائر سے بہتر آگاہی رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ احادیث کی بنیاد پر عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے اپنی تحقیقات سامنے لائیں۔

۳. عالمِ اسلام کے لیے عموماً اور پاکستان کے عوام کے لیے خصوصاً ائمہ فقہ کے حوالے سے ختم نبوت کی اہمیت کو اجاگر کرنا اہلِ علم کے لیے لازم ہے۔

۴. انگریزی خواں طبقہ قادیانی اور احمدی لاہوری مبلغین کا خصوصی ہدف رہا ہے۔اس جدید تعلیم یافتہ طبقے کے عقیدے کی حفاظت کے لیے اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ختمِ نبوت کے حوالے سے انگریزی میں موجود لٹریچر سے لوگوں کو آگاہ کریں اور نئی کتب لکھنے پر توجہ مبذول کریں۔

۵. مطبوعہ مواد کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں لیکن سوشل میڈیا آج کل زیادہ اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے اس لیے مذہبی اسکالرز پر واجب ہے کہ ختمِ نبوت کے تعلق سے اس محاذ پر اٹھنے والے سوالات کے اسی سطح پر تسلی بخش جوابات دیں۔

☆☆☆☆☆

برصغیر کے اردو تفسیری اَدب پر تفسیر مظہری کے اعتقادی اثرات

(ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

منیبہ سرور ☆

ڈاکٹر محمد سعید اختر☆☆

ABSTRACT

Allah u revealed Quran for the reforms of humanity and guarraunteed of its custody and security. He created many scholars in this Ummah for this great purpose. Hazrat Qazi Sana Ullah is the one of them who devoted his whole life for the security of Quranic teachings and commandments. Hazrat Qazi Sana Ullah Pani Patti was a great scholar, juristic, Muhaddith, Justice and Sufi at the same time. For the sake of this holy responsibility and great obligation of security of Quran he wrote Tafseer-e-Mazhari and dedicated it to his greate leader and trainer Hazrat Mirza Mazhar Jan e Janaan. This exeggeration is extent of entire idiologies and academic arts of Hazrat Qazi Sana Ullah Pani Patti. Tafseer-e-Mazhari is a collection of many sciences and arts as for Tafseer and Usool-e-Tafseer, Hadith and Usool-e-Hadith, Fiqh and Usool-e- Fiqh, Linguistics and Sufism. Therefor this is admitted colletion by the scholars and exeggerators in all subcontinent. In this article by the help of Almighty Allah, we have proved that, the written exeggerations in subcontinent after Tafseer-e-Mazhari many of them influenced very much to Tafseer-e-Mazhari. We concentrated upon those Urdu exeggerations that have been written in subcontinent and influenced to the Tafseer-e-Mazhari and took many examples of influences of Tafseer-e-Mazhari pertaining to the faith. So, we gave many examples of influences of Tafseer-e-Mazhari that have been taken by Urdu exeggerations written in subcontinent.

Keywords: The Holy Qur'ān, Qazi Sana Ullah,Tafseer-e-Mazhari

☆پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور

تعارف:

اللہ رب العزت نے سر زمین بر صغیر کو علمی اور روحانی حوالے سے بہت زرخیز بنایا ہے، یہاں بہت سے ایسے جلیل القدر علما و مشائخ پیدا ہوئے جن سے عرب و عجم سمیت لاکھوں مسلمانوں نے صدیوں فائدہ اٹھایا ہے، ایسی ہی عظیم ہستیوں میں سے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں۔ آپ نے جہاں بہت سے موضوعات پہ قلم اٹھاکر امت مسلمہ کو گرانقدر ذخیرہ علمی عطا فرمایا ہے۔ آپ نے تفسیر کے میدان میں انتہائی شاندار و جامع و مانع تفسیر لکھی ہے جس کا نام "تفسیر مظہری" ہے۔ یہ تفسیر درجنوں علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بر صغیر کے بہت سے مفسرین اپنی اپنی تفاسیر میں فقہی، اعتقادی اور لغوی و ادبی حوالے سے مباحث کا بیان کرتے ہوئے تفسیر مظہری سے بطور مرجع خوب استفادہ کرتے ہیں۔ اس آرٹیکل میں ہم بر صغیر کے اردو تفسیری ادب پر تفسیر مظہری کے اعتقادی وکلامی حوالے سے اثرات کا جائزہ لیں گے۔

آدم علیہ السلام کو علم الاسماء دیئے جانے کی حقیقت:

سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے تفصیل سے قصہ آدم کو بیان فرماتے ہوئے حضرت آدم کو علم الاسما (انہیں ہر چیز کا علم عطا فرما دیا تھا) کا ذکر فرمایا۔ علم الاسما اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے تفسیر مظہری سے استفادہ کرتے ہوئے یہ بیان کی ہے کہ آدم علیہ السلام کو علم اجمالی کامل عطا کیا گیا تھا۔ آپ کو ہر اسم و وصف کے ساتھ ایسی نسبتِ کاملہ عطا کی گئی تھی کہ جس جس اسم یا وصف کی طرف آپ متوجہ ہوتے وہی چیز آپ پر منکشف ہو جاتی۔[۱]

اہلِ کتاب صداقتِ رسول ﷺ پر شاہد تھے:

اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾[۲]

---

(۱) دریا آبادی، عبد الماجد، (س۔ن)، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن، کراچی، پاکستان. ۱/ ۹۹

(۲) آل عمران:۹۹

”تم فرماؤاے کتابیو! کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے کوتکوں (برے اعمال، کرتوت) سے بے خبر نہیں۔“

پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا نعمت علی چشتی تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شہداء کے معانی میں سے ایک معنی یہ بھی ہے کہ اے اہل کتاب تم خود اسلام کی حقانیت اور رسول خدا ﷺ کی صداقت کے گواہ ہو لیکن تم گواہ ہونے کے بوجود نہ خود ایمان لاتے ہو اور نہ ہی دوسروں کو مومن بننے دیتے ہو۔[۳]

محبت رسول ﷺ کی شدت کا علامت ایمان ہونا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایاہے

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ............ الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾(۴)

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل مجدہ نے ہر اس بندھن اور رشتے کا ذکر فرمایا ہے جس سے قلب انسانی متعلق ہو جاتا ہے تو حکم یہ دیا جارہا ہے کہ ہر جائز محبت کو اختیار کرناجائز ہے لیکن یہ تمام جائز محبتیں اللہ اور اُسکے رسول ﷺ کی محبت سے بڑھنے نہ پائیں اگر دنیا کے تمام رشتوں اور ناتوں میں سے کسی ایک کی محبت بھی اللہ اور اُسکے رسول کی محبت سے بڑھی تو پھر اللہ کے حکم گرفت کے منتظر ہو جاؤ اور اللہ فسق وفجور کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا اس آیت مبارکہ کے تحت حضرت قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں۔

"قلت: وكمال الدين أن يكون الطبيعة تابعة للشريعة فلا يقتضي الطبع إلا ما يأمره الشريعة"(۵)

ترجمہ: میں یہ کہتا ہوں کہ دین کا کمال یہ ہے کہ طبیعت انسانی شریعت کی تابع ہو جائے اور پھر طبیعت اس چیز کے سوا کچھ طلب نہ کرے جس کا حکم شریعت دیتی ہے۔

اسی طرح حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:

---

(۳) ۱. کرم شاہ، پیر محمد الازہری، (۲۰۱۳ء)، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔ ۱/ ۲۰۶

۲. نعمت علی، محمد، (س۔ن)، تنویر الایمان، مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور، پاکستان. ۱/ ۴۴۸

(۴) التوبہ: ۲۴

(۵) پانی پتی، محمد ثناء اللہ، القاضی، (۲۰۰۷ء)، تفسیر مظہری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان.

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسے اسکے والدین، اولاد اور جمیع انسانیت سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤ اور یہی کمال ایمان ہے یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو تا جب تک صفائے قلب اور نفوس قدسیہ کے حامل اولیا کی صحبت اختیار نہ کی جائے اور یہ آیت مبارکہ اور وہ احادیث جو ہم نے بیان کی ہیں ان سے یہ واجب قرار پاتا ہے کہ مشائخ کی خدمت میں بیٹھ تعلیمات تصوف حاصل کی جائیں"

تفسیر مظہری سے ان ابحاث کو پیر محمد کرم شاہ صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا جلال الدین قادری صاحب نے بھی بیان کیا ہے۔(۶)

تابوتِ سکینہ اور تبرکات انبیاء:

اللہ جل مجدہ حضرت طالوت کی بادشاہی کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾(۷)

اس آیتِ مبارکہ میں سکینہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے تفسیر مظہری سے استفادہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد تبرکات انبیاء ہیں۔[۸]

سات آسمانوں کی ہیئت:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں سات آسمانوں کے بنانے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان سات آسمانوں کی ہیئت و شکل کیسی ہے، اس حوالے سے مولانا عبد الماجد دریا آبادی تفسیر مظہری سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '' صاحبِ تفسیر مظہری

---

(۶)۱. ضیاء القرآن، ۲/ ۱۹۰

۲. مفتی شفیع، محمد، (۲۰۱۶ء)، معارف القرآن، ادارۃ معارف القرآن، کراچی، پاکستان۔ ۴ / ۳۴۲

۳. جلال الدین، محمد قادری، (س۔ن)، احکام القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان. ۴ / ۱۰۳

(۷)سورۃ البقرۃ : ۲۴۸

(۸) طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، تفسیر منہاج القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان .

نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بیان کیا کہ عرش اور اس کے اندر جتنے بھی سماوات ہیں سب کے سب کروی شکل کے ہیں، اور اللہ تعالی کا عرش ساری زمین کو محیط ہے۔"[۹]

سابقہ رسل کو بھی جھٹلایا گیا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾(۱۰)

"تو اے محبوب! اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے"[۱۱]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سابقہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بھی جھٹلایا گیا۔ آیت مبارکہ میں بینات، زبر اور کتاب سے کیا مراد ہے؟ محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا نعمت علی چشتی تفسیر مظہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ بینات سے مراد معجزات اور عقلی دلائل ہیں۔ اور زبر جمع ہے زبور کی اسکا معنی وعظ و نصیحت ہے۔ اور کتاب سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں احکام شریعت ہوں۔ (۱۲)

اہانتِ رسول ﷺ کفر اور لعنتِ خداوندی کا باعث:

ایمان کی بنیاد و اساس ادب رسول ﷺ ہے جبکہ رسول اللہ کی ادنی سی اہانت کفر اور لعنت خداوندی کا باعث ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

---

(۹) تفسیر ماجدی، ۱/ ۹۳

(۱۰) سورۃ آل عمران، ۳/ ۱۸۴

(۱۱) آل عمران: ۱۸۴

(۱۲) ضیاء القرآن، ۱/ ۳۰۳، تنویر الایمان، ۱/ ۵۱۷

"کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا"(۱۳)

یہود اپنی خست طبعی کے باعث رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے ادبیاں کرتے حضور سید دو عالم کی بارگاہ میں بات کرتے ہوئے ایسے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے جن میں مدح وذم دونوں پہلو موجود ہوتے اور پھر ان کی ادائیگی ایسے طریقے سے کرتے جن سے ذم کا پہلوں نمایاں ہوتا اور اگر انہیں روکا جاتا تو فوراً کہتے کہ نہیں نہیں ہمارا مدعا تو مدح تھا۔ رسول اللہ ﷺ اگر کوئی حکم دیتے تو سمعنا جہرا کہتے اور اسی سانس میں خفتگی سے و عصینا بھی کہہ دیتے۔ اسی طرح غیر سمع کے بھی دو مفاہیم ہیں۔ ایک دعا کے لیے وہاں یہ معنی بنتا کہ آپ کو کوئی ناگوار بات نہ سننی پڑے اور یہ کلمہ کسی کے خلاف دعا کے لیے بھی استعمال ہوتا۔ اور وہاں معنی یہ بھی بنتا کہ معاذ اللہ آپ کچھ بھی نہ سُن سکیں۔ اور جب یہود یہ لفظ بولتے تو مفہوم ثانی مراد لیتے اسی طرح راعنا کہتے وقت زبان کو تھوڑا سا لچک دیتے ہوئے ذرا لمبا کر کے پڑھتے تاکہ وہ راعینا بن جائے۔ چنانچہ ان کے اعمال اور اہانتوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت نازل فرمائی اور ان کے کفر پر مہر ثبت کر دی۔ یہ خلاصہ تفسیر مظہری کے حوالے سے صاحب ضیاء القرآن اور صاحب تنویر الایمان مولانا نعمت علی چشتی صاحب نے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ ہم نے عرض کیا ہے۔(۱۴)

تورات وانجیل میں صفاتِ مصطفی ﷺ کا ذکر:

اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(۱۵)

---

(۱۳)النساء:۴۶

(۱۴)ضیاء القرآن، ۱/۳۵۰، تنویر الایمان،۱/۵۷۹

(۱۵) الأعراف: ۱۵۷

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر و تشریح میں حضرت قاضی ثناء اللہ نے بہت سی تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔ صاحب معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی استفادہ کیا ہے اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی کے مقروض ہوگئے اور وہ مقررہ وقت سے پہلے آگیا اور مطالبہ کرنے لگ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مہلت مانگی تو اس نے انکار کر دیا حتیٰ کہ اُس نے آپ ﷺ کو دو دنوں کی نمازوں کے لیے اپنے پاس روکے رکھا۔ صحابہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کا عمل دیکھا تو منع فرما دیا اور فرمایا کہ میرے رب نے مجھے منع کیا ہے کہ میں کسی معاہدے پر ظلم کروں۔ اس پر اس یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے معاف فرما دیں۔ میں تو تورات میں لکھی ہوئی آپ کی صفات کو جانچ رہا تھا اور آپ واقعی ان کے حامل ہیں۔(۱٦)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے نازل ہونے کی ہیئات واَشکال:

غزوۂ بدر میں جو کہ حق و باطل کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا، اُس میں اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کی مدد و نصرت کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ علماء نے یہاں واضح کرنا چاہا کہ فرشتے کن کن صورتوں میں نازل ہوئے؟ چنانچہ صاحب تفسیر تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر مظہری سے استفادہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ فرشتے سفید لباس میں ملبوس ہو کر چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور جماعت کی صورت میں نازل ہوئے۔(۱۷)

تفسیر مظہری سے ایسی ہی مرویات کو علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے سورۃ انفال کی تفسیر میں بھی بیان کیا ہے۔(۱۸)

والدین رسول ﷺ مومن تھے:

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾

---

(۱٦) معارف القرآن، ۴/۸۱

(۱۷) سعیدی، غلام رسول، (۲۰۱۳ء)، تبیان القرآن، لاہور، پاکستان۔ ۲/۳۵۴

(۱۸) ضیاء القرآن، ۲/ ۱۴۱

”نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔“(۱۹)

جب انسان مر جاتا ہے تو زندہ لوگوں پر اس مرنے والے کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے بخشش کی دعا کریں تاکہ ان کی طلب بخشش سے اللہ رب العزت اس سے راضی ہو اور اسے معاف فرمادے لیکن مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اس بات سے منع فرمایا کہ جو لوگ حالت کفر و شرک پر مر جائیں ان کے لیے قطعاً بخشش کی دعا نہ کی جائے لیکن اس آیت مبارکہ سے بعض لوگوں یہ استنباط کرنا شروع کر دیا کہ معاذ اللہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کے والدین ایمان کے خلاف ہیں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں۔

”وما يدل على أن الآية نزلت في آمنة أم النبي ﷺ عبد الله أبيه لا يصلح منه شيء“

اور جو کچھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبد اللہ کے خلاف نازل ہوئی تو ایسی روایتوں میں سے کوئی روایت بھی درست نہیں ہے۔"

اس بات کی تائید میں حضرت قاضی صاحب نے بطور دلیل یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے بنی آدم کے ہر بہترین زمانے میں یکے بعد دیگر مبعوث کیا جاتا رہا حتی کہ میں اس زمانے میں مبعوث کر دیا گیا جس میں ہوں"

تفسیر مظہری سے اس بحث کو صاحب ضیاء القرآن نے بھی بیان کیا ہے۔(۲۰)

عقیدہ شفاعت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾

---

(۱۹) التوبہ:۱۱۳

(۲۰) ضیاء القرآن،۲ /۲۵۹

"بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے"(۲۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں ان مشرکین کا رد کیا ہے جنھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مٹی پتھر اور وہ چیزیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں قیامت کے دن انکی شفاعت کریں گے اور بارگاہ ایزدی سے انہیں بخشوا لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرما دیا کہ یہ بت تو خود اندھے بہرے، بے قدرت اور بے اختیار ہیں یہ بھلا تمہاری اللہ کے ہاں شفاعت کیسے کر سکیں گے شفاعت تو اللہ کے ہاں صرف وہی کر سکیں گے جسے اذن شفاعت ملا ہو گا یہاں اللہ رب العزت نے مشرکین کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو بھی غلط فہمی کو دور کر دیا جو سرے سے عقیدہ شفاعت کو مانتے ہی نہیں ہیں۔

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:

"فيه إشارة إلى ثبوت الشفاعة لمن أذن له."

کہ اس آیت میں واضح اشارہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اذن شفاعت دے گا وہ ضرور شفاعت کریں گے۔

اس بحث کا خلاصہ صاحب ضیاء القرآن نے بھی بیان کیا ہے۔(۲۲)

احوال امت پر حضور کا گواہ ہونا:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے یہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، ارے ظالموں پر خدا کی لعنت(۲۳)

---

(۲۱) یونس:۳

(۲۲) ضیاء القرآن،۲/ ۲۷۹

(۲۳) ھود:۱۸

اس آیت مبارکہ میں گواہوں سے مراد انبیاء ورسل ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت ضحاک کے نزدیک یہی تفسیر درست ہے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن المبارک رضی اللہ عنہ جو عظیم اولیا میں سے ہیں اور تبع تابعین کے سرداروں میں سے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں۔

"ليس من يوم إلا وتعرض على النبى ﷺ أمته غدوة وعثية فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهد عليهم"

"ہر روز رسول اللہ ﷺ پر آپ کی امت صبح وشام پیش کی جاتی ہے حضور ان کی چیزوں اور ان کے اعمال کے سبب انہیں پہنچانتے ہیں اور اسی لیے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے "(۲۴)

نبی علیہ السلام کا کتمانِ سر اطلاع علی الغیب کی نفی نہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے رسولوں کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع فرمایا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور چنے ہوئے رسول مطلع علی الغیب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے سورۃ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾

”اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیز گاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے“(۲۵)

اسی طرح سورہ جن میں ارشاد فرمایا:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾

(۲۴) ضیاء القرآن،۲ /۳۵۱

(۲۵) آل عمران:۱۷۹

"غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے"(۲۶)

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسولوں کو غیب پر اطلاع عطا فرماتا ہے۔ بعض اوقات رسول حکمت کے پیش نظر حقیقت کو عیاں نہیں کرتے اس کتمان راز کا ہرگز یہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ رسول جانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔

﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

"پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ کرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں (دیکھنے لگیں) کہ میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے"(۲۷)

پس یہ آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی راز یوسف کو چھپائے رکھنا جہاں آپکے صبر کی انتہا ہے وہاں آپکے علم کی نفی نہیں ہے۔

درج بالا بحث تفسیر مظہری سے خلاصتہ ذکر کی گئی ہے اس کو صاحب ضیاء القرآن نے اختیار کیا ہے۔(۲۸)

سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم میں فرق:

سجدہ عبادت وہ سجدہ ہے جو عبادت کی غرض سے کیا جائے اور سجدہ تعظیم وہ سجدہ ہے جو فقط تعظیم کی خاطر کسی کو کیا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، انکی زوجہ اور انکے گیارہ بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔

﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

---

(۲۶) الجن:۲۶-۲۷

(۲۷) یوسف:۹۶

(۲۸) ضیاء القرآن،۲/۴۵۸

"اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں گرے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا، اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی، بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کردے بیشک وہی علم و حکمت والا ہے"(۲۹)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن حضرت قاضی ثناء اللہ نے واضح کیا ہے کہ یہ سجدہ حضرت یوسف ہی کو کیا گیا تھا جیسے آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ لیکن یہ سجود عبادت نہ تھے بلکہ سجود تعظیم تھے جو پہلی شریعتوں میں جائز تھے لیکن حضور سید دو عالم ﷺ کی آمد مبارک کے ساتھ ہی یہ بھی حرام کر دیے گئے تفسیر مظہری سے ان دلائل کو پیر کرم شاہ صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔(۳۰)

تقدیر اور اُسکی اقسام:

اللہ تعالیٰ کا اپنے اندازہ کامل سے جمیع مخلوقات کے احوال و اعمال کو پہلے سے لکھ دینا تقدیر کہلاتا ہے۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔(۱) معلق اور (۲) مبرم۔ تقدیر معلق وہ تقدیر ہے جس کے واقع ہونے کے لیے اسے کسی دوسری شے کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ کہ اگر یہ کام ہو تو نتیجتاً یہ بھی ہو گا اور اگر یہ کام نہ ہوا تو نتیجتاً اس کا اثر بھی ظاہر نہیں ہو گا کبھی اس تقدیر کا معلق ہونا لوح محفوظ پر ظاہر ہوتا ہے کبھی نہیں۔ یعنی کبھی یہ صرف علم الٰہی میں ہی معلق ہوتی ہے جبکہ دوسری تقدیر مبرم ہے اس کو پختہ تقدیر کہتے ہیں۔ یہ کسی امر کے ساتھ مشروط نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے ہیں اس میں تغیر و تحریف کی گنجائش نہیں ہوتی اور اسی کو ہی قضائے لایرد کہتے ہیں حضرت پانی پتی اس حوالے سے ایک واقعہ رقم کرتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کشف کر کے دیکھا کہ ان کے دونوں صاحبزادوں محمد سعید اور محمد معصوم رحمہ اللہ کے استاد ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر بدبخت لکھا ہوا ہے آپ نے بچوں سے اس امر کا تذکرہ کیا تو اولاد نے بہت اصرار کیا کہ آپ دعا کریں کہ یہ کلمہ شقی سے سعید میں بدل جائے چنانچہ فرماتے ہیں میں نے لوح محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی آپ نے پھر اولاد کو آگاہ کیا انہوں نے پھر اصرار کیا تو آپ فرماتے ہیں مجھے حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا قول یاد آیا کہ آپ نے فرمایا "إن

---

(۲۹) یوسف:۱۰۰

(۳۰) ضیاء القرآن، ۲/ ۴۵۹

القضاء المبرم یرد بدعوتي''میری دعا سے قضائے مبرم بھی ٹل جاتی ہے تو فرماتے ہیں میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی"

"اے اللہ! تیری رحمت بڑی وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر مقتصر نہیں، میں بڑی امید سے تجھے پکار رہا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضل عمیم سے میری دعا قبول فرما اور ملا طاہر کی پیشانی پر سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرما جس طرح تو نے غوث الثقلین محی الدین حضرت عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی تھی"

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں اس دن کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے اللہ تعالیٰ نے شقی کا لفظ مٹا دیا اور سعید کا لفظ لکھ دیا۔ درج بالا بحث کو تفسیر مظہری سے خلاصتہ ذکر کیا گیا ہے اور اس کو پیر کرم شاہ صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔(۳۱)

اللہ تعالی کا حیاتِ مصطفیٰ ﷺ کی قسم اٹھانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾

اے محبوب تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں(۳۲)

حضرت قاضی صاحب نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا علیھم السلام میں سے صرف حیات مصطفیٰ ﷺ کی قسم کھائی ہے اور اس پر آپ حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول بھی بیان فرماتے ہیں۔(۳۳)

"ما خلق الله نفسا أكرم عليه من محمد ﷺ وما أقسم بحياة أحد إلا بحياته"

''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر نہ کسی کو مکرم بنایا ہے اور نہ ہی آپ کے سوا کسی اور کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔''

---

(۳۱) ضیاء القرآن،۲/ ۴۹۷ - ۴۹۰

(۳۲) الحجر:۷۲

(۳۳) ضیاء القرآن،۲/۵۴۳

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب ضیاء القرآن نے بھی تفسیر مظہری سے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ (۳۴)

عقیدہ بعث بعد الموت:

ہر مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت مرنے کے بعد سب مخلوقات کو یوم قیامت پھر سے زندہ فرمائے گا اور ان کا حساب کر کے ان کے لیے جزا اور سزا کا حکم جاری فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے اس قدر عظیم مخلوق انسان کو ایک قطرہ نطفہ سے پیدا فرمایا اور اس میں جمیع مخلوقات سے بڑھ کر اپنی نیابت کی صلاحیتیں رکھیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان نہ اپنی اصل کی طرف غور کرتا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد جو کچھ اس کے ساتھ ہونے والا ہے اس میں غور وفکر کرتا ہے ایک دن ابی بن ابی خلف رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کیا آپ اس ہڈی کے بارے میں ہمیں کہتے ہیں کہ یہ زندہ ہو جائے گی یہ کیسے ممکن ہے؟ تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾

"(اس نے) آدمی کو ایک نتھری بوند سے بنایا تو جبھی کھلا جھگڑالو ہے۔"(۳۵)

رضائے الٰہی اور مشیت الٰہی میں فرق:

رضائے الٰہی اور مشیت الٰہی میں فرق بیان کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب بیان فرتے ہیں کہ مشرکین مکہ جب رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ دلائل توحید کے آگے عاجز آگئے تو کہنے لگے تم جو کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی بھی امر کائنات اس کے امر کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا اور وہ شرک کو ناپسند بھی کرتا ہے تو پھر اگر ہمارا شرک کرنا اسے ناپسند ہوتا تو وہ ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو شرک سے روک نہ دیتا تو اللہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾

"اور مشرک بولے اللہ چاہتا تو اس کے سوا کچھ نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس سے جدا ہو کر ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے جیسا ہی ان سے اگلوں نے کیا تو رسولوں پر کیا ہے مگر صاف پہنچا دینا"(۳۶)

---

(۳۴) ایضا ۲ /۵۴۶

(۳۵) النحل:۴

اس آیت مبارکہ میں بتایا یہ جارہاہے کہ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو یہ کوئی پہلی دفعہ نہیں کہی جارہی بلکہ تم سے پہلی بھی جو قومیں ہوئیں وہ بھی دلائل توحید کے آگے جب عاجز آجائیں تھیں تو وہ یہی کہتیں تھیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم مومن اور موحد نہ بن جاتے۔

اصل میں جس طرح وہ نادان اللہ کی رضا اور مشیت میں فرق نہ کرسکے اسی طرح تم بھی رضائے الٰہی اور مشیت الٰہی میں فرق نہیں کرپارہے۔ چنانچہ حضرت امام مظہری فرماتے ہیں:

"پہلوں نے بھی ان دونوں چیزوں میں شبہات کی وجہ سے ٹھوکر کھائی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی مشیت لازم و ملزوم چیز ہے جبکہ حقیقت یوں نہیں ہے۔"

اگر اللہ تعالیٰ تمہیں مجبور کرکے توحید قبول کروادیتا تو اس طرح پھر ایک جانور اور انسان میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ یہی چیز تو انسان کو عظیم بناتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا اور رسل کے ذریعے سے جب انسان کے سامنے حق اور باطل کو واضح فرمادیا اور پھر اس کو اختیار دیاہے کہ ان دونوں میں سے جو اختیار کرنا چاہے اختیار کرسکتا ہے تو اسی سے انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ خیر کی طرف جاتا ہے یا شر کی طرف۔ جبکہ جہاں تک رضائے الٰہی ہے تو وہ راضی بے شک توحید میں ہی ہوتا ہے لیکن اس نے ہر انسان کو اپنی مشیت کے ساتھ اختیار کا حق دیاہے۔ مذکورہ بالا بحث کو صاحب ضیاء القرآن نے بھی تفسیر مظہری کے حوالے سے بیان کیاہے۔(۳۷)

من دون اللہ کا مفہوم:

انبیا اور اولیا کے احترام اور ان کی محبت کو من دون اللہ کے تصور میں لے کر اُسے شرک قرار دینا کم علمی و نا فہمی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے من دون اللہ کا لفظ جہاں بھی استعمال فرمایاہے اس سے مراد غیر اللہ کی عبادت ہے نہ کہ محض محبت و تعظیم۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایاہے۔

﴿وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ﴾

(۳۶) النحل:۳۵

(۳۷) ضیاء القرآن، ۲/ ۵۶۸

اور شرک کرنے والے جب اپنے شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے شریک کہ ہم تیرے سوا پوجتے تھے، تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم بیشک جھوٹے ہو(۳۸)

صاحب تفسیر مظہری واضح فرماتے ہیں کہ 'من دونک' سے مراد ہے:

''أربابا نعبدهم''

یہ وہ ہمارے رب ہیں جنھیں ہم تیرے سوا پوجا کرتے تھے"

من دون اللہ کا یہی معنی تمام مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور صاحب ضیاء القرآن نے بھی تفسیر مظہری سے یہی معنی بیان کیا ہے۔(۳۹)

ما اُھل بہ لغیر اللہ کا صحیح مفہوم:

ماأهل به لغیر اللہ کا درست مفہوم کیا ہے؟ اس حوالے سے قاضی ثناءاللہ فصاحت وبلاغت کے امام حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول نقل کرتے ہیں:

''إذا أسمعتم إلى هود والنصارى يهلون لغير الله فلا تأكلوا إذا لم تسمعوهم، فكلوا فإن الله قد أحل ذبا ئحهم وهو يعلم ما يقولون''

''جب تم یہود و نصاری کو سنو کہ وہ ذبح کرتے ہوئے غیر اللہ کا نام لیتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اگر سنا نہ ہو تو کھا لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحے کو حلال کیا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے جو وہ کہتے ہیں''

اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عباس حضرت مجاہد اور علامہ ابن منظور امریقی نے بھی اُھل کا معنی ذبح مراد لیا ہے۔ اسی طرح حضرت قاضی صاحب حضرت ربیع بن انس کا قول بیان کرتے ہیں۔

قال الربيع بن أنس يعني ما ذكر عند ذبحه اسم غير الله حتى قيل لكل ذابح مهل وإن لم يجهر مهل.

---

(۳۸) النحل:۸۶

(۳۹) ضیاء القرآن، ۲/ ۵۹۴

”ربیع بن انس نے کہا اِہلال سے یاما اُھل لغیر اللہ بہ سے مراد وہ جانور ہے جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے یہاں تک کہ کہا گیا ہر ذبح کرنے والا مھل ہے چاہیے اس نے آواز بلند نہ بھی کی“

تفسیر مظہری سے ان ابحاث کو پیر کرم شاہ صاحب نے بھی بیان کیا ہے۔(۴۰)

برکت کا شرعی تصور:

اسلام میں مقدس شخصیات، مقامات اور انکے متروکات سے برکت حاصل کرنا مستحب و مستحسن قرار دیا گیا ہے۔اوراس پر قرآن پاک کی متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی کثیر روایات دلالت کرتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا﴾(۴۱)

”اور اسی طرح ہم نے ان کی اطلاع کر دی کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں، جب وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ، ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے، وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے“

اس آیت مبارکہ کے تحت حضرت قاضی صاحب نے واضح کیا ہے اس آیت مبارکہ سے تبرک کا مستحسن ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور کے قریب برکت حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنانا تاکہ اس میں نماز پڑھی جائے جائز ہے۔ اور اس حدیث کا معنی جس میں یہود پر لعنت کی گئی کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبور کو مساجد بنا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبور کو سجدے کرتے تھے جیسا کہ حدیث ابو مرثد الغنوی سے واضح ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبروں کے اوپر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔"

---

(۴۰) ضیاء القرآن،۲/۶۱۱

(۴۱) الکھف:۲۱

حضرت قاضی صاحب کے اس مؤقف کو پیر کرم شاہ صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔(۴۲)

نسبت صالحین کی افادیت:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ کہف کی آیت نمبر ۸۲ میں حضرت موسیٰ و حضرت علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے دو یتیم بچوں کی دیوار کا تذکرہ فرمایا جن کا باپ صالح تھا اور وہ بچے بچپن میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے تھے پس حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ ملا کر ان کی دیوار کو تعمیر کر دیا۔ پس اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے تحت حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کی صالحیت اور تقوی کے باعث اس کی اولاد، اولاد کی اولاد اور اسکے خاندان کی حفاظت فرماتا ہے"

حضرت قاضی صاحب نے واضح کی ہے کہ ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے ایک نیک بندے کی نیکی کے باعث اسکی سات پشتوں تک کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان ابحاث کو تفسیر مظہری کے حوالے سے صاحب ضیاء القرآن نے بھی بیان فرمایا ہے۔(۴۳)

رسول اللہ ﷺ کا اقرار عبدیت کا سبب:

اللہ تعالیٰ نے خود رسول پاک ﷺ کو اقرار عبدیت کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

"تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"(۴۴)

اس آیت مبارکہ کی توضیح و تشریح میں علمانے بیان فرمایا ہے کہ یہ اعلان کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو اس لیے دیا گیا کیونکہ دیگر انبیاء نے جب چند معجزے دکھائے تو لوگوں نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

---

(۴۲) ضیاء القرآن، ۳ /۲۱

(۴۳) ضیاء القرآن، ۳ /۴۵

(۴۴) الکھف:۱۱۰

السلام نے جب چند معجزات دکھائے تو ان کی امت نے انہیں خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا تک کہنا شروع کر دیا اس لیے حضرت محمد ﷺ کو اظہار عاجزی کا، تواضع اور اظہار عبدیت و بشریت کے لیے اعلان کا حکم دیا گیا تاکہ اسطرح فتنوں کو روز اول سے ہی جڑ سے کاٹ دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات تمام انبیا و رسل سے زیادہ ہیں اس لیے سارے کمالات کا اظہار کرنے کے بعد جب آپ نے اظہار عبدیت کیا تو انصاری و یہود جیسی گمراہی کبھی اس امت میں داخل نہیں ہوگی۔ درج بالا بحث کی تائید میں حضرت قاضی صاحب حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما کا قول بھی لائے ہیں۔ جس کا مفہوم بھی یہی ہے جس کو ہم نے مافوق بیان کیا ہے۔ اظہار عبدیت کے سبب کو بیان کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن نے بھی اسی بحث کو لکھا ہے۔(۴۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا ذکر کیا ہے تو وہاں آذر ہی کو آپ کا باپ قرار دیا جیسا کہ سورہ شعرا میں ہے۔ حضرت قاضی صاحب واضح فرماتے ہیں۔

"یہاں باپ سے مراد آذر ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے باپ اس لیے کہا کیونکہ وہ آپ کا چچا تھا اور اس نے آپ کی پرورش کی تھی"

حضرت امام مظہری فرماتے ہیں کہ قرآن پاک نے آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار نہیں دیا بلکہ باپ کہا اور یہ عرب میں رواج تھا کہ چچا کے لیے بھی باپ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾(۴۶)

تو معلوم ہوا کہ عرب چچا کے لیے بھی اَب کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ درج بالا بحث سے پیر محمد کرم شاہ صاحب نے بھی استفادہ کیا ہے۔(۴۷)

---

(۴۵) ضیاء القرآن،۳/ ۵۷

(۴۶) البقرۃ:۱۳۳

(۴۷) ضیاء القرآن، ۳/ ۳۹۷

نور نبوت کی منتقلی:

حضور سید دو عالم ﷺ کا نور نبوت مشیت الٰہی سے حضرت آدم سے لے کر ان کے ظہور تک ہر اچھی اور پاکیزہ نسل میں منتقل ہوتا رہا اور یہ نور نبوت نکاح کے ذریع منتقل ہوتا رہا نہ کہ سفاح یعنی بدکاری کے ذریعے۔ حضرت قاضی العثمانی صاحب اس بات کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب نسل انسانی دو حصوں میں بٹی تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس نسل میں سے کیا جو ان دونوں سے بہتر تھی۔ میری اپنے والدین کے ہاں ولادت ہوئی اس حال میں کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے ملوث نہیں کیا۔ آدم (علیہ السلام) سے لے کر اپنے والدین تک میرے اجداد اور جدات میں سے کوئی بھی بدکاری سے متولد نہیں ہوا میں تم سے اپنی ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں اور اپنے آباء کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں"

حضرت قاضی کی اس موقع کے حوالے سے بیان کردہ حدیث اور اس موقف کو صاحب ضیاء القرآن نے بھی اختیار کیا ہے۔(۴۸)

مقربین کا روزِ قیامت خوف سے مأمون ہونا:

اللہ تعالی نے سورۃ نمل کی آیت نمبر ۸۷ میں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ﴾(۴۹)

یہاں سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب خوف زدہ ہو جائے گا مگر وہ لوگ خوف زدہ نہیں ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالی چاہے گا کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں متعدد آیات و اَحادیث لاتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جنہیں کوئی خوف نہیں ہو گا وہ انبیاء، ملائکہ اور اولیاء اللہ ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

---

(۴۸) ضیاء القرآن، ۳ / ۴۲۲

(۴۹) سورۃ نمل، ۲۷/ ۸۷

''لا يفزعون البتة''

صاحبِ ضیاء القرآن نے بھی تفسیرِ مظہری کے اس موقف کی تائید کی ہے۔(۵۰)

مغیباتِ خمسہ اور علمِ نبوت:

اللہ تبارک وتعالی نے سورۃ لقمان میں ایسی پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کو مغیبات خمسہ کہا جاتا ہے اور ان کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(۵۱)

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ مغیبات خمسہ وہ ہیں جن کو مخلوق میں سے کوئی بھی بذاتِ خود کوئی بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالی ان مغیبات پر اپنے خواص کو مطلع فرما دیتا ہے۔ یہ بات کثیر روایات سے ثابت ہے جیسا کہ امام قرطبی نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے اس قول کو بیان کیا ہے جس میں یہ ہے کہ یہ وہ پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی بذاتِ خود کوئی مقرب فرشتہ انہیں جانتا ہے اور نہ ہی نبی مرسل بذاتِ خود جانتا ہے۔ پس جس نے یہ دعوی کیا کہ وہ ان میں کسی چیز کو جانتا ہے تو اس نے کفر قرآن کیا کیونکہ اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالی کی اطلاع سے ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور حقیقت میں اس آیت میں کاہنوں نجومیوں اور جو بارش کے نزول کو ستاروں کا اثر مانتے ہیں ان کی تردید کی گئی ہے۔(۵۲)

قاضی ثناء اللہ نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ اس آیت میں علم کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور درایت کی نسبت بندے کی طرف ہے۔ کیونکہ درایت ایسا علم ہوتا ہے تو غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے پس یہ واضح ہو گیا کہ مغیباتِ خمسہ کا علم غور و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے حصول کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل و احسان سے اپنے رسولوں اور خواص میں سے انہیں مطلع فرما دے۔

---

(۵۰) ضیاء القرآن، ۳/ ۴۶۸

(۵۱) لقمان،۳۱/۳۴

(۵۲) قرطبی، تفيسر قرطبي، ۱۴/۸۲

تفسیر مظہری میں بیان کردہ ان عقائد کو تائیدًا تفسیر ضیاء القرآن میں بیان کیا گیا ہے۔(۵۳)

انسان کی دو موتوں کی حقیقت:

اللہ کریم نے قیامت والے دن کفار کے اَحوال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہیں گے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ﴾ (۵۴)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں کہ ان دو موتوں اور دو زندگیوں سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ علامہ غلام رسول سعیدی نے تفسیر مظہری سے استفادہ کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو نطفہ کی صورت میں اُن کے آباء کی پشت میں رکھا یہ پہلی موت کی شکل تھی کہ وہ وہاں مردہ حالت میں تھے۔ پھر ان کو زندگی دے کر دنیا میں بھیجا۔ پھر ان کو موت دی اور پھر قیامت والے دن ان کو زندہ کرے گا۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس قول کو تفسیرِ مظہری سے نقل کیا ہے۔(۵۵)

لفظِ ”ذنب“ کی رسول اللہ کی طرف نسبت اور اس کی حقیقت:

اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی رفعت شان کے لیے بیان فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾(۵۶)

اس آیت مبارکہ میں مغفرت ذنب سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کے ظاہرًا صادر ہونے والے خلافِ اولی کام معاف فرما دیئے۔ صاحب تفسیر تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بھی اس معنی کو اختیار کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ تفسیرِ مظہری سے علامہ غلام رسول سعیدی ایک اور قول بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ عطاء خراسانی نے کہا کہ:”مَا تَقَدَّمَ“ سے مراد آپ کے

---

(۵۳) ضیاء القرآن، ۳/۶۲۰

(۵۴) سورۃ مؤمن، ۴۰/۱۱

(۵۵) تبیان القرآن، ۱۰/۳۳۱

(۵۶) سورۃ الفتح، ۴۸/ ۱-۲

والدین ہیں اور ''مَا تَأَخَّرَ'' سے مراد آپ کی امت ہے۔لیکن علامہ سعیدی نے اس قول سے اختلاف کیا ہے۔علامہ غلام رسول سعیدی نے یہ اقوال تفسیر مظہری سے استفادۃً بیان کیے ہیں۔(۵۷)

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ تفسیر مظہری بہت ساری جہات خصوصا اعتقادی مباحث کے حوالے سے اردو تفسیری ادب پر گہرے اثرات رکھتی ہے،یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں اردو تفسیری ادب کے مفسرین نے اس تفسیر ذیشان سے خوب استفادہ کیا ہے۔یہ تفسیر جہاں متقدمین کے افکار کے ساتھ تطابق و توافق رکھتی ہے دورِ حاضر کے کئی مسائل اس تفسیر کی روشنی میں حل کیے جاسکتے ہیں۔اس کے علاوہ عصر حاضر کے کئی علماء نے اس تفسیر کو اپنی کتب میں مرجع کی حیثیت دی ہے اور کثرت سے اس کا ذکر کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم۔

۲. پانی پتی، محمد ثناء اللہ، القاضی،(۲۰۰۷ء)، تفسیر مظہری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان.

۳. تھانوی، مولانا اشرف علی،(س.ن)، بیان القرآن، ادارہ تفسیر القرآن، دہلی، ہند

۴. جلال الدین، محمد قادری،(س۔ن)، اَحکام القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

۵. دریاآبادی، عبد الماجد،(س۔ن)، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن، کراچی، پاکستان

۶. کاندھلوی، محمد اِدریس،(۲۰۰۶ء)، معارف القرآن / تفسیر کاندھلوی، قرآن محل پبلشرز، لاہور، پاکستان

۷. کاندھلوی، محمد ادریس کاندھلوی،(۱۴۱۹ھ)، معارف القرآن، مکتبہ المعارف، سندھ، پاکستان

۸. کرم شاہ، پیر محمد الازہری،(۲۰۱۳ء)، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

۹. مفتی شفیع، محمد،(۲۰۱۶ء)، معارف القرآن، ادارۃ معارف القرآن، کراچی، پاکستان۔

۱۰. نعمت علی، محمد،(س۔ن)، تنویر الایمان، مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور، پاکستان

---

(۵۷) تبیان القرآن، ۱۱/۲۰۴

اہل کتاب سے قرآن حکیم کے اسالیب مخاطبت

☆ ڈاکٹر حافظ محمد سرور جماعتی

☆☆ ڈاکٹر شمشاد اختر

ABSTRACT

From the study of history, it becomes clear that there had been two classes amongst people, during the time of revelation of Qur'an. The people of the Book; who believed in God, the prophets and the heavenly scriptures revealed to them. Contrary to them were those who did not believe in one God the divine law. Most of them adopted the path of disbelief and polytheism and became astrologers, arsonists and idolaters. The Holy Quran addresses the people of the Book in a special way of honoring and reforming their beliefs. The same is focused in the following study.

Keywords: People of the Book, Monotheism, Polytheistic Belief

ابتدائیہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ نزول قرآن اور بعثت محمدی ﷺ سے قبل پوری تاریخ انسانی میں دو طرح کے طبقات موجود رہے ہیں۔ایک وہ جو اپنے اپنے زمانے میں مبعوث ہونے والے انبیاء ورسل پر اور ان پر نازل ہونے والی آسمانی کتب وصحائف پر ایمان لائے،ان کے ذریعے ملنے والے احکامِ شریعت اور تعلیمات پر عمل کرتے اور ملت توحید پر قائم رہے۔دوسرے طبقے میں وہ لوگ شامل تھے جو کسی نبی یارسول پر ایمان نہ لائے،نہ کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ کو مانا،نہ ہی آسمانی شریعت کو قبول کیا،بلکہ انہوں نے توحید کے بجائے کفر وشرک کی راہ کو اپنایا،یہی لوگ سورج پرست،ستارہ پرست،آتش پرست اور بت پرست ٹھہرے۔

قرآنی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دو طرح کے لوگوں کے ساتھ قرآن کا طرز تخاطب،الگ طرح کا ہے۔قرآن نے اول الذکر طبقے کو اہل کتاب کا نام دیا ہے،اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے،اسلوب ایسا اختیار کیا ہے جس سے ان

☆ لیکچرار،دی کالج آف لاء،نارووال

☆☆ لیکچرار،پنجاب گروپ آف کالجز،سیالکوٹ

کو اپنی کتب اور انبیائے کرام کی اصل تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے یا تشویق پیدا ہو۔ قرآن کے اس اسلوب کا مطالعہ ذیل میں پیش نظر ہے۔

اہلِ کتاب (People of the Book) کون؟

قرآن حکیم میں اہل کتاب ایسے گروہوں کو کہا گیا ہے جو آسمانی کتب اور شرائع کو ماننے والے تھے، یعنی یہود (Jews) اور نصاریٰ (Christians) ۔یہود اہل تورات اور امت موسوی تھے جب کہ نصاریٰ اہل انجیل اور امت عیسوی۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾(۱)

" اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے متعلق مگر سچی بات۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

﴿أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ﴾(۲)

"قرآن اس لیے نازل کیا ہے) کہ تم کہیں یہ (نہ) کہو کہ بس (آسمانی) کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی تھی اور بے شک ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔"

اس آیت سے قبل کا سارا ذکر یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے۔ اسی طرح، قرآن نے جہاں بھی اہل کتاب کا ذکر فرمایا ہے، وہاں سیاق وسباق سے واضح ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی کے دونوں گروہ ہی مراد ہیں۔

الماتریدي (۸۵۳ء-۹۴۴ء) اپنی تفسیر تاویلات اھل السنۃ میں اس امر کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"فَالمَجُوسِيَّةُ لَيستْ عِندَنَا مِن أهلِ الكِتَابِ، وَالدَّلِيلُ عَلى ذَالِکَ قَولُ الله تَعَالىٰ ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَO أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ﴾[۳] ، فَأَخبَرَ الله تَعَالىٰ اِنَّ اَهْلَ

(۱) النساء۴/۱۷۱

(۲) الانعام۶/۱۵۶

(۳) ایضاً

الكِتَابِ طَائِفتَانِ ،فَلَا يَجُوزُ اَن يَّجعَلُوا ثَلَاثَ طَوَائِفِ، وَذَالِكَ خِلَافُ مَا دَلَّ عَلَيه القرآن۔"(1)

" پس مجوسی ہمارے نزدیک اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔(اور یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے سو (اب) تم اس کی پیروی کیا کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(قرآن اس لیے نازل کیا ہے) کہ تم کہیں یہ (نہ) کہو کہ بس (آسمانی) کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی تھی اور بے شک ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے) گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں بتلادیا کہ اہل کتاب صرف دو گروہ ہیں۔لہٰذا ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین گروہ بنائیں کیوں کہ یہ اس امر کے خلاف ہو گا جو قرآن نے بتلایا ہے۔"

علامہ ابنِ کثیر (۱۳۰۱ء-۱۳۷۳ء) تفسیر القرآن العظیم میں لکھتے ہیں کہ:

"قال علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس: هم اليهود والنصارى وكذا قال مجاهد، والسدي، وقتادة، وغير واحد"(2)

"علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ طائفتین سے مراد یہود و نصاریٰ کے دو گروہ ہیں اور انہیں کو اہل کتاب کہا جاتا ہے۔اسی طرح مجاہد، سدی اور قتادہ سے بھی روایت ہے۔اور وہ اس میں منفرد ہیں۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۷۳۰ء- ۱۸۱۰ء) نے تفسیر مظهري میں اہل کتاب صرف یہود و نصاریٰ کو قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ:

"إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنا يعنى اليهود والنصارى والاختصاص بانما لأن الباقي المشهور من الكتب السماوية حينئذ لم يكن غير التورية والإنجيل"(3)

---

(۱) الماتريدي، ابو منصور، امام، تاویلات اهل السنة، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۳/ ۴۶۳

(۲) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، (۱۹۸۰ء)، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، لبنان، دار المعرفۃ۔ ۳/ ۳۷۰

(۳) پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، (۲۰۰۴ء)، تفسیر مظہری، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔ ۳/ ۳۰۸

''طائفتین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہاں انما کے ساتھ اختصاص (قصر) کیا گیا کیونکہ سماوی کتب میں سے مشہور کتابیں تورات اور انجیل کے علاوہ موجود نہ تھیں۔''

اس لیے تورات اور انجیل کی نسبت سے انہیں مومنین بالکتاب(Believers of the Book) کہا جاتا ہے۔ جب کہ باقی طبقات مذاہب کو غیر مؤمنین (Non-believers) میں شمار کیا جاتا ہے۔ تاہم قرآن میں بعض ایسی مذہبی شخصیات مذکور ہیں، جن کا اہل کتاب ہونا واضح نہیں لیکن ان کو غیر مومن بھی نہیں کہا جاسکتا۔ گویا، ایسی شخصیات کا کتاب اور مذہب پر ایمان موجود تھا مگر ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاتا۔

مثال کے طور پر ایک شخصیت زردشت کی ہے، جن سے منسوب اوستا(Avesta) کی کتاب اور مجوسی مذہب ہے۔ زرتشت کا ذکر قرآن میں براہ راست نہیں آیا۔ جب کہ اس مذہب کے پیروکاروں کے مطابق زرتشت اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔(۱) اس تصور کی تصدیق، قرآنی آیات سے نہیں ہوتی، تاہم زرتشتی مذہب کے بنیادی عقیدے دو خداؤں کی طرف قرآن میں الٰهین اثنین کا اشارہ موجود ہے۔(۲) دوسری مثال ذوالقرنین کی ہے۔ تاریخی طور پر اس بادشاہ کو زرتشت کا پیروکار مانا جاتا ہے۔(۳) جب کہ قرآن نے ذوالقرنین کے ایمان کی تصدیق کی ہے۔(۴)

اسی طرح بعض مقدس مذہبی کتب بھی ایسی ہیں جن کے مضامین اور بعض دوسرے نکات کی بنیاد پر الہامی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہندوؤں کی مذہبی کتابیں ''پران اور اپنشد'' ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ (۱۹۹۸-۲۰۰۲ء) کے بقول ان کتب کو الہامی مانا جا سکتا ہے۔ وہ اس لیے کہ ''پران'' لفظ پرانی یا قدیم کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور قرآن نے پرانے صحیفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لفظ '' زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ'' (یعنی پرانے لوگوں کی کتابیں) استعمال کیا ہے۔(۵) دوسرے لفظوں میں ہندوؤں کو بھی ایک معنیٰ میں اہل کتاب کہا جاسکتا ہے، لیکن براہ راست کسی نص قرآنی کے ذیل میں ایسا نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) حمید اللہ، ڈاکٹر، (۱۹۸۵ء)، خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ ص:۹

(۲) النحل، ۱۶/ ۵۱، الکهف ۱۸/ ۸۳ - ۹۳

(۳) جمیل احمد، (س۔ن)، انبیائے قرآن، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز. ۶/ ۵۴۵۔-۵۷۶

(۴) ایضا

(۵) حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص:۴

اہلِ کتاب سے قرآنِ حکیم کی مخاطبت کے اسالیب:

قرآن اکثر مقامات پر اہل کتاب کے عقائد کو زیر بحث لا کر ان کی تصحیح یا ابطال کرتے ہوئے، ان سے مخاطب ہوتا ہے۔ مثلاً، یہود کے ہاں نجات کو اعمال صالحہ سے منسوب کرنے کی بجائے بنی اسرائیل کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد اور اللہ کی لاڈلی قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدہ کی اصلاح کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾(۱)

" اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن آپ فرمایئے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں، ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر برائی کی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطاء نے تو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، قرآنِ حکیم ان کے اس عقیدہ کی اصلاح فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(۲)

"نہ تھے ابراہیم یہودی نہ نصرانی، بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے، اور نہ وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔"

اہلِ کتاب میں سے یہود یہ کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور قرآنِ حکیم، ان کے عقیدہ تثلیث اور الوہیت کا ابطال یوں کرتا ہے:

---

(۱) البقرہ، ۲/ ۸۰۔۸۱

(۲) آل عمران، ۳/ ٦٧

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾(۱)

"اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے، ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جارہے ہیں۔"

﴿مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾(۲)

"حضرت مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں جس طرح قبل ازیں رسول گزر چکے تھے اور اس کی والدہ صدیقہ تھیں اور یہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں۔"

اسی طرح، قرآنِ حکیم نے اہلِ کتاب سے دین میں غلو(یعنی کمی یا زیادتی) کرنے کے رویے کی تصحیح کرتے ہوئے، انہیں عیسیٰ علیہ السلام کی ہستی کی حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾(۳)

"اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے متعلق مگر سچی بات بے شک عیسیٰ پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ، جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے، پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ

---

(۱) التوبہ، ۹/ ۳۰

(۲) المائدہ، ۵/ ۷۵

(۳) النساء، ۴/ ۱۷۱

بہتر ہے تمہارے لیے، بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے، پاک ہے وہ اس سے کہ ہو کوئی اس کا لڑکا، اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔"

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔ عبد الکریم شہرستانی (۱۱۵۳ء-۱۰۸۶ء) کے نظریہ کے مطابق، کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ان کی حیثیت صرف اس قدر تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی اتباع کریں، لیکن انہوں نے اپنے منصب سے تجاوز کر کے تورات میں تبدیلیاں کر دیں۔ مثلاً ہفتہ کے بجائے اتوار کو مقدس دن قرار دیا۔ خنزیر کو جسے تورات نے حرام قرار دیا تھا، حلال کر دیا۔ اسی طرح ختنہ اور غسل کے متعلق بھی تورات کے احکام بدل دیئے۔(۱)

الغرض قرآنِ حکیم نے اہلِ کتاب کے عقائد کی کئی ایک مقامات پر اصلاح کی ہے۔

تمام انبیاء ورسل پر ایمان کی شرط

قرآن کے مطابق مومن ہونے کے لیے دیگر بنیادی عقائد پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تمام انبیاء ورسل پر ایمان کا تسلسل قائم رہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص سلسلہ انبیاء میں سے بعض پر ایمان رکھے اور بعض کی تکذیب کر دے۔ حتیٰ کہ سب کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھتا ہو۔ مگر کسی ایک نبی کا انکار کر دے تو وہ کافر ہے۔(۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی یہود کا ایمان یہ تھا کہ وہ تورات اور شریعت وسنت موسوی سے تمسک اختیار کیے رکھیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کا اپنا تمسک بھی اسی پر تھا۔ پھر بعثت عیسوی کے بعد ایمان کا مدار اس پر ہوا کہ بنی اسرائیل تورات کے ساتھ انجیل پر عقیدہ رکھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کریں۔ ان میں سے جن کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر قائم ہو گیا انہوں نے صحیح طور پر شریعت موسوی اور تعلیمات عیسوی سے تمسک اختیار کر لیا، وہ مومن ہو گئے اور جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور انجیل کو قبول نہ کیا، خواہ وہ بدستور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے نام لیوا ہی رہے، مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار اور ان سے بغض وعداوت کی بنا پر ہلاک اور گمراہ ہو گئے اور سابقہ ایمان ان کے کسی کام نہ آیا۔(۳)

---

(۱) شہرستانی، عبد الکریم، (۱۳۲۰ھ)، الملل والنحل، بیروت: الادبیۃ۔ ۲/ ۱۰۸

(۲) النساء، ۴/ ۱۵۰-۱۵۲

(۳) طاہر القادری، ڈاکٹر، (۲۰۱۵ء)، اسلام اور اہل کتاب، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ ص: ۳۰

بعض یہود نے حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت پر اُن کے خلاف حسد اختیار کیا۔ آپؑ کی رسالت کے واضح معجزات اور دلائل وبینات دیکھ کر بھی نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کے ساتھ مخالفت و عداوت کی راہ اختیار کی، حتیٰ کہ انہیں قتل کردینے یا صلیب پر چڑھادینے کے زعمِ باطل میں مبتلا ہوئے۔ الغرض وہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کسی بھی اولوالعزم رسول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ لہٰذا ایسے الزام لگانے والے اس روش کے باعث کافر قرار دیے گئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾(۱)

"پس (انہیں جو سزائیں ملیں وہ) ان کی اپنی عہد شکنی پر اور آیات الٰہی سے انکار (کے سبب) اور انبیاء کو ان کے ناحق قتل کر ڈالنے (کے باعث)، نیز ان کی اس بات (کے سبب) سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف (چڑھے ہوئے) ہیں، (حقیقت میں ایسا نہ تھا) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے باعث ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، سو وہ چند ایک کے سوا ایمان نہیں لائیں گے۔ اور (مزید یہ کہ) ان کے (اس) کفر اور قول کے باعث جو انہوں نے مریم پر زبردست بہتان لگایا۔"

امام جلال الدین سیوطی (۱۴۴۵ء-۱۵۰۵ء) تفسیر درِّ منثور میں لکھتے ہیں کہ:

"عن علی ﷺ قال: قال لی النبی أن لک من عیسی مثلًا، ابضغته الیهود حتی بهتوا أمه، واحبته النصاری حتی أنزلوه المنزل الذي ليس له" (۲)

"امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بُهْتَانًا عَظِيمًا کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت لگائی، امام بخاری نے تاریخ میں اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جبکہ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ

(۱۔) النساء، ۴/ ۱۵۵۔۱۵۶

(۲۔) سیوطی، جلال الدین، (۲۰۰۶ء)، تفسیر در منثور، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ۵/ ۹۶

علیہ السلام سے بغض کیا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا، نصاریٰ نے ان سے محبت کی، یہاں تک کہ آپ کو ایسا مقام دیا، جو آپ کا مقام نہ تھا۔"

الغرض جنہوں نے سلسلہ بعثت کے تسلسل کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید جاری رکھی اور حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاء ورسل پر ایمان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی پیروی اختیار کر لی اور اللہ تعالیٰ کے نظام رسالت اور سلسلہ بعثتِ انبیاء کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا وہ مؤمن رہے اور جنہوں نے پہلے انبیاء ورسل کو تو مانا مگر اپنے زمانے میں مبعوث ہونے والے رسول کے منکر ہو گئے وہ کافر ٹھہرائے گئے کیونکہ ان پر ایمان لانا ان کے لیے واجب تھا جو دراصل سابقہ انبیاء ورسل پر ایمان کا ہی تسلسل تھا۔

اسی طرح جب نبی مہرباں ﷺ کی بعثت ہو گئی تو حضور ﷺ کی ذات گرامی، آپ ﷺ کی نبوت ورِسالت اور آپ ﷺ کی کتاب وشریعت کو ظاہر وباطن سے ماننا مدارِ ایمان قرار پا گیا۔ لہٰذا جو لوگ آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی کتاب پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لے آئے، وہی مؤمن ہوئے۔ اس کے برعکس جو لوگ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن حکیم) اور آپ ﷺ کی شریعت و سنت کے منکر ہو گئے وہ کافر ٹھہرے، خواہ وہ سابقہ کتب و شرائع پر اپنا عقیدہ برقرار ہی کیوں نہ رکھے ہوئے تھے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جہاں اپنی بعثت کے موقع پر رسالت موسوی کی تصدیق کی تھی، وہیں انہوں نے رسالت محمدی ﷺ کی بشارت بھی دی تھی۔ اس لیے رسالت محمدی ﷺ پر ایمان اسی تصدیق کا تسلسل تھا جس کی تائید موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سمیت تمام انبیاءؑ کرتے چلے آرہے تھے۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾(۱)

"اور (وہ وقت بھی یاد کیجیے) جب عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسول (معظم ﷺ کی آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (ﷺ) ہے، پھر جب وہ (رسول آخر الزماں ﷺ) واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔"

(۱۔) الصف، ٦١/ ٦

امام ابنِ کثیر اس آیت کے تناظر میں رقم طراز ہیں کہ:

"التوراة قد بَشَّرَت بي، وأنا مصداقُ ما أخبرت عنه، وأنا مُبَشِّر بمن بعدي، وهو الرسول النبي الأمي العربي المكي أحمد فعيسى، عليه السلام، وهو خاتم أنبياء بني إسرائيل، وقد أقام في ملأ بني إسرائيل مبشرًا بمحمد، وهو أحمد خاتم الأنبياء والمرسلين، الذي لا رسالة بعده ولا نبوة۔"(۱)

"تورات میں میری خوشخبری دی گئی اور میں اس کا مصداق ہوں جو تمہیں خبر دی گئی۔ میں اپنے بعد کے آنے والے کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ وہ رسول نبی امی العربی، احمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ آپ نے بنو اسرائیل کو حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری دی۔ وہ احمد خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ آپ کے بعد رسالت اور نبوت ختم ہو گئی۔"

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ○ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ○وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ○ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾(۲)

"اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے پیچھے ان (ہی) کے نقوشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور (یہ انجیل بھی) اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والی (تھی) اور

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۸/ ۱۰۹

(۲) المائدۃ، ۵/ ۴۶-۴۷-۴۸

(سراسر)ہدایت تھی اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت تھی ،اور اہل انجیل کو (بھی)اس (حکم)کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے،اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت)نہ کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں ،اور (اے نبی مکرم ﷺ)ہم نے آپ کی طرف (بھی)سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس (کے اصل احکام و مضامین)پر نگہبان ہے ،پس آپ ان کے درمیان ان (احکام)کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں،اس حق سے دور ہو کر جو آپ کے پاس آچکا ہے۔ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور کشادہ راہِ عمل بنائی ہے،اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (ایک شریعت پر متفق)ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں ان (الگ الگ احکام)میں آزمانا چاہتا ہے جو اس نے تمہیں (تمہارے حسب حال)دیے ہیں،سو تم نیکیوں میں جلدی کرو۔اللہ ہی کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے ،پھر وہ تمہیں ان (سب باتوں میں حق و باطل)سے آگاہ فرمادے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔"

مولانا مودودی(۱۹۷۹ء-۱۹۰۳ء)اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں کہ قرآن اس حقیقت کا بار بار اعادہ کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے انبیاء دنیا کے کسی گوشے میں آئے ہیں ان میں کوئی بھی پچھلے انبیاء کی تردید کے لیے اور ان کے کام کو ہٹا کر اپنا نیا مذہب چلانے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ ہر نبی اپنے پیشرو انبیاء کی تصدیق کرتا تھا جسے اگلوں نے ایک پاک ورثہ کی حیثیت سے چھوڑا تھا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی کتاب اپنی ہی پچھلی کتابوں کی تردید کرنے کے لیے کبھی نہیں بھیجی بلکہ اس کی ہر کتاب پہلے آئی ہوئی کتابوں کی مؤید اور مصدق تھی۔(۱)

بعثتِ محمدی ﷺ کی امتیازی شان اور شریعتِ محمدی ﷺ کی عالمگیریت

حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کئی اعتبارات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء ورسل کی بعثت سے ممیّز اور ممتاز ہے۔

سید محمود آلوسی (۱۸۰۲ء-۱۸۵۴ء) صاحب تفسیر روح المعانی کے مطابق کہ:

(۱)مولانا مودودی،(۱۹۷۱ء)، تفہیم القرآن، لاہور:ادارہ ترجمان القرآن۔۱/ ۴۷۵

☆ آپ ﷺ صرف اپنے سے پہلے مبعوث ہونے والے ایک رسول اور ان کی کتاب ہی کے مصدّق نہ تھے بلکہ آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پورے سلسلہ نبوت ورسالت کی تصدیق فرمانے والے ہیں۔(۱)

☆ آپ ﷺ کی بعثت صرف ایک ملک یا خطہ زمین کے لیے، صرف بنی اسماعیل یا بنی اسرائیل کی ایک قوم کے کے لیے اور صرف سرزمین عرب یا دنیائے عجم کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ پوری کائنات انسانی کی طرف رسول بن کر مبعوث ہوئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی بعثت عالم انس کے علاوہ جن وملائک کے لیے بھی ہے۔(۲)

☆ آپ ﷺ کی بعثت سلسلہ نبوت ورسالت کی آخری بعثت تھی، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور قیامت تک تمام ادوار واماکن کے لیے آپ ﷺ ہی کی رسالت نے فیض رساں رہنا ہے۔(۳)

اس لیے لازم تھا کہ یہود ونصاریٰ یعنی اہل تورات وانجیل ہوں یا دیگر اقوام وملل، تمام طبقاتِ جن وانس نبوت ورسالت محمدی ﷺ پر ایمان لائیں، کیونکہ یہ حکم تو ابتداء آفرینش سے ہی خود جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دے دیا گیا تھا۔ سو ان کی امتوں کو مجالِ انکار کہاں تھی! قرآن مجید اس سلسلے میں واضح خبر دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ﴾(۴)

"اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کروگے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں

---

(۱) آلوسی، سید محمود، (۱۹۹۷ء)، روح المعانی، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔ ۳/ ۲۱۲

(۲) طبری، محمد بن جریر، (۱۴۰۹ھ)، جامع البیان، بیروت: دار المعرفہ۔ ۳/ ۲۳۹

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲/ ۶۵

(۴) آل عمران، ۳/ ۸۱۔۸۲

میں سے ہوں،(اب پوری نسلِ آدم کے لیے تنبیہاً فرمایا) پھر جس نے اس (اقرار) کے بعد روگردانی کی پس وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔"

امام ابن کثیر کے مطابق، کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک تمام انبیاء سے وعدہ لیا ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت عطاء کرئے اور وہ بلند مقام و مرتبہ پر پہنچ جائے تو جب اس کے زمانہ میں وہ رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔اس کا اپنا مقام و مرتبہ اور علم نبوت اس رسول کی اتباع کرنے میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہ وعدہ لینے کے بعد فرمایا، کیا تم نے اقرار کرلیا اور میرا بھاری ذمہ اٹھالیا ۔حضرت علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو ان پر ضرور ایمان لانا،اور اپنی امت سے بھی وعدہ لے لینا۔(١)

پھر اسی مقام پر آگے سلسلہ بعثت کے تسلسل کا ذکر آتا ہے اور اُلوہی نظامِ نبوت و رِسالت کے تحت تمام انبیاء ورُسل پر ایمان لانا شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے، جس میں نہ تو تفریق کی اِجازت ہے اور نہ ہی اِختیار و اِنتخاب کی۔ گویا آپ Pick and Choose نہیں کرسکتے۔اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ بعثت ورِسالت ایک کلیّت (Totality)ہے۔اس میں سے ایک فرد کا اِنکار ہو گیا، تو ساری کلیّت کا اِنکار ٹھہرے گا۔(٢)

سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے باب میں قوم موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، جس میں ان کے ستّر افراد کی ہلاکت انگیز گرفت کا بیان ہے۔پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کے حق میں دُعا مذکور ہے، جس میں آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت طلب کرتے ہیں۔اس پر باری تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا ہے: ہر چند کہ میری رحمت ہر شئے پر وسیع اور محیط ہے مگر میں اپنی رحمت سے ان متقی و مؤمن لوگوں کو نوازوں گا جو اس رسول اور نبی اُمی ﷺ کی پیروی کریں گے جس کی صفات و کمالات کا تذکرہ وہ خود تورات اور انجیل میں پڑھتے ہیں۔سو وہ لوگ اگر اس رسولِ گرامی قدر پر ایمان لائیں گے اور اس کی محبت اور تعظیم و تکریم کو اپنائیں گے اور اس کے دین کی پیروی کریں گے

---

(١)ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،١/٥٤٣

(٢) آل عمران،٣/٨٤

اور اُسی کے لائے ہوئے نور سے رہنمائی چاہیں گے ، تو میری رحمت و مغفرت اور دنیا و آخرت کی خیر و برکت ان کا مقدر بنے گی ۔(۱)

یہی مضمون سورۃ المائدہ میں نئے انداز کے ساتھ وارد کیا گیا ہے ۔ اہل کتاب کو مخاطب فرما کر اعلان کیا ہے کہ اے اہل کتاب ! اب تمہاری طرف ہمارا وہ رسول تشریف لے آیا ہے جو سراسر نور ہے ، اور آخری روشن کتاب کا حامل بھی ہے ۔ اب آئندہ ہر ایک کو ہدایت بھی اسی کے ذریعے ملے گی ، رضا و سلامتی کی راہیں بھی اسی سے متعلق ہیں ، اب گمراہی کے اندھیروں سے بھی یہی رسول نکالے گا اور صراط مستقیم کی نعمت بھی اسی کے توسط پر منحصر ہے ۔(۲)

قرآنِ مجید نے ایمانی تسلسل کے اس قاعدے کو بڑی تصریح و تاکید کے ساتھ سورۃ النساء میں بھی ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا○وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾(۳)

"بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس (ایمان و کفر) کے درمیان کوئی راہ نکال لیں ، ایسے ہی لوگ در حقیقت کافر ہیں ، اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ، اور جو لوگ اللہ اور اس کے (سب) رسولوں پر ایمان لائے اور ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہ کیا تو عنقریب وہ انہیں ان کے اجر عطا فرمائے گا ، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۔"

مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب کا ایمان بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے ، حضرت اسحاق علیہ السلام کی تصدیق کی ، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تکذیب یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کو تو مان لیا ، لیکن خود خاتم النبیین ﷺ سے انکار کیے

(۱) الاعراف، ۷/ ۱۵۵۔۔۱۵۸

(۲) المائدہ، ۵/ ۱۲۔۔۱۶

(۳) النساء، ۴/ ۱۵۰۔۱۵۲

گئے۔ایسی حالت میں لفظِ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق نہیں ہو گا۔ایمان اصطلاحِ شریعت میں تو وہ ہے،جو سارے سلسلہ نبوت پر ہو،ورنہ ایک نبی پر ایمان لا کر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔(۱)

یہی ذکر ہمیں کتب مُنزّلہ کے ضمن میں بھی ملتاہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(۲)

"اللہ نے)اپنے ذمّہ کرم پر پختہ وعدہ (لیا)ہے ،تورات میں (بھی) انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی)،اور کون اپنے وعدہ کو اللہ سے زیادہ پورا کرنے والا ہے ،سو (ایمان والو!) تم اپنے سودے پر خوشیاں مناؤ جس کے عوض تم نے (جان ومال کو) بیچاہے،اور یہی توزبردست کامیابی ہے۔"

ان آیات و بینات سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ سلسلہ بعثت کے تسلسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے ہیں اور سب ایک ہی چشمہ نبوت سے سیر اب ہوئے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾(۳)

"اور کوئی ایسی امت نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیاہو۔"

مولانا مودودی(۱۹۷۹ء-۱۹۰۳ء) لکھتے ہیں کہ یہ بات متعدد مقامات پر فرمائی گئی ہے کہ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث نہ فرمائے ہوں۔مگر اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینی چاہیئے تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔اول یہ کہ ایک نبی کی تبلیغ جہاں جہاں تک پہنچ سکتی ہو وہاں کے لیے وہی نبی کافی ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر بستی اور ہر ہر قوم میں الگ الگ ہی انبیاء بھیجے جائیں۔دوم یہ کہ ایک نبی کی دعوت وہدایت کے آثار اور اس کی رہنمائی کے نقوش قدم جب تک محفوظ ہیں اس وقت تک کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لازم نہیں کہ ہر نسل اور ہر پشت کے لیے الگ نبی بھیجا جائے۔(۴)

(۱) دریاآبادی،عبدالماجد،(۱۹۹۸ء)،تفسیر ماجدی،کراچی،مجلس نشریات قرآن۔ص:۲۵۹

(۲) التوبۃ،۹/ ۱۱۱

(۳) الفاطر،۳۵/ ۲۴

(۴) مودودی، تفہیم القرآن،۴/ ۲۳۰-۲۳۱

یہی مضمون سورۃ الرعد، سورۃ الحجر، سورۃ النحل، سورۃ الشعراء [1] میں بھی بیان ہوا ہے۔خود انبیاء کرام نے اپنے سے ماقبل انبیاء کی تصدیق کی اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت کی خبر دی ہے۔

اہل کتاب کے رویّوں کا احتساب

قرآن مجید چونکہ وحی اِلٰہی کا آخری ایڈیشن تھا،اس لیے اِسے ناسخ الکتب کا درجہ دیا گیا اور اسلام کو ناسخ الادیان کا رتبہ ملا۔لہٰذا اس پر ایمان ہی تمام کتب پر ایمان شمار کیا گیا۔سو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ایمانی تسلسل کو برقرار رکھا اور اس پر ایمان لے آئے،مؤمن شمار ہوئے،جو اس کے منکر ہوگئے،کافر قرار پائے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اہل کتاب کے حوالے سے دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(۲)

”تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے،تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناًان کے لیے بہتر ہوتا،ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔“

اس آیت سے قبل بھی یہود و نصاریٰ اور امت مسلمہ کا ذکر تسلسل میں چلا آرہا ہے،اور ان کے احوال کا ذکر کر کے مسلمانوں کو بھی اپنے احوال درست رکھنے کی تنبیہ کی جارہی ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ o يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾(۳)

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آچکیں اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے،اور انہی لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے،جس دن کئی چہرے سفید

---

(۱) الرعد،۱۳/ ۷،الحجر،۱۵/ ۱۰،النحل،۱۶/ ۳۶،الشعراء،۴۲/ ۲۰۸

(۲) آل عمران،۳/ ۱۱۰

(۳) البقرہ، ۲/۱۰۵۔۱۰۶

ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے سو اس کے عذاب (کا مزہ) چکھ لو۔"

بنی اسرائیل کی تفریق کی وضاحت خود نبی مہرباں ﷺ نے بھی فرمادی تھی، اس حدیث میں جس میں تنبیہاً اپنی امت کے بٹ جانے کا ذکر کیا تھا:

إن رسول الله ﷺ قال ان أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين وسبعين ملة وان هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعني الأهواء كلها في النار الا واحدة وهي الجماعة.(۱)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل کتابین (یعنی سماوی کتب کے حامل دونوں گروہ: یہود و نصاریٰ) اپنے دین کے بارے میں بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے، جب کہ (میری) یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ تمام فرقے جہنم کی آگ میں ہوں گے سوائے ایک کے، اور وہ جماعت خاص ہے۔"

امام ابو اسحاق ثعلبی (م ۱۰۳۵ء) الکشف والبیان کے مطابق، کہ حضرت عکرمہ کے نزدیک اس سے مراد وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے انبیاء کی تصدیق کرتے تھے اور نبی مہرباں ﷺ کی بعثت سے قبل نبوت محمدی ﷺ کی بھی تصدیق کرتے تھے اور اس پر ان کا ایمان تھا۔ جب نبی مہرباں ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔(۲)

مولانا مودودی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں تفصیلات سے قطع نظر کر کے اسلام کے عقائد اور اسلامی طرز عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو ماننا اس کے تمام رسولوں کو تسلیم کرنا بغیر اس کے کہ ان کے درمیان فرق کیا جائے (یعنی کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے)۔ اور اس امر کو تسلیم کرنا کہ آخر کار ہمیں اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ یہ پانچ امور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان کو قبول کرنے کے بعد ایک مسلمان کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم پہنچے، اسے وہ بسر و چشم قبول کرے، اور اپنے حسن عمل پر غرہ نہ کرے، بلکہ اللہ سے عفو و درگزر کی درخواست کرتا رہے۔(۳)

---

(۱) احمد بن حنبل، امام، (۱۹۷۸ء)، المسند، بیروت، لبنان، المکتب الاسلامی۔ ۴/ ۱۰۲

(۲) ابو اسحاق الثعلبی، (۲۰۰۲ء)، الکشف والبیان، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔ ۳/ ۱۲۵

(۳) مودودی، تفہیم القرآن، ۱/ ۲۲۳

اہل کتاب میں اہل خیر کی تحسین

☆ سب اہل کتاب ایک جیسے نہ تھے۔اس بارے میں قرآن مجید کے واضح ارشادات ہیں:

﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾(۱)

”یہ سب برابر نہیں ہیں،اہل کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر (بھی) قائم ہیں وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سر بسجود رہتے ہیں۔وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکاروں سے ہیں۔اور یہ لوگ جو نیک کام بھی کریں اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی ،اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جاننے والا ہے۔“

ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے اور اسے امام ابن جریر طبري(۹۲۳ء-۸۳۹ء)اور امام ابواسحاق (م ۹۴۱ء)نے بھی اختیار کیا ہے۔ابن جریر طبری اس کا معنٰی یوں بیان کرتے ہیں جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ اہل کتاب کے دو گروہ ہیں ایک مؤمن اور دوسرے نافرمان و کافر،ایمان والوں کی مدح اور ان کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے۔(۲)

اسی قول کو سعید بن جبیر اور عکرمہ نے روایت کیا ہے،اخفش اور الزجاج نے بھی اسی کی تائید کی ہے،اور کہا ہے کہ اِس آیت سے قبل اہل کتاب کے کفر، قتل انبیاء، بغاوت و حسد، تکبر، ذلت و مسکنت اور دیگر بُرے اقوال و اعمال کا تذکرہ آرہا تھا،سو اس بیان کے بعد اب باری تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ ان کے کفر اور اعمال قبیح کا ذکر سن کر یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ سارے ہی ایسے تھے۔اب وضاحت فرمائی کہ سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں تھے۔ان میں ایک طبقہ مؤمنین و صالحین کا بھی ہے،جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر قائم ہے۔اپنے انبیاء کی عطا کردہ شریعت اور احکام و تعلیمات

(۱) آل عمران، ۳/ ۱۱۳-۱۱۵

(۲) طبري، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴/ ۵۳

کا صحیح طور پر پیروکار ہے ،وہ راتوں کو قیام کرتے ہیں ، کثرت سے تہجد پڑھتے ہیں ، آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتے ہیں اور حضور الٰہ میں سجدہ ریزیاں کرتے ہیں۔(۱)

امام ابو اسحاق ثعلبی(م ۱۰۳۵ء) اپنی تفسیر الکشف والبیان میں عطابن رباح کا قول نقل کرتے ہیں کہ اہل کتاب کے جن مومن و صالح افراد کا یہاں ذکر کیا گیاہے ان میں اہل نجران کے عربوں سے چالیس سے زائد افراد شامل تھے، جبکہ حبشہ سے بتیس اور روم سے نو افراد شامل تھے ،اور یہ سب نصاریٰ یعنی دین عیسوی کے پیروکار تھے۔(۲)

اسی طرح نبی مہرباں ﷺ کی ہجرت مدینہ سے قبل ان میں اہل کتاب اَنصار میں سے بھی کچھ لوگ شامل تھے، اسعد بن زرارہ، البراء بن معرور، محمد بن مسلمہ ،ابو قیس ہرمہ بن انس بھی انہی میں سے ہیں۔یہ پہلے ہی سے عقیدہ توحید پر قائم تھے۔جنابت کے بعد غسل کرتے تھے اور شرائع حنفیہ کو مانتے تھے ،یہاں تک کہ حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہ لوگ اسی تسلسل میں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے ،آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کے دین کی نصرت اختیار کی۔(۳)

اس معنٰی کی واضح تائید قرآن مجید کی ان آیات سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾(۴)

"اور بے شک کچھ اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر بھی (ایمان لاتے ہیں)جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی اور ان کے دل اللہ کے حضور جھکے رہتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے عوض قلیل دام وصول نہیں کرتے،یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے،بے شک اللہ حساب جلدی فرمانے والا ہے۔"

ان تمام آیات قرآنی کا ماحصل یہ ہے کہ اُممِ سابقہ اور بالخصوص اہل کتاب (یہود ونصاریٰ)میں حضور ﷺ کی بعثت کے وقت مومن، فاسق اور کافر ہر طرح کے لوگ موجود تھے۔اس کا انحصار اس امر پر تھا کہ کون کتنا تورات وانجیل کی صحیح

---

(۱) المقري، مکی بن ابی طالب، الهداية الی بلوغ النهاية، شارجہ: یونیورسٹی آف شارجہ۔ ۲/ ۱۱۰۰

(۲) الثعلبی، ابو اسحاق، الکشف والبیان۔ ۳/ ۱۳۰

(۳) ایضاً، ۳ / ۱۳۲

(۴) آل عمران، ۳/ ۱۹۹

تعلیمات پر قائم ہے اور کون کتنا منحرف ہو چکا ہے، کون کس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح ہدایات پر عمل پیرا ہے اور کون کس قدر روگردانی کر چکا ہے، کون کہاں تک ایمانی تسلسل کے عمل کے لیے بعثت محمدی ﷺ کی بشارتوں پر قائم ہے اور کون تحریفِ کتب اور تغیر عقائد کے اثرات قبول کر کے حسد، تکبر اور انکار و جحود کی کیفیات کا شکار ہو چکا ہے۔ الغرض یہ تمام تقسیم بعثت محمدی ﷺ سے قبل بھی موجود تھی۔ جب نبی مہرباں ﷺ کی بعثت ہو گئی اور تمام لوگ بلا تفریق نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے پابند ہو گئے تو جملہ تقسیمات ختم ہو گئیں۔

ابن جریر (۹۲۳ء-۸۳۹ء) نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، ان کے خیال کے مطابق، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کے دوسرے فاسق گروہ کے لیے وعید ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ وہ فاسق ہیں اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ وعید اُنہی کی طرح دوسرے کفّار کے لیے بھی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کرتے ہیں، اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾(۱)

"بے شک جنہوں نے کفر کیا۔"

یعنی وہ لوگ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ ﷺ کو اور جو کچھ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اُسے جھٹلایا۔(۲)

☆ ان قرآنی تصریحات سے مطالعہ مذاہب کا یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حق کی طلب اور سچائی کی تلاش کی جائے۔ ہر مذہب کی تعلیمات کے بارے میں پوری تحقیق کی جائے۔ بغیر جانچ پرکھ کیے کوئی بات کسی مذہب یا اس کے ہادی کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ مطالعہ مذاہب کا یہ اصول قرآنِ حکیم کے ایک دوسرے مقام پر بھی موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾(۱)

---

(۱) آل عمران، ۳/ ۱۱۶

(۲) طبری، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴/ ۵۷

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہیں خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر ندامت اٹھاؤ۔"

مطالعہ مذاہب کے ایک بڑے مسلم عالم، ابو ریحان البیرونی (۱۰۴۸ء-۹۷۳ء) کے نظریہ کے مطابق، کہ تقابل ادیان کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ایک محقق اور عالم میں حقائق کی تلاش کی لگن ہونی چاہیئے۔ جو ضابطہ اور اصول کی پابندی کے ساتھ حق کی محبت کا بول بالا کرنے اور اس کی بالا دستی کے لیے وقف ہو۔(۲)

البیرونی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اس دنیا کی خرابیوں اور برائیوں کے دیکھنے میں ایسی نظر بخشے کہ ہم اسے نکھار سکیں اور چھلکے اور مغز میں فرق کر سکیں، اور صحیح و غلط میں امتیاز حاصل کر سکیں۔ میں قارئین کے سامنے ہندوؤں کے نظریات کو اسی طرح پیش کروں گا جیسا کہ وہ ہیں۔(۳)

سید ابو الاعلیٰ مودودی تقابل ادیان کے اس اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مذہب کی تعلیم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو کلیتہً غلط ثابت کیا جائے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایک مذہب میں حق و صداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ حق ایک کلی حقیقت ہے جس کے افراد خواہ کہیں ہوں بہر حال اسی ایک کل کے فرد رہتے ہیں۔ حال و مقام کے بدلنے سے ان کی حقیقت و اصلیت نہیں بدلتی۔ جو حق ہمارے مذہب میں پایا جاتا ہے، اسی کا دوسرے مذہب میں پایا جانا دونوں میں سے کسی مذہب کے بھی نقص کی دلیل نہیں ہے کہ اس پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔ بلکہ دراصل وہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کسی ایک مشترک سرچشمہ حق سے ماخوذ ہیں، جس کا فیض دونوں کے پاس محفوظ رہا ہے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان بھی کہیں موجود ہے، اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صَرف کیا جائے۔(۴)

اہل کتاب کا خطاب اور اس کی حکمت

قرآن کریم کے وسیع اور عمیق مطالعہ سے یہود ونصاریٰ کی نسبت دو قسم کے احکام صراحت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ایک ان کے عدمِ قبول اسلام کے باعث کفر کا حکم ہے، دوسرا یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و مشرکین میں تفریق کا حکم موجود

---

(۱) الحجرات،۴۹/ ۶

(۲) البیرونی، ابو ریحان، (۱۹۵۸ء)، کتاب الہند، حیدر آباد: دکن۔ ص:۷۰

(۳) ایضا، ص:۷۸

(۴) سید مودودی، (۱۹۶۷ء)، الجہاد فی الاسلام، لاہور: اسلامی پبلی کیشنز۔ ص:۳۲۸-۳۲۹

ہے۔یہود ونصاریٰ چونکہ اہل کتاب ہیں، سو یہ دونوں طبقات اصلاً کفار ومشرکین میں سے نہیں تھے۔یہ بنیادی طور پر تمام انبیاء ورسل کی امّتوں کی طرح امت مسلمہ کا تسلسل تھے۔یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں۔وہ اصلاً بنی اسرائیل تھے مگر بعد میں ان کے لیے یہی نام معروف ہوگیا۔اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں۔اس لیے قرآن میں ان دونوں کا تذکرہ ان ناموں کے ساتھ آیا ہے۔

نصاریٰ (عیسائیوں) کے عقائد میں تثلیث کا تصور عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد یا آج کے دور میں داخل نہیں ہوا۔یہ بعثت محمدی ﷺ اور نزول قرآن کے زمانہ سے بہت پہلے ان کے عقائد کا حصہ بن چکا تھا۔اس لیے قرآن مجید نے جابجا اس کی تردید کی ہے اور واضح ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ﴾(۱)

"پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں۔"

اس کے باوجود قرآن مجید میں انہیں اہل کتاب ہی کا درجہ دیا گیا ہے۔یہ نام ان کے عقائد کی درستگی یا خرابی سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ان کی مذہبی اصل سے ہے۔چونکہ وہ تورات اور انجیل کو ماننے والے تھے اور اصلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت تھے، سو انہیں ان کفار ومشرکین سے الگ شناخت دے دی گئی جو سرے سے نہ آسمانی وحی کے قائل تھے، نہ کسی الہامی کتاب کے، نہ کسی پیغمبر اور اس کی شریعت کو مانتے تھے، نہ بعث بعد الموت اور روز قیامت کو، نہ جزاء وسزاء اور جنت ودوزخ کو، نہ ملائکہ کے وجود کو اور نہ ہی تقدیر الٰہی کو مانتے تھے۔یا یہ کہ وہ بنیادی طور پر بت پرست، ستارہ پرست، آتش پرست یا مظاہر پرست تھے اور شروع سے ہی توحید کے بجائے شرک کی راہ پر گامزن تھے۔اُنہوں نے پیغام الٰہی کو اصلاً قبول ہی نہیں کیا تھا جبکہ یہود ونصاریٰ، اپنے عقائد کی ساری خرابیوں کے باوجود ان تمام اعتقادی اصولوں پر اصلاً ایمان رکھتے تھے۔ان کے کفر کا سبب صرف بعثت محمدی ﷺ کا انکار کرنا اور عقائد میں بگاڑ کا داخل کر دینا ہے۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے کفار ومشرکینِ مکہ کو یا ستارہ پرستوں اور مجوسیوں کو یا دیگر مشرکوں کو کہیں بھی اہل کتاب نہیں کہا کیونکہ وہ صاحبان کتاب تھے ہی نہیں۔یہ لقب قرآن مجید میں بھی اور حدیث نبوی ﷺ میں بھی

---

(۱) النساء، ۴/ ۱۷۱

(۲) ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام اور اہل کتاب، ص:۵۹

صرف انہی دو طبقات کے لیے خاص رہا ہے جب کہ وہ عقیدہ تثلیث کو نزولِ قرآن سے بہت پہلے ہی اپنا چکے تھے۔اس کا رد قرآن مجید نے اکثر و بیشتر مقامات پر کیا ہے۔(۱)

ان کی کتابوں میں تحریف، نزول قرآن اور بعثت محمدی ﷺ سے کئی صدیاں پہلے ہو چکی تھی۔یہ تاریخ سے ثابت ہے۔ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔(۲)

چنانچہ ان تمام کتابی تحریفات اور اعتقادی خرافات کے باوجود، یہود و نصاریٰ کو قرآن مجید میں ۳۱ مرتبہ أهل الكتاب کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے، جب کہ ۱۶ مرتبہ اَلَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ کہہ کر اور ۸ مرتبہ اٰتَينَاهُمُ الكِتَابَ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کو انہی عقائد و اعمال کے مجموعے کے ساتھ نہ صرف اہل کتاب تسلیم کیا ہے بلکہ اس عنوان کی تسلسل کے ساتھ توثیق کی ہے۔اسی طرح حدیث، تفسیر اور سیرت کی کتب میں تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) سے زائد مرتبہ ان کا ذکر اہل کتاب کے عنوان سے آیا ہے۔جب کہ مذاہب اربعہ کی کتبِ فقہ اور کتب عقائد میں پندرہ ہزار (۱۵،۰۰۰) سے زائد مرتبہ اسی عنوان سے ان کا ذکر ملتا ہے۔(۳)

☆۔ قرآن حکیم نے بہت سے مقامات پر اہل اسلام اور یہود و نصاریٰ کا ذکر اور ان سب کی مقدس کتابوں کا ذکر ایک ہی تسلسل کے طور پر کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اسلام کے علاوہ الہامی مذاہب صرف دو ہیں، جن کے پیروکار اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے تینوں مذاہب کا ذکر اکٹھا کر کے اصولی اور تاریخی لحاظ سے ان تینوں کو تقسیمِ ادیان کی ایک سمت میں جمع کر دیا ہے:

﴿أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ﴾(۴)

"قرآن اس لیے نازل کیا ہے) کہ تم کہیں یہ (نہ) کہو کہ بس (آسمانی) کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی تھی اور بے شک ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔"

اسی طرح سورۃ التوبۃ میں تینوں کا نام وعدہ الٰہی کے طور پر اکٹھا مذکور ہے:

---

(۱) المائدہ،۵/ ۱۷۔التوبہ،۹/ ۳۰

(۲) المائدہ،۵/ ۱۳۔البقرہ،۲/ ۷۵۔۷۹

(۳) ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام اور اہل کتاب، ص:۶۱

(۴) الانعام،۶/ ۱۵۶

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(۱)

"بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لیے (وعدہ) جنت کے عوض خرید لیے ہیں، (اب) وہ اللہ کی راہ میں (قیامِ امن کے اعلیٰ تر مقصد کے لیے) جنگ کرتے ہیں، سو وہ (دوران جنگ) قتل کرتے ہیں اور (خود بھی) قتل کیے جاتے ہیں۔ (اللہ نے) اپنے ذمہ کرم پر پختہ وعدہ (لیا) ہے، تورات میں (بھی) انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی)، اور کون اپنے وعدہ کو اللہ سے زیادہ پورا کرنے والا ہے، سو (ایمان والو!) تم اپنے سودے پر خوشیاں مناؤ جس کے عوض تم نے (جان ومال کو) بیچا ہے، اور یہی تو زبردست کامیابی ہے۔"

سورۃ الانعام میں ایک اور مقام پر کتابِ الٰہی (قرآن) کو پہلی کتابوں کا تصدیق کرنے والا قرار دیا ہے۔(۲) یہی مضمون سورۃ یونس میں بھی بیان ہوا ہے۔(۳) اسی بات کو سورۃ الفاطر اور سورۃ آل عمران میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۴)

اسی طرح تورات اور انجیل بھی حضور نبی رحمت ﷺ کی نبوت ورسالت اور آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات کے ذکر پر مشتمل تھیں، گویا وہ کتابیں بھی اپنے ماننے والوں کے سامنے رسالت محمدی ﷺ اور حقانیت قرآن کی تصدیق کرتی تھیں:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(۵)

---

(۱) التوبہ، ۹/ ۱۱۱

(۲) الانعام، ۶/ ۹۲

(۳) یونس، ۱۰/ ۳۷

(۴) فاطر، ۳۵/ ۳۱۔ آل عمران، ۳/ ۳

(۵) الاعراف، ۷/ ۱۵۷

"یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر من جانب اللہ لوگوں کو اخبار غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یہاں تک کہ تورات اور انجیل میں جانثاران مصطفیٰ ﷺ یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اوصاف کا بھی تذکرہ موجود تھا۔(۱) اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت یحیٰ علیہم السلام کو عطا کی جانے والی کتابوں کا ذکر بھی تسلسل کے ساتھ آیا ہے۔(۲)

خلاصہ بحث

اہل کتاب کے ایمان و کفر کی داستان دیگر کفار و مشرکین کی داستان سے بالکل الگ نوعیت کی ہے۔ جہاں ان کے کفر کی تصریح اور ان کے باطل عقائد کی تردید آئی ہے۔ وہاں ان کی کتب اور ان کے سابقہ عقائد کی بناء پر انہیں قرآن اور رسالت محمدی ﷺ پر گواہ بھی ٹھہرایا گیا ہے، پھر انہی کے عقائد و اعترافات کی بناء پر ان کے انکار و انحراف پر گرفت کی گئی ہے۔ پورے قرآن میں ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں ان کی طرف اصلاً عقیدہ توحید کی نفی اور استہزاء، کلیتاً انکار رسالت اور مطلقاً تکذیب وحی کو منسوب کیا گیا ہو بلکہ رسالت محمدی ﷺ کے انکار کے وقت ان کے انہی سابقہ عقائد کو دلیل بنا کر انہیں سچائی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ انہی مسلمات و مشترکات کو بنیاد بناتے ہوئے انہیں دعوتِ اسلام دی گئی ہے اور اس دعوت کے انکار کے باعث انہیں کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے برعکس جب دیگر کفار و مشرکین کا ذکر آیا ہے جو الہامی مذاہب میں سے کسی کے پیروکار نہیں تھے تو ان کا ذکر، ان کی مذمت اور ان کے کفر کی وجوہ یکسر مختلف نوعیت کی بیان کی گئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) الفتح،۴۸/ ۲۹

(۲) الصافات،۳۷/۱۱۴۔۱۱۷۔ مریم،۱۹/ ۱۲۔ النساء،۴/۱۶۳۔ الانعام،۶/۸۶۔۸۷۔۸۹۔ الشعراء،۲۶/ ۱۹۲۔۔۱۹۶

مصادر و مراجع

۱۔القرآن الحکیم

۲۔ آلوسی، سید محمود، روح المعانی،(۱۹۹۷ء)، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۳۔البیرونی، ابوریحان،(۱۹۵۸ء)، کتاب الہند، حیدر آباد: دکن، انڈیا

۴۔پانی پتی، قاضی ثناء اللہ،(۲۰۰۴ء)، تفسیر مظھري، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۵۔الثعلبی، ابو اسحاق، احمد بن محمد بن ابراہیم (۲۰۰۲ء)، الکشف والبیان، بیروت: دارِ احیاء التراث العربی

۶۔ جمیل احمد،(س۔ن)، انبیائے قرآن، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز

۷۔ احمد بن حنبل، امام (۱۴۱۴ھ)، مسند امام احمد، بیروت: دار الفکر

۸۔حمید اللہ، ڈاکٹر،(۱۹۸۵ء) خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی

۹۔دریا آبادی، عبد الماجد،(۱۹۹۸ء)، تفسیر ماجدی، کراچی، مجلس نشریات قرآن

۱۰۔ سیوطی، جلال الدین، امام،(۲۰۰۶ء)، تفسیر در منثور، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز

۱۱۔ شہرستانی، عبد الکریم،(۱۳۲۰ھ)، الملل والنحل، بیروت: الادبیۃ

۱۲۔ طبری، محمد بن جریر، امام (۱۴۰۹ھ)، جامع البیان، بیروت: دار المعرفہ

۱۳۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، (۲۰۱۵ء)، اسلام اور اہل کتاب، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۴۔ ابن کثیر، علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر،(۱۳۸۵ھ)، تفسیر ابن کثیر، بیروت: دار الاندلس

۱۵۔ المقری، مکی بن ابی طالب (۳۵۵ھ۔۴۳۷ھ) الھدایۃ الی بلوغ النھایۃ، شارجہ: یونیورسٹی آف شارجہ

۱۶۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید (۱۹۷۱ء)، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۷۔ ایضاً، (۱۹۶۷ء)، الجہاد فی الاسلام، لاہور: اسلامی پبلی کیشنز

مصارف زکوۃ اور تملیک شخصی

(وجوب اور عدم وجوب تملیک کے قائلین اور ائمہ کی آراء کا تقابلی مطالعہ)

☆ ڈاکٹر مفتی محمد شفیق

☆☆ ڈاکٹر شعیب عارف

ABSTRACT

The word "Expens" is the plural of "Expenses", which means place to spend or time to spend, and when this word is added to the word Zakat, it means "giving Zakat wealth to those who are entitled to Zakat". This means the Zakat money should be spended on the wealth or wherever and however the deserving people want, or spend the Zakat money on their interests and profit.So that Zakat is spent on the needs and benefits of those who need it, but Zakat money is not given to those in their possession .The Muslim Ummah is unanimously agreed that the expenditure of Zakat are only eight which are mentioned in Surah Touba Ayat No. 60: It is necessary to make the person who is entitled to every expenditure the owner of the zakat wealth, as the zakat wealth will be given in his possession so that he can spend the zakat wealth wherever he wants, although there is a difference of opinion about the last four expenditures. Whether the person who is entitled to each of these expenses will be made the owner of Zakat property or not, According to the majority of Hanafi's jurists, attachment to these last four expenditures is also a member and condition of Zakat, while according to some Hanafi's jurists and all Maliki, Shafi's and Hanbali jurists, attachment to the last four expenditures is not obligatory and conditional according to them. Out of the Zakat money, the Zakat money will not be given to any deserving person, but the Zakat money will be spent on the benefits and profits of each of these last four expens.

Key words: Poor rate, ownership, Quran, Zakat.

لفظ مصارف "مَصرِفٌ"کی جمع ہے ،جو" اَلصَّرف "مصدر سے اسم ظرف کا صیغہ ہے ،جس کا معنی ہے خرچ کرنے کی جگہ یا خرچ کرنے کا وقت اور لفظ "تملیک"مَلِکٌ" سے باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا معنی ہے مالک بنانا

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور۔

☆☆ لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات۔

۔دستور العلماء میں ہے "کسی رامالک چیزی گردانیدن[1] "یعنی، کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینا، اور **معجم لغة الفقهاء** میں ہے **"جعل الشئ لاخر، یحوزہ وینفرد بالتصرف فیه**[2]"یعنی، شئ کو کسی دوسرے کے قبضہ و تصرف میں اس طرح دینا کہ وہ اکیلا اس چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ **موسوعة الفقهیه الکویتیه** میں ہے **"تملیک الشيء جعله ملکا للغیر** "[3]۔یعنی شئ کا مالک بنانا بایں طور کہ وہ چیز غیر کی ملکیت اور قبضہ میں چلی جائے۔

قرآن پاک میں ہے۔

"لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "[4]

آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب ان الفاظ کی اضافت لفظ زکوۃ کی طرف کی جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے "مال زکوۃ مستحقین زکوۃ کے قبضہ و تصرف اور ملکیت میں دینا یا مستحقین پر مال زکوۃ خرچ کرنا" اور مصارف زکوۃ سے مراد وہ افراد اور اشخاص ہیں کہ ،زکوۃ کے مستحق ہونے کی وجہ سے مال زکوۃ جن کے قبضہ و تصرف اور ملکیت میں دے دیا جائے بایں طور کہ وہ اس مال کو جہاں اور جیسے چاہیں خرچ کریں یا اس سے مراد وہ افراد ہیں، کہ بوقت ضرورت زکوۃ جن کے مصالح و منافع پر خرچ کی جاتی ہے لیکن مال زکوۃ ان کے قبضہ و تصرف میں نہیں دیا جاتا۔

اللہ تبارک و تعالی نے قرآن کریم میں زکوۃ کی فرضیت اور صاحب نصاب سے زکوۃ لینے کے حکم کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے لیکن اموال زکوۃ کتنے اور کون ، کون سے ہیں ان کی تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی ۔اموال زکوۃ کی تفصیل ہمیں احادیث رسول ﷺ سے حاصل ہوتی ہے جبکہ مصارف زکوۃ کو قرآن کریم میں کھول کر بیان کیا گیا ہے تاکہ جو حق دار نہیں ہے وہ مال زکوۃ پر اپنے حق کا دعوی نہ کرسکے۔

مصارف زکوۃ:

قرآن کریم میں جن آٹھ قسم کے لوگوں زکوۃ کا مستحق اور مصرف قرار دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَساكِينِ وَالْعامِلِينَ عَلَيْها وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقابِ وَالْغارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾[1]

---

[1] - احمد نگری،عبدالنبی بن عبد الرسول،دستور العلماء،بیروت،لبنان،دار الکتب العلمیة/١:٢٣٧-

[2] - قلعجی،محمد رواس،قنیبی،حامد صادق،معجم لغة الفقہاء،دار النفائس/١:١٤٧-

[3] - الموسوعةالفقہیہ الکویتیہ،الکویت،وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة/٥:١١٤-

[4] - المائدة:١٢٠-

"زکوۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین اور زکوۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ، اور اللہ کے راستے میں نکلنے والے اور مسافرین، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا آیت کی بناپر امت کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ مصارف زکوۃ صرف یہی آٹھ ہیں، ان میں نہ تو کمی ہوسکتی ہے اور نہ زیادتی اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ پہلے چار مصارف (فقراء، مساکین، عاملین زکوۃ اور مؤلفۃ القلوب) میں سے ہر مصرف کے مستحق کو، مال زکوۃ کا مالک بنایا جائے گا، بایں طور کہ مال زکوۃ ان کے قبضہ وتصرف میں دے دیا جائے گا کہ وہ مال زکوۃ کو اپنی مرضی سے اپنی ضرورت کے مطابق جیسے اور جہاں چاہیں خرچ کریں البتہ آخری چار مصارف (غلام، مقروض، فی سبیل اللہ اور ابن سبیل) کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان مصارف میں سے ہر مصرف کے مستحق کو مال زکوۃ کا مالک بنایا جائے گا یا نہیں، جمہور فقہائے احناف کے نزدیک ان آخری چار مصارف میں بھی تملیک ادائیگی زکوۃ کا رکن اور شرط ہے جبکہ بعض فقہائے احناف اور ائمہ ثلاثہ یعنی مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک آخری چار مصارف زکوۃ میں مالک بنانا واجب اور شرط نہیں ہے۔ ان حضرات کے نزدیک آخری چار مصارف میں سے، مال زکوۃ کسی مستحق کے قبضہ اور تصرف میں نہیں دیا جائے گا بلکہ مال زکوۃ ہر مصرف کے مصالح ومنافع پر خرچ کیا جائے گا۔

مصارف زکوۃ میں تملیک کے وجوب پر جمہور فقہائے احناف کے دلائل:

جمہور فقہائے احناف مثلاً "امام ابو بکر الجصاص الرازی الحنفی، امام السرخسی، علاء الدین السمرقندی، صاحب تحفۃ الفقہاء، علامہ المرغینانی، صاحب المحیط البرھانی، مجد الدین ابو الفضل الحنفی، امام الزیلعی، علامہ الحدادی، امام ابن ہمام، ملا خسرو، علامہ بدرالدین العینی، علامہ الکاسانی، ابن نجیم، ملا علی القاری، شیخ زادہ، ، اصحاب الفتاوی الھندیۃ، علامہ الطحطاوی، ابن عابدین شامی اور علامہ آفندی "وغیرھم نے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تمام مصارف زکوۃ میں تملیک کو زکوۃ کا رکن اور شرط قرار دیا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فركن الزكاة هو اخراج جزء من النصاب إلى الله تعالى، وتسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه إليه-[2]

---

[1] ۔ سورۃ التوبۃ:۶۰۔

[2] - الكاسانى، أبو بكر بن مسعود بن أحمد، علاء الدين، الحنفى (م۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية/۲:۳۹۔

زکوۃ کارکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جز کو اللہ کی طرف نکالا اور سپرد کیا جائے (بایں طور کہ) مال زکوۃ فقیر کے قبضہ وتصرف دینے سے مالک کی اس جز سے ملکیت منقطع ہو جائے۔

سطر بالا میں بیان کیے گئے اپنے اس موقف کے ثبوت کے لیے علامہ کاسانی نے قرآن و احادیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے انہوں کہا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ-[1]

کیاوہ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے۔

علامہ کاسانی مذکورہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ؛ اللہ تبارک و تعالی نے فقیر کو مال زکوۃ کا مالک بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "آتوا الزکوۃ" اور "آتوا" کا مصدر "الایتاء" ہے جس کا معنی تملیک ہے، اور "إِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ " سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں زکوۃ کو صدقہ فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: "إِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ[2]" اور تصدق کا معنی تملیک ہے، پس نصاب کا مالک زکوۃ کی مقدار کو اللہ کی طرف نکالنے والا یعنی مالک بنانے والا ہوتا ہے۔[3]

اسی علامہ کاسانی نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

الصدقة تقع في يد الرحمن قبل أن تقع في كف الفقير-[4]

فقیر کی ہتھیلی پر آنے سے پہلے صدقہ رحمن کے ہاتھ میں آتا ہے۔

علامہ المرغینانی، حنفی لکھتے ہیں۔

لا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن ولا يقضى بها دين ميت لأن قضاء دين الغير لا يقتضي التمليك منه لا سيما من الميت، ولا تشترى بها رقبة تعتق-[5]

---

[1]۔التوبة:۱۰۴۔

[2]۔التوبة:۶۰۔

[3]۔بدائع الصنائع/۲:۳۹۔

[4]۔الطبرانی، سليمان بن أحمد بن أيوب (م ۳۶۰ھ)، المعجم الكبير، القاهرة، مكتبة ابن تيمية/رقم الحديث: ۸۵۷۱۔

[5]۔ المرغينانی، علي بن أبي بكر، الفرغانی (م۵۹۳ھ)، الهداية، لبنان، بيروت، دار احياء التراث العربی، باب من يجوز دفعالصدقة/۱:۱۱۱۔

مال زکوۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ ہی میت کو کفن دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور نہ ہی اس سے میت کا قرض اتارا جائے گا کیونکہ غیر کا قرض ادا کرنے سے میت کی طرف سے تملیک نہیں ہے اور نہ ہی مال زکوۃ سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا۔

فتح القدیر میں ہے۔

قوله لانعدام التمليك وهو الركن فإن الله تعالى سماها صدقة، وحقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير، وهذا في البناء ظاهر وكذا في التكفين لأنه ليس تمليكا للكفن من الميت-[1]

(مال زکوۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ ہی میت کو کفن دیا جائے گا) کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور تملیک زکوۃ کا رکن ہے کیونکہ اللہ تعالی نے زکوۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو مال کا مالک بنایا جائے گا، یہی بات ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور ایسے ہی میت کی تکفین میں بھی کیا جائے گا کیونکہ میت کو کفن پہنانے میں تملیک نہیں ہے۔

آخری چار مصارف زکوۃ میں عدم وجوب تملیک کے قائل بعض فقہائے احناف کے دلائل:

فقہائے احناف میں سے علامہ خفاجی، علامہ ابو سعود حنفی، علامہ شیخ زادہ اور علامہ آلوسی وغیر ھم نے کہا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک کا تعلق مصارف زکوۃ کی پہلی چار اقسام کے ساتھ ہے اور آخری چار اقسام میں تملیک نہیں کی جائے گی بلکہ مال زکوۃ کو ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے گا چنانچہ علامہ الخفاجی، الحنفی لکھتے ہیں:

أن الأصناف الأربعة الأوائل يملكون ما يدفع إليهم لأخذهم له تملكا، والأواخر لا يملكونه بل يصرف في جهتهم، ومصالحهم فمال المكاتب يأخذه سيده والغارم رب الدين.[2]

(پہلے چار مصارف کے ساتھ "**لام**" اور آخری چار مصارف کے ساتھ "**فی**" ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ) پہلے چار مصارف میں مستحقین زکوۃ کو زکوۃ دے کر مال زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے گا اور آخری چار مصارف زکوۃ میں مستحقین

---

[1]۔ابن الهمام، محمدبن عبدالواحد، كمال الدين(م ۸۶۱ھ)، فتح القدير، دار الفكر/۲: ۲۶۷۔

[2]۔الخفاجی، أحمد بن محمد بن عمر، شهاب الدين، الحنفی(م۱۰۶۹ھ)، عناية القاضی و كفاية الراضی، بيروت، دار صادر/۴: ۳۳۶۔

زکوۃ کو مال زکوۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ مال زکوۃ ان کے مصالح پر خرچ کیا جائے گا پس مکاتب کے حصہ کی زکوۃ اس کے مالک کو دے دی جائے گی اور مقروض کے حصہ کی زکوۃ اس کے قرض خواہ کو دے دی جائے گی۔

علامہ شیخ زادہ، حنفی لکھتے ہیں:

العدول عن الام الی فی للدلالۃ علی ان الاستحقاق للجھۃ لا للرقاب -[1]

پہلے چار مصارف کا ذکر کرنے کے بعد **"لام"** سے **"فی"** کی طرف عدول کرنے میں دلیل یہ ہے کہ تملیک کا یہ استحقاق پہلے چار مصارف کے لیے ہے، **"الرقاب"** (اور بعد والے مصارف) کے لیے نہیں ہے۔

علامہ محمود الآلوسی ،الحنفی لکھتے ہیں:۔

والعدول عن اللام إلى في في الأربعة الأخيرة على ما قال الزمخشري للإيذان بأنهم أرسخ في إستحقاق الصدقة ممن سبق ذكره لما أن في للظرفية المنبئة عن إحاطتهم بها وكونهم محلها ومركزها وعليه فاللام لمجرد الإختصاص ثم سرا آخر هو أظهر وأقرب وذلك أن الأصناف الأوائل ملاك لما عساه أن يدفع إليهم وإنما يأخذونه تملكا فكان دخول اللام لائقا بهم وأما الأربعة الأواخر فلا يملكون لما يصرف نحوهم بل ولا يصرف إليهم ولكن يصرف في مصالح تتعلق بهم -[2]

زمخشری نے کہا کہ آخری چار مصارف میں **"لام"** سے **"فی"** کی طرف عدول کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف کے مقابلے میں صدقہ اور زکوۃ دیے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ **"فی"** ظرفیت کے لیے آتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ آخری چار مصارف ،زکوۃ کا مصرف اور محل ہیں اور یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ **"لام"** محض اختصاص کے لیے ہے پھر ان آخری چار مصارف میں دوسرا ،راز یہ ہے کہ یہ آخری چار مصارف زکوۃ پہلے چار مصارف کے مقابلے میں زکوۃ کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ کہ پہلے چار مصارف زکوۃ میں مستحقین کو زکوۃ دے کر مال زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے گا پس **"لام"** کا دخول انہی

[1] ۔شیخ زادہ، محمد بن مصلح الدین، محیی الدین، الحنفی، حاشیۃ، شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی، لبنان، دار الکتب العلمیۃ /٤:٤٧٩۔

[2] ۔الآلوسی، محمود بن عبداللہ، ابو الفضل، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، بيروت، دار إحياء التراث العربي /١٠:١٢٤۔

کے لائق ہے اور آخری چار مصارف میں مستحقین کو مال زکوۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ مال زکوۃ ان کے مصالح و منافع پر خرچ کیا جائے گا۔

آخری چار مصارف زکوۃ میں عدم وجوب تملیک کے قائل ائمہ ثلاثہ کے دلائل:۔

ائمہ ثلاثہ یعنی مالکیہ ،شوافع اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ آخری چار مصارف میں تملیک ضروری اور واجب نہیں ہے۔ چنانچہ ابو

عبد اللہ قرطبی، مالکی امام مالک کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ مَالِكٌ: هِيَ الرَّقَبَةُ تُعْتَقُ وَوَلَاؤُهَا لِلْمُسْلِمِينَ، وَكَذَلِكَ إِنْ أَعْتَقَهَا الْإِمَام.... وَاخْتُلِفَ هَلْ يُعَانُ مِنْهَا الْمُكَاتَبُ، فَقِيلَ لَا. رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ مَالِكٍ، لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا ذَكَرَ الرَّقَبَةَ دَلَّ عَلَى أَنَّهُ أَرَادَ الْعِتْقَ الْكَامِلَ، وَأَمَّا الْمُكَاتَبُ فَإِنَّمَا هُوَ دَاخِلٌ فِي كَلِمَةِ الْغَارِمِينَ بِمَا عَلَيْهِ مِنْ دَيْنِ الْكِتَابَةِ، فَلَا يَدْخُلُ فِي الرِّقَابِ.[1]

امام مالک نے کہا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے گا اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہو گی، اگرچہ اس کو امام نے آزاد کیا ہو البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی جائے گی یا نہیں کیونکہ جب اللہ تعالی غلام آزاد کرنے کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور رہا مکاتب تو وہ غارمین کے کلمہ میں داخل ہے کیونکہ اس کے اوپر مکاتبت کا قرض ہوتا ہے اس لیے وہ رقاب میں داخل نہیں ہو گا۔

امام الرازی، الشافعی لکھتے ہیں:

والدليل عليه أنه تعالى أثبت الصدقات للأصناف الأربعة الذين تقدم ذكرهم بلام التمليك وهو قوله إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ ولما ذكر الرقاب أبدل حرف اللام بحرف في فقال وَفِي الرِّقَابِ فلا بد لهذا الفرق من فائدة وتلك الفائدة هي أن تلك الأصناف الأربعة المتقدمة يدفع إليهم نصيبهم من الصدقات حتى يتصرفوا فيها كما شاؤوا وأما فِي الرِّقَابِ فيوضع نصيبهم في تخليص رقبتهم عن الرق ولا يدفع إليهم ولا يمكنوا من التصرف في ذلك النصيب كيف شاؤوا بل يوضع في الرقاب بأن يؤدي عنهم وكذا القول في الغارمين يصرف

[1] القرطبی، محمد بن أحمد بن أبي بکر بن فرح، ابو عبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، القاهرة، دار الکتب المصرية/٨: ١٨٢۔

المال في قضاء ديونهم وفي الغزاة يصرف المال إلى إعداد ما يحتاجون إليه في الغزو وابن السبيل كذلك والحاصل أن في الأصناف الأربعة الأول يصرف المال إليهم حتى يتصرفوا فيه كما شاؤوا وفي الأربعة الأخيرة لا يصرف المال إليهم بل يصرف إلى جهات الحاجات المعتبرة في الصفات التي لأجلها استحقوا سهم الزكاة-[1]

اللہ تعالی کے فرمان "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء "میں مصارف زکوۃ کی پہلی چار اقسام کا ذکر کرنے سے پہلے **"لام"** تملیک لانے اور **"الرقاب"** کا ذکر کرتے وقت حرف **"لام"** کو حرف **"فی"** سے بدل دینے اور **"وَ فِی الرِّقَاب"** فرمانے میں کوئی فائدہ ضرور ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں مستحقین کو زکوۃ دے کر مال زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا، اسی طرح مجاہدین کی زکوۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا، اسی طرح مسافروں کے حصہ کی زکوۃ ان کی ضرورت میں خرچ کی جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کے حصص ان کو نہیں دیے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوۃ ان پر خرچ کی جائے گی۔

تفسیر الخازن میں ہے:

ويدل عليه أنه سبحانه وتعالى أثبت الصدقات للأصناف الأربعة المتقدمة بلام الملك فقال: إنما الصدقات للفقراء. وقال: في الصنف الخامس وفي الرقاب فلا بد لهذا الفرق من فائدة وهي أن الأصناف الأربعة المتقدم ذكرها يدفع إليهم نصيبهم من الصدقات فيصرفون ذلك فيما شاؤوا وأما الرقاب فيوضع نصيبهم في تخليص رقابهم من الرق ولا يدفع إليهم ولا يمكنون من التصرف فيه وكذا القول في الغارمين فيصرف نصيبهم في قضاء ديونهم وفي

[1] ـ الرازی، محمد بن عمر، فخر الدین، الشافعی (م ٦٠٦ھ)، مفاتيح الغيب، بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية/ ١٦: ٩٠۔

الغزاة يصرف نصيبهم فيما يحتاجون إليه في الغزو وكذا ابن السبيل فيصرف إليه ما يحتاج إليه في سفره إلى بلوغ غرضه-[1]

اللہ تعالی کے فرمان " **اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء**" میں مصارف زکوۃ کی پہلی چار اقسام کا ذکر کرنے سے پہلے لام تملیک لانے اورپانچویں قسم میں "**وَ فِی الرِّقَاب**"فرمانے میں کوئی فائدہ ضرور ہےاور وہ فائدہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں مستحقین کو زکوۃ دے کر مال زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا ،اسی طرح مجاہدین کی زکوۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا، اسی طرح مسافروں کے حصہ کی زکوۃ ان کی ضرورت میں خرچ کی جائے گی ۔

اللباب فی علوم الکتاب میں ہے:

ولما ذكر "الرقاب" أبدل حرف اللام بحرف «في» فقال: «وفِي الرِّقابِ» فلا بدَّ لهذا الفرق من فائدة، وهي أنَّ الأصنافَ الأربعة يدفع إليهم نَصِيبُهُمْ. وأما الباقون فيصرف نصيبهم في المصالح المتعلقةِ بهم لا إليهم-[2]

جب اللہ تبارک وتعالی نے "**الرقاب**"کا ذکر فرمایاتو حرف"**لام**"کو" **فی**" سے بدل کر فرمایا"**وفی الرقاب**"۔اس تبدیلی کوئی فائدہ توضرور ہےاور وہ فائدہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصہ کی زکوۃ انہیں دے دی جائے گی اور باقی چار مصارف میں ان کے حصہ کی زکوۃ انہیں نہیں دی جائے گی بلکہ ان کے مصالح میں خرچ کی جائے گی۔

[1]۔الخازن، علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر، تفسير الخازن، بيروت، دار الكتب العلمية/ ٢: ٣٧٥۔

[2]۔النعمانی، سراج الدين عمر بن علي، ابو حفص، اللباب فی علوم الكتاب، لبنان، بيروت، دار الكتب العلمية. ١٠: ١٢٦۔

تمام مصارف زکوۃ میں تملیک کے قائل بعض متاخرین اور معاصر علمائے احناف کا موقف:۔

متاخرین یا عصر حاضر کے فقہائے احناف میں سے جن کی رائے اب تک منظر عام پر آچکی ہے ان میں سے جمہور متاخرین یا عصر حاضر کے متاخرین فقہائے احناف کا موقف بھی وہی ہے جو جمہور متقدمین فقہائے احناف کا ہے کہ؛ تمام مصارف زکوۃ میں تملیک شرط ہے اور تملیک کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔

امام احمد رضا خان بریلوی ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

لما صرحوا بها أن ركنها التمليك فلا تجوز في بناء مسجد أو تكفين ميت وغير ذالك-[1]

اس لیے کہ فقہاء نے اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے کہ زکوۃ کا رکن تملیک ہے لھذا تعمیر مسجد اور تکفین میت اور اس نوع کی دوسری صورتوں میں زکوۃ جائز نہ ہو گی۔

فقیہ اعظم ،مولانا محمد نوراللہ نعیمی ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

پرائمری سکول کی عمارت کیا مسجد کی عمارت میں بھی زکوۃ فنڈ نہیں دیا جا سکتا۔[2]

دوسرے مقام پر ایک استفتاء کے جواب میں لکھاکہ:

واقعی زکوۃ میں تملیک شرط ہے۔[3]

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

اتفق جماهير فقهاء المذاهب على أنه لا يجوز صرف الزكاة إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المساجد والجسور والقناطر والسقايات وكري الأنهار وإصلاح الطرقات، وتكفين الموتى، وقضاء الدين، والتوسعة على الأضياف، وبناء الأسوار وإعداد وسائل الجهاد، كصناعة السفن الحربية وشراء السلاح، ونحو ذلك من القرب التي لم يذكرها الله تعالى مما لا تمليك فيه؛ لأن الله سبحانه وتعالى قال: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ [التوبة:٩/ ٦٠]

---

[1]۔ بریلوی، احمد رضا، خان، فتاوی رضویہ، پاکستان، لاہور، رضافاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ /۲۳:۱۳۱۔

[2]۔ فقیہ اعظم، محمد نوراللہ، نعیمی، فتاوی نوریہ، اوکاڑہ، بصیرپور، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ /۲:۱۲۶۔

[3]۔ فقیہ اعظم، محمد نوراللہ، نعیمی، فتاوی نوریہ، اوکاڑہ، بصیرپور، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ /۲:۱۲۷۔

وكلمة ''إنما'' للحصر والإثبات، تثبت المذكور وتنفي ماعداه، فلا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه؛ لأنه لم يوجد التمليك أصلا-[1]

جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کے بیان کردہ مصارف زکوۃ کے علاوہ پر زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے یعنی زکوۃ کی رقم سے مساجد، پل، عمارتیں، سقایا، نہریں، سڑکیں بنانا، مردوں کو کفن پہنانا، میت کا قرض ادا کرنا ، مہمان نوازی کرنا، جیلیں بنانا اور سامان حرب وضرب خریدنا (مثلا فوج کے لیے کشتی اور اسلحہ وغیرہ) جائز نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالی کا قرب عطا کرنے والے وہ کام جن کو اللہ تعالی نے تملیک کے باب میں ذکر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے "**انما الصدقات للفقراء** "اور کلمہ "**انما**" حصر واثبات کے لیے آتا ہے جو مذکور چیزوں کو ثابت کر دیتا ہے اور غیر مذکور کی نفی کر دیتا ہے پس ان (مذکورہ) جگہوں کے علاوہ زکوۃ کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے علاوہ چیزوں میں اصلا تملیک نہیں پائی جاتی۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

ولأن الله أثبت الحق في هذه الصدقات بلام التمليك للأصناف الثمانية-[2]

کیونکہ اللہ تعالی نے مال زکوۃ میں ان آٹھ قسموں کے لیے لام تملیک کے ساتھ حق کو ثابت کر دیا ہے۔

آخری چار مصارف میں عدم وجوب تملیک کے قائل بعض متاخرین علماء کا موقف:

ائمہ ثلاثہ یعنی مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کی طرح بعض متاخرین علماء بھی آخری چار مصارف زکوۃ میں تملیک کے قائل نہیں ہیں اور ان کا موقف یہ ہے کہ آخری چار مصارف میں زکوۃ مستحقین کے قبضہ وتصرف میں نہیں دی جائے گی بلکہ ان کے مصالح ومنافع میں خرچ کی جائے گی۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

فإن قلت لم عدل عن اللام إلى (في) في الأربعة الأخيرة قلت للإيذان بأنها أرسخ في استحقاق التصدق عليهم ممن سبق ذكره وقيل النكتة في العدول أن الأصناف الأربعة الأول يصرف المال إليهم حتى يتصرفوا به كما شاءوا، وفي الأربعة الأخيرة لا يصرف المال

---

[1] -الزحیلی، وھبہ بن مصطفی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر/۲:۸۷۵۔

[2] ۔ایضا، التفسیر المنیر، دمشق، دار الفکر المعاصر/۱۰:۲۶۰۔

إليهم بل يصرف إلى جهات الحاجات المعتبرة في الصفات التي لأجلها استحقوا سهم الزكاة.[1]

پس اگر تو کہے کہ آخری چار مصارف میں **"لام"** سے **"فی"** کی طرف عدول کیوں کیا، تو میں کہوں گا کہ آخری چار مصارف، پہلے چار مصارف کے مقابلے میں مال زکوۃ کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں اور یہ بات بھی کہی گئی کہ **"لام"** سے **"فی"** کی طرف عدول کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف زکوۃ میں مال زکوۃ ان کے قبضہ و تصرف میں دے دیا جائے گا بایں طور کہ وہ اسے جیسے چاہیں خرچ کریں اور آخری چار میں مال زکوۃ ان کے قبضہ و تصرف میں نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوۃ ان کی حاجات ضروریہ میں خرچ کی جائے گی۔

الدکتور یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

الحاصل أن الأصناف الأربعة الأولى يصرف المال إليهم حتى يتصرفوا فيه كما شاؤوا في الأربعة الأخيرة لا يصرف المال إليهم بأن يصرف إلى جهات المعتبرة في الصفات التى لأجلهااستحقوا الزكوة -[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ (مصارف زکوۃ) کی پہلی چار قسموں میں مال مستحقین کے قبضہ میں دے دیا جائے گا حتی کہ وہ جیسے چاہیں خرچ کریں اور دوسری چار قسموں میں مال مستحقین کے قبضہ میں نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کی ان ضروریات میں خرچ کیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ زکوۃ کے مستحق ہوئے ہیں۔

تفسیر المنار میں ہے:

أَنَّ مَصَارِفَ الصَّدَقَاتِ فِي الْآيَةِ قِسْمَانِ (أَحَدُهُمَا) أَصْنَافٌ مِنَ النَّاسِ يَمْلِكُونَهَا تَمْلِيكًا بِالْوَصْفِ الْمُقْتَضِي لِلتَّمْلِيكِ، وَعَبَّرَ عَنْهُ بِلَامِ الْمِلْكِ. (وَثَانِيهِمَا) مَصَالِحُ عَامَّةٌ اجْتِمَاعِيَّةٌ وَدَوْلِيَّةٌ لَا يُقْصَدُ بِهَا أَشْخَاصٌ يَمْلِكُونَهَا بِصِفَةٍ قَائِمَةٍ فِيهِمْ وَعَبَّرَ عَنْهُ بِه " فِي " الظَّرْفِيَّةِ-[3]

آیت صدقات (إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ) میں مصارف زکوۃ کی دو قسمیں ہیں ان قسموں میں سے پہلی قسم وہ ہے جس میں لوگ مالک بنتے ہیں ایسے وصف کی وجہ سے جو تملیک کا تقاضا کرتی ہے اور اس وصف

---

[1]۔نواب، محمد صدیق خان بن حسن بن علی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، بیروت، المکتبۃ العصریۃ/۵:۳۳۲۔

[2]۔القرضاوی، یوسف، الدکتور، فقہ الزکوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ۔۶۱۴۔

[3]۔محمد رشید بن علی رضا، تفسیر المنار، الهیئة المصریة العامة للکتاب (طبع ۱۹۹۰)/۱۰:۴۳۶۔

کو قرآن کریم نے لام تملیک کے ساتھ بیان کیا ہے اور دوسری قسم کا تعلق عامۃ الناس، ملکی اوراجتماعی معاملات سے ہے ،اس قسم میں کسی شخص کو مالک بنانے کا قصد نہیں کیا جاتا ایسی صفت کی وجہ سے جو ان میں موجود ہوتی ہے اور اس چیز کو قرآن نے" اللام التملیک "کی بجائے" **فی**" ظرفیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مجتہد فی العصر علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے تملیک کے ثبوت میں جو دلیل دی ہے کہ آتوا اور صدقہ کرنے کا معنی فقیر کو مالک بنانا ہے وہ کتب لغت اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے زکوۃ میں تملیک کو رکن یا شرط قرار نہیں دیا البتہ سورۃ توبہ کی اس آیت میں مذاہب اربعہ کے مفسرین نے" **للفقراء و المساكين و العاملين عليها و المؤلفة قلوبهم** " میں لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور" **في الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل** "میں لام کی جگہ "**فی** "لانے کی وجہ ان مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غلام آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ زکوۃ کی رقم کو ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، خصوصا حنفی مفسرین میں سے علامہ خفاجی، علامہ شیخ زادہ، علامہ ابو سعود اور علامہ آلوسی کا یہی مختار رہے ،سو اگر ہمارے علماء احناف اس نظریہ سے اتفاق کر لیں تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ دینی مدارس، مساجد، ہسپتالوں اور دیگر فلاحی کاموں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکے گی اور حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی ہمارے اہل علم اور اہل فتوی حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے۔[1]

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

ادائیگی زکوۃ کے لیے تملیک کوئی ضروری شرط نہیں ہے۔ اس کے حق میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ جو لوگ تملیک کے رکن یا شرط ہونے کا دعوی کرتے ہیں، وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں جو کچھ پیش کرتے ہیں، اس کی حیثیت ایک استنباط سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اور محض ایک استنباط اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس کی بنا پر تملیک کو زکوۃ کا رکن قرار دیا جائے۔[2]

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے افادات کو جمع کرتے ہوئے مسز فریدہ سجاد لکھتی ہیں:

---

[1]۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، لاہور، اردو بازار، فرید بک سٹال / ۵:۱۷۹۔

[2]۔ اصلاحی، امین احسن، مسئلہ تملیک، المورد، ۵۱ کے ماڈل ٹاؤن لاہور / ۳۵۔

مختلف فقہائے کرام کے اجمالی مؤقف سے بنیادی نقطہ بہر حال واضح ہو جاتا ہے کہ ادائیگی زکوۃ میں تملیک ذاتی شرط نہیں بلکہ اس میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے اور ادائیگی کے لیے بہت سے طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ کرنا کہ زکوۃ صرف انفرادی طور پر لوگوں کو دینے سے ہی ادا ہوگی، اجتماعی مقاصد و مصالح پر خرچ نہیں ہو سکتی یہ تصور سرے کسی فقہی مذہب میں نہیں ہے نہ احناف اور مالکیہ کا ہے، نہ شوافق اور حنابلہ کا یہ قول ہے۔[1]

تملیک شخصی کو زکوۃ کارکن قرار دینے کے قائل فقہائے احناف کے دلائل کا ناقدانہ جائزہ:-

جمہور فقہائے احناف نے ادائیگی زکوۃ کے لیے تمام مصارف زکوۃ میں تملیک کو زکوۃ کارکن قرار دیا ہے چنانچہ علامہ کاسانی وغیرہم نے اپنے اس موقف پر قرآن پاک کی آیت "**و آتوا الزکوۃ**[2]"کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ اس آیت میں موجود لفظ "**آتوا**: کا اصل" **الایتاء**" ہے جس کا معنی "**کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا**" ہے اور لفظ صدقہ کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ "**صدقة**" کا معنی بھی تملیک ہے جس سے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کا رکن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ فقہائے احناف نے جن الفاظ کا معنی تملیک لیا ہے، ائمہ لغت نے ان الفاظ کے کیا معانی بیان کیے ہیں۔

صاحب تاج العروس، علامہ الزبیدی نے بحوالہ "الکشاف" لکھا کہ "**اشْتَهَرَ الإِيتاءُ فِي مَعْنى الإِعْطاءِ**"یعنی الایتاء ,الاعطاء کے معنی میں مشہور ہے اور امام راغب ،اصفہانی کے حوالہ سے لکھا کہ "**الإِيتاءُ مَخْصوص بدَفْعِ الصَّدَقَةِ**"یعنی الایتاء کا لفظ صدقہ دینے کے معنی میں مخصوص ہے نیز علامہ الزبیدی نے امام راغب اصفہانی کی مندرجہ بالا عبارت کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ لفظ "الایتاء" قرآن پاک میں صدقہ دینے کے معنی کے ساتھ خاص ہے۔[3] جیسا کہ اللہ تعالی کے فرمان "**ويُؤْتُونَ الزَّكاةَ**[4]اور **وآتُوا الزَّكاةَ**[5]" سے ثابت ہے ۔[6]

ابن منظور افریقی لفظ "**الایتاء**" کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الایتاء بمعنی **الاعطاء** ہے یعنی کسی کو کوئی چیز دینا، عطا کرنا۔[7]

---

[1]۔ مسز فریدہ سجاد، زکوۃ اور صدقات از افادات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج پبلیکیشنز، لاہور /۶۵۔

[2]۔البقرة:۴۳۔

[3]۔مرتضی الزبیدی، محمّدبن محمّدبن عبدالرزّاق، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية/۳۷:۳۴۔

[4]۔المائده:۵۵۔

[5]۔البقرة:۱۱۰۔

[6]۔مرتضی، الزبیدی، محمدبن محمدبن عبد، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية، باب؛اتی/۳۷:۳۴۔

[7]۔ابن منظور، الافریقی، محمدبن مکرم بن علی، لسان العرب، بیروت، دار صادر/۱۴:۱۷۔

امام راغب، اصفہانی لفظ **"الایتاء"** کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الایتاء بمعنی **الاعطاء** ہے یعنی کسی کو کوئی چیز دینا یا بخشنا، اور کہا کہ قرآن پاک میں یہ لفظ بالتخصیص صدقات دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[۱]

ہم نے مندرجہ بالا میں مشہور ائمہ لغت کے حوالہ سے لفظ "الایتاء" کے معانی بیان کیے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشہور ائمہ لغت میں سے کسی نے بھی لفظ "الایتاء" کا معنی تملیک یا مالک بنانا نہیں لکھا اور نہ ہی "الایتاء" بمعنی تملیک قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

قَالَ يَاقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ -[۲]

(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے (واضح) دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت عطا کی ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے۔

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ-[۳]

پھر جب وہ حاملہ ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی، اگر تو نے ہمیں نیک بیٹا دیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہو جائیں گے۔

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا -[٤]

پس اللہ نے جب انہیں بہترین بچہ دیا۔

سورۃ البقرۃ میں ہے۔

فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ-[٥]

---

[۱]۔ الراغب، حسن بن محمد، الاصفہانی، مفردات القرآن، لاہور، اہل حدیث اکادمی۔ ص ۱۲۔

[۲]۔ ھود: ۲۸۔

[۳]۔ الاعراف: ۱۸۹۔

[٤]۔ ایضا: ۱۹۰۔

[٥]۔ البقرۃ: ۲٦٥۔

تو اس باغ نے دگنا پھل دیا۔

سورۃ الکھف میں ہے۔

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ-[1]

مجھے لوہے کے بڑے، بڑے ٹکڑے لادو۔

سطور بالا میں پیش کی گئیں تمام آیات میں لفظ "**الایتاء**" اصل مادہ کے طور پر استعمال ہوا ہے لیکن مذکورہ آیات میں سے کسی آیت میں بھی اس لفظ کا معنی مالک بنانا بیان نہیں ہوا۔

فقہائے احناف میں سے علامہ کاسانی اور امام ابن ہمام وغیرھم نے تملیک کے ثبوت میں دوسری دلیل یہ دی ہے کہ قرآن پاک میں مستعمل لفظ صدقہ کا معنی تملیک ہے۔

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ائمہ لغت نے لفظ صدقہ کے کیا معانی بیان کیے ہیں۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لفظ صدقہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الصدقة بمعنی "ما أعْطَيْتَهُ في ذاتِ الله تعالى" یعنی صدقہ وہ چیز ہے جسے تو اللہ کی ذات کے لیے دیتا ہے۔[2]

مرتضی الزبیدی لکھتے ہیں:

الصّدَقَة بمعنی "مَا أعْطَيْتَه فِي ذاتِ اللهِ تَعالَى للفُقراءِ" یعنی صدقہ وہ ہے جسے تو اللہ کے لیے فقراء کو دیتا ہے۔ اور بحوالہ **الصحاح** لکھا "مَا تصدَّقْتَ بِهِ على الفُقَراءِ" یعنی صدقہ وہ ہے جسے تم فقراء پر صدقہ کرو اور بحوالہ مفردات امام الراغب، اصفہانی لکھا "الصَّدَقة: مَا يُخرِجُه الإنسانُ من مالِه على وجْهِ القُرْبةِ، كالزّكاة" یعنی صدقہ وہ ہے جسے انسان اپنے مال سے بطور عبادت نکالتا ہے جیسے زکوۃ اور پھر آخر میں لکھا کہ "لَكِن الصّدَقَة فِي الأَصْل تُقالُ للمتطَوَّعِ بِهِ, والزّكاة تُقال للواجِب" یعنی: لیکن صدقہ اصل میں نفلی خیرات کو کہا جاتا ہے اور زکوۃ خیرات واجبہ کو کہتے ہیں۔[3]

الغرض قرآن مجید میں موجود لفظ "الایتاء" کے تمام صغیوں اور ان کے اطلاقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "**الایتاء**" کا معنی حاضر کرنا اور کسی کو کوئی چیز دینا اور مہیا کرنا ہے اسی طرح احادیث میں بھی یہ لفظ جہاں کہیں

---

[1]۔الکھف:۹۶۔

[2]۔القاموس المحیط/۱۱۶۲:۱۔

[3]۔تاج العروس/۱۲:۲۶۔

استعمال ہوا ہے تو اسی معنی میں استعمال ہوا ہے لھذا مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ لفظ "**الایتاء**" کے معنی میں تملیک کا معنی و مفہوم داخل نہیں ہے۔

اسی طرح مذکورہ بالا میں ائمہ لغت کی طرف سے پیش کی گئیں لفظ صدقہ کی معنوی تصریحات سے بھی یہ بات ثات ہو گئی ہے کہ لفظ صدقہ کے لغوی معنی میں تملیک کا معنی و مفہوم موجود نہیں ہے۔

پھر یہ کہ ائمہ ثلاثہ کی بیان کردہ زکوۃ کی تعریفات اور فقہی تصریحات سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک زکوۃ ادا کرنے کے لیے مالک بنانا ضروری اور لازم نہیں ہے چنانچہ علامہ الماوردی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں زکوۃ کی تعریف بیان کی ہے۔

أَنَّ الزَّكَاةَ فِي الشَّرْعِ، اسْمٌ صَرِيحٌ لِأَخْذِ شَيْءٍ مَخْصُوصٍ، مِنْ مال مخصوص، على أوصافه مَخْصُوصَةٍ لِطَائِفَةٍ مَخْصُوصَةٍ۔[1]

کسی مخصوص چیز کو مخصوص مال سے اوصاف مخصوصہ کے ساتھ جماعت مخصوصہ کے لیے لیناشرعاً زکوۃ ہے۔

اسی طرح علامہ منصور بن یونس البھوتی، الحنبلی لکھتے ہیں۔

الزَّكَاةُ شَرْعًا :حَقٌّ وَاجِبٌ فِي مَالٍ مَخْصُوصٍ لِطَائِفَةٍ مَخْصُوصَةٍ فِي وَقْتٍ مَخْصُوص.[2]

زکوۃ کا شرعی معنی: زکوۃ ایک ایسا حق ہے جو مخصوص مال میں، جماعت مخصوصہ کے لیے، مخصوص وقت میں واجب ہے۔

نتیجہ بحث:

سطور بالا میں پیش کی گئیں عبارات سے جو بات بطور نتیجہ سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

جمہور فقہائے احناف نے تمام مصارف زکوۃ میں زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو زکوۃ کا رکن اور شرط قرار دیا ہے جس پر انہوں نے قرآن پاک کی آیت "**آتوا الزکوۃ**" اور اس معنی کی دوسری آیات اور مطلق صدقہ کرنے کا معنی تملیک بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمام مصارف زکوۃ میں تملیک شرط ہے۔

جبکہ مالکی ،شافعی اور حنبلی فقہاء نے زکوۃ کی ادائیگی میں نہ تو تملیک کو زکوۃ کا رکن قرار دیا ہے اور نہ ہی شرط؛ البتہ معاصر علماء میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی ، مصری شیخ الدکتور یوسف القرضاوی ، مصری عالم محمد رشید بن علی رضا اور امین احسن اصلاحی نے پہلے چار مصارف زکوۃ میں تملیک کو شرط قرار دیا ہے جبکہ آخری چار

---

[1]۔الماوردي، علي بن محمد بن محمد بن حبيب، الحاوي الكبير، لبنان، بيروت، دار الكتب العلمية/٣: ١٧۔

[2]۔البهوتی، منصور بن يونس، كشاف القناع عن متن الإقناع، دار الكتب العلمية/٢: ١٦٦-١٦٧۔

مصارف میں زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو شرط قرار نہیں دیا ہے اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط نہیں ہے اسی طرح مجتہد العصر علامہ غلام رسول سعیدی کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ آخری چار مصارف زکوۃ میں تملیک شرط نہیں ہے۔

تملیک شخصی کے بارے مقالہ نگار کا موقف:

سطور بالا میں پیش کی گئیں عبارات کی روشنی میں ناچیز راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ پہلے چار مصارف "فقراء، مساکین، عاملین اور مولفۃ القلوب" میں ادائیگی زکوۃ کے لیے تملیک واجب ہے بایں طور کہ مال زکوۃ ان مصارف کے قبضہ و تصرف میں دے دیا جائے کہ وہ اسے جہاں اور جیسے چاہیں خرچ کریں یعنی ان کو مالک بنائے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہو گی جبکہ آخری چار مصارف میں تملیک واجب اور شرط نہیں ہے بلکہ صاحب نصاب کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان آخری چار مصارف میں سے کسی ایک کو یا سب کو مال زکوۃ کا مالک بنا دے یا اگر چاہے تو مال زکوۃ ان کے قبضہ و تصرف میں دینے کی بجائے کسی ایسے فرد، ادارے اور انجمن کو دے دے جو ان کے مصالح اور منافع میں خرچ کرے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ جس کے میرے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

ا۔ قرآن واحادیث میں جتنی بار اور جس جگہ بھی زکوۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کسی بھی آیت اور حدیث میں تملیک شخصی کا معنی و مفہوم نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کسی آیت اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود ہے جس سے تملیک کا معنی و مفہوم مراد لیا جاسکے البتہ سورۃ توبہ کی آیت " **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ** " میں موجود لفظ "**لِلْفُقَرَاءِ**" کے حرف "**لِ**" کو بعض علماء نے تملیک کے معنی میں لیا ہے۔

تملیک کی شرط کے بغیر بیان کیا ہے کہ کتب لغت اور قرآن پاک کی متعدد آیات کے حوالہ سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ فقہائے احناف کا لفظ "**الایتاء**" بمعنی تملیک اور لفظ "**صدقة**" بمعنی فقیر کو مالک بنانا بیان کرنا کتب لغت اور قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے اب یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ فقہائے احناف نے یہ معنی کیونکر بیان کیا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے جمہور مفسرین نے سورۃ توبہ کی آیت " **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ**" میں "للفقراء" کے لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور " **وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ**"میں لام کی جگہ " **فی** " لانے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ "فی" ظرفیت کے لیے ہے جس کا ثمرہ اور نتیجہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ غلام آزاد

کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کے راستے میں نکلنے والوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری اور شرط نہیں ہے بلکہ زکوۃ کی رقم کو مؤخر الذکر چار مصارف کی ضروریات اور مصالح میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے بالخصوص حنفی مفسرین میں سے علامہ آلوسی ،ابوسعود، شیخ زادہ اور علامہ خفاجی کا یہی مؤقف ہے کہ اس آیت میں مذکور مصارف زکوۃ میں سے آخری چار مصارف والوں کو زکوۃ دے کر اس کا مالک بنانا شرط نہیں ہے بلکہ زکوۃ کو ان کے مصالح پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

اگر عصر حاضر کے ہمارے علمائے احناف ، مالکی، شافعی، حنبلی اور بعض حنفی علماء کی اس رائے کو قبول فرمالیں تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ مدارس دینیہ،اور دیگر رفاعی اور فلاحی اداروں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکے گی اور حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ویسے بھی یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ اب تقریبا تمام مدارس اور رفاعی ادارے تملیک کی شرط کالحاظ وخیال رکھے بغیر ڈاریکٹ ہی زکوۃ وصول کر رہے ہیں اور یہ بات ہمارے مفتیان کرام بھی جانتے ہیں تو جب ایک چیز پر عمل ہی نہیں ہو رہا تو کیوں ہم اس پر غور نہیں کر رہے۔

حاصل بحث:

سطور بالا میں پیش کی گئی تحقیق کا حاصل بحث مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔امت مسلمہ کا اس مسئلہ پر اجماع و اتفاق ہے کہ مصارف زکوۃ صرف یہی آٹھ ہیں جن کو سورۃ توبہ کی آیت "اِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ" میں بیان کیا گیاہے۔

۲۔آیت مبارکہ میں بیان کردہ آٹھ مصارف زکوۃ میں سے پہلے چار مصارف میں تملیک کے وجوب پر تمام علمائے امت کا اجماع واتفاق ہے۔

۳۔جمہور فقہائے احناف نے تمام مصارف زکوۃ میں تملیک کو زکوۃ کی ادائیگی کے لیے رکن اور شرط قرار دیا ہے۔

۴۔مالکی، شافعی، حنبلی فقہاء نے پہلے چار مصارف میں "لام "تملیک کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو واجب قرار دیاہے جبکہ آخری چار مصارف میں "فی "ظرفیت کی وجہ سے تملیک کو واجب اور لازم قرار نہیں دیا۔

۵۔سطور بالا میں پیش کی گئی تحقیق کی روشنی میں ناچیز راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچاہے کہ یہ مسئلہ اجتہاد کے اہل علماء کی توجہ کا منتظر ہے،جسے عصر حاضر کے علماء کو فقہی اصولوں کی روشنی میں بذریعہ اجتہاد از سر نو حل کرکے ایک اجتماعی رائے اور فتوی دینا چاہیے تاکہ اس مسئلہ سے جڑے کئی جدید مسائل حل کرنے میں مدد مل سکے۔ بالخصوص مفتیان کرام کو اس پر ضرور توجہ دینی چاہیے لیکن چونکہ عصر حاضر میں مطلوبہ اجتماعی اجتہاد خاصا مشکل کام ہے، اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر میں اپنے مطالعہ اور تحقیق کی روشنی میں بننے والی اپنی ذاتی رائے کا اظہار

کر دوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری اس انفرادی رائے سے ہی اجتماعی اجتہاد کی راہ ہموار ہو گی،جہاں تک اس مسئلہ میں میری رائے کا تعلق ہے تو اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ آخری چار مصارف زکوۃ میں عدم وجوب تملیک کے قائلین کی رائے زیادہ قوی، موزوں،صائب اور درست ہے اور فقہی اور لغوی اصولوں سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

امام ابنِ تیمیہؒ اور تعلیماتِ تصوف

☆ محمد محب اللہ اظہر

☆☆ ڈاکٹر محمد سرور

ABSTRACT

Among the scholars, Imam Ibn Taymiyyah is generally considered to be a dry-tempered and outspoken scholar who was a staunch opponent of the teachings of Tareeqah (spirituality) and Sufism. While the fact is that Allama Ibn Taymiyyah's corrective and renewal work included beliefs, commentary, hadith, jurisprudence, principles of jurisprudence, philosophy, logic and ethics, he also wrote corrective books in the field of Sufism. It will be interesting to note that Allama Ibn Taymiyyah was not only a practitioner of the teachings of Sufism in his everyday life, but he also wrote several books in this regard, many of which are based on corrective criticism but some on Sufism are based on the teachings that we find in the books of Sufism which have the status of primary sources. Apparently the reason for this impression is unfamiliarity with the true meaning of Sufism and ignorance of the theories of Allama Ibn Taymiyyah regarding Sufism. In our society, the one who possesses Sufism and Tareeqah is considered to be the one who presides over miracles and who can reveal the phenomenon of habits, while the reality is different. Sufism and spirituality is the name of self-purification and outward and inward reformation which is proved by the Holy Quran & the Sunnah of the Prophet (blessing & peace be upon him) and the biography of the Companions. Allama Ibn Taymiyyah pointed out the innovations took place in mysticism and tried to turn the Ummah towards true Sufism.

☆ لیکچرار منہاج یونیورسٹی لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ویٹرنری یونیورسٹی، لاہور

تعارف

اس آرٹیکل میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ امام ابنِ تیمیہؒ طریقت وتصوف کے مخالف تھے یا مؤید۔ نیز ان کی اپنی زندگی میں تعلیماتِ تصوف کی جھلک نظر آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں عمومی تاثر یہی پایا جاتا ہے کہ وہ تصوف و طریقت اور صوفیاء و اولیاء کے سخت مخالف تھے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم پہلے تصوف کا معنیٰ و مفہوم سمجھیں تاکہ علّامہ ابنِ تیمیہؒ کی زندگی میں اس کے موجود یا معدوم ہونے کا کھوج لگا سکیں۔

تصوّف کا مفہوم

تصوّف کے مفہوم کے حوالے سے اہلِ علم کے ہاں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں تصوف کا معنیٰ بیان کرتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ كُدُورَةِ الْمُخَالَفَة-[۱]

" باطن کو مخالفتِ حق کی کدورت سے پاک کرنے کا نام تصوف ہے"۔

صاحبِ منجد اس مادہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

الصفو هو الاخلاص في المودة، الصفى هو الصديق الخالص-[۲]

"الصفو کے معنیٰ محبت میں اخلاص کے ہیں۔ اور صفی سے مراد مخلص دوست ہوتا ہے"۔

امام جلال الدین السیوطی، تصوف کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

التصوفُ: هُوَ الْعِلْمُ بِا لْأُصُولِ الْمورُوثَةِ مِنْ تَصْحِيحِ الْأَعْمَالِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا. [۳]

"تصوف ان اصولوں پر مبنی علم ہے جو اعمال کی ظاہری وباطنی تصحیح پر مشتمل ہو"۔

امام مناوی تصوف کی تعریف میں یوں گویا ہیں:

---

۱. ہجویری، سید علی بن عثمان (۲۰۱۰ء)، کشف المحجوب مترجم، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ص:۸۸

۲. یسوعی، لوئیس معلوف، (۱۹۷۵ء) المنجد، دارالاشاعت کراچی، ص:۵۷۰

۳. سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین (۲۰۰۴ء)، معجم مقالید العلوم فی العلوم والرسوم، مکتبۃ الآداب، القاہرہ، مصر۔ ص:۲۱۰

التصوف: الوقوف مع الآداب الشرعية ظاهرا فيرى حكمها من الظاهر في الباطن، وباطنا فيرى حكمها من الباطن في الظاهر.[1]

"آدابِ شرعیہ کے ساتھ ظاہری طور پہ اس طرح تمسک کرنا کہ ان کا حکم باطن میں نظر آئے اور آدابِ باطن کیساتھ اس طرح تمسک کہ ان کا حکم ظاہر میں نظر آئے تصوّف کہلاتا ہے"۔

تصوف کی تعریف کرتے ہوئے قاضی عبد النبی لکھتے ہیں:

التصوف: تَجْرِيد الْقلب لله تَعَالَى واحتقار مَا سوى الله تَعَالَى.[2]

"اللہ تعالیٰ کیلیے دل کو ہر غیر سے خالی کرلینا اور ماسوی اللہ کو حقیر جاننا تصوف کہلاتا ہے"۔

المعجم الوسیط میں تصوف کا معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے:

(التصوف) طَرِيقَة سلوكية قوامها التقشف والتحلي بالفضائل لتزكو النَّفس وتسمو الرّوح-[3]

"تصوف سلوک کا وہ طریقہ ہے جس کی بنیاد ترکِ لذّت ہو اور جو فضائل سے مزین ہو تاکہ (اہلِ سلوک) نفس کا تزکیہ کر سکیں اور روح کی حقیقت کو جان سکیں۔"

امام محمد الغزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں تصوف کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

وأما التصوف فهو عبارة عن تجرد القلب لله تعالى واستحقار ما سوى الله.[4]

"جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کیلئے دل کو تنہا اور فارغ کرنے اور اس کے سوا ہر شے کو حقیر جاننے سے عبارت ہے"۔[7]

امام قشیریؒ، شیخ احمد بن محمد نوری کے حوالے سے تصوف کی تعریف لکھتے ہیں:

ا. مناوی، محمد عبد الرؤف، زین الدین، (۱۹۹۰ء)، التوقیف علی مھمات التعاریف، الناشر: عالم الکتب، القاھرۃ، ص:۹۸

۲. قاضی، عبد النبی، (۲۰۰۰ء)، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون: دستور العلماء، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، بیروت۔ جلد ا، ص:۲۰۳

۳. مجمع اللغۃ العربیۃ، المعجم الوسیط، (س ن)، دار الدعوۃ القاھرہ، مصر، ص:۵۲۹

۴. الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (س ن)، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت، ج:۲، ص:۲۵۰

التصوفُ تركُ كُلِّ حَظٍّ لِلنَّفسِ.[۱]

"تصوف، اپنی ذات کیلئے ہر حصے کو ترک کر دینے کا نام ہے"۔

امام جوزی تصوف کا مادہ اہلِ صفہ کو بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ ذهب قوم إِلَى أن التصوف منسوب إِلَى أهل الصفة وإنما ذهبوا إِلَى هَذَا لأنهم رأوا أهل الصفة عَلَى مَا ذكرنا من صفة صوفة فِي الانقطاع إِلَى اللَّه عز وجل وملازمة الفقر.[۲]

"ایک گروہ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ تصوف، اہلِ صفہ سے منسوب ہے۔ اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ صفہ اس صفت سے متصف ہیں جو ہم نے بیان کی کہ انہوں نے اللہ عزّ وجلّ کی خاطر ہر ایک سے تعلق توڑ کر فقر کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا"۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ، غنیہ الطالبین میں تصوف کا مفہوم یوں تحریر کرتے ہیں:

وقيل: إن التصوف: الصدق مع الحق، وحسن الخلق مع الخلق.[۳]

"اور یہ بھی کہا گیا کہ تصوف، حق تعالیٰ کے ساتھ صدق اور مخلوق کے ساتھ حسنِ خلق کا نام ہے"۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات کا جائزہ لیا جائے تو تصوف کے بارے میں حسبِ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- صوفی وہ ہوتا ہے جس کا باطن حق کی مخالفت سے پاک ہو۔
- تصوف، اخلاص کا نام ہے۔ اور صوفی وہ ہوتا ہے جو سراپا اخلاص ہو۔
- اعمال کی ظاہری و باطنی تصحیح کا نام تصوف ہے۔
- آدابِ شرعیہ سے تمسک کو تصوف کہا جاتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کیلئے دل کو ہر غیر سے خالی کر لینا اور ماسوی اللہ کو حقیر جاننا تصوف کہلاتا ہے۔
- تصوف، سلوک کا وہ طریقہ ہے جو فضائل سے مزین ترکِ لذت پر مبنی ہو۔
- تصوف اللہ تعالیٰ کیلئے دل کو تنہا اور فارغ کرنے اور اس کے سوا ہر شے کو حقیر جاننے سے عبارت ہے

---

۱. القشیری، عبد الکریم بن ھوازن، ابو القاسم (س ن)، الرسالۃ القشیریہ، دار المعارف، القاھرہ، ج:۱، ص:۸۳

۲. الجوزی، عبد الرحمن بن علی، ابو الفرج (۲۰۰۱ء)، تلبیس إبلیس، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان۔ ص:۱۴۶

۳. جیلانی، شیخ عبد القادر (۱۹۹۷ء)، الغنیۃ لطالبی طریق الحق، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج:۲، ص:۲۷۲

- تصوف، اہلِ صفہ سے منسوب ہے کہ اہلِ صفہ نے اللہ عزّ وجلّ کی خاطر ہر ایک سے تعلق توڑ کر فقر کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا
- اپنی ذات کیلئے ہر حصے کو ترک کر دینے کا نام تصوف ہے
- تصوف، حق تعالیٰ کے ساتھ صدق اور مخلوق کے ساتھ حسنِ خلق کا نام ہے

علامہ ابنِ تیمیہؒ کی سیرت کا اگر بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ مذکورہ بالا تصوف کی تعریفات پر نہ صرف پورے اترتے تھے بلکہ ان میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ ان کی سیرت پر مشتمل کتب کا اس پہلو سے مطالعہ کیا جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ کی سیرت پر مفید کتب

آپ کے حالات زندگی پر ابوعبداللہ الصالحی نے العقود الدریہ فی مناقب شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، شیخ مرعیٰ حنبلی نے الکوکب الدریہ، سراج الدین عمر بن علی البزار نے الاعلام العلیہ فی مناقب ابن تیمیہ، حافظ عبدالسلام نے الامام ابن تیمیہ، شیخ محمد ابوزہرہ نے ابن تیمیہ حیاتہٗ و عصرہ- آراؤہ وفقہہ اور اسی طرح شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العمری وغیرہ کئی اہل علم نے علیٰحدہ علیٰحدہ کتابیں لکھیں۔اردو میں آپ کی سوانح پر ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب امام ابن تیمیہ، مولانا محمد یوسف کی مبسوط کتاب امام ابن تیمیہ، اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم بہت مفید ہیں۔

۷۲۸ھ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی وفات کے بعد ان سے محبت کرنے والے دو رفقاء نے ان کے مناقب پر کتب تحریر کیں جو مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان میں سے پہلے حافظ ابوعبداللہ بن احمد بن عبدالہادی الصالحی المتوفیٰؒ ۷۴۴ھ نے العقود الدرّیہ من مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیة لکھی جبکہ دوسرے حافظ ابوحفص عمر بن علی البغدادی البزّار المتوفیٰؒ ۷۴۹ھ ہیں جنہوں نے الاعلام العليّه في مناقب شيخ الاسلام ابن تيمية لکھی۔

ابنِ تیمیہؒ کی مخالفت کے اسباب

ندوی (۱۹۵۶ء) تاریخ دعوت وعزیمت میں علامہ ابنِ تیمیہ کی جامع کمالات شخصیت کے مختلف پہلو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "ان غیر معمولی علمی وذہنی کمالات اور مسلّم اخلاص وتدیّن کے ساتھ ایک سلیم الطبع انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور بعض متاخرین نے کیوں اس شدّت سے ان کی مخالفت کی۔اوران کی ذات ان کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک کیوں موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ایسے جامع کمالات انسان کی قبولیت پر تو

سب کا اتفاق ہونا چاہئیے! یہ سوال حق بجانب ہے اوراس کا مستحق ہے کہ ان کی سیرت اوران کی معاصر تاریخ کی روشنی میں سنجیدگی سے اس کا جواب دیاجائے:

اولاً تو یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کی ذات کے بارے میں شروع سے دو فریق بنے ہوئے ہیں اوران کے بارے میں حریفانہ کشمکش جاری ہے۔ تاریخ میں جو شخصیتیں بہت ممتاز، غیر معمولی اور خارق عادت کمالات کی حامل ہیں، ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہی طرزِ عمل رہاہے کہ ایک گروہ ان کے معتقدین کا بن گیاہے جو ان کی تعریف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتاہے، دوسرا گروہ ناقدین اور مخالفین کا ہے جو ان کی تنقید بلکہ تنقیص میں انتہا پسند اور غالی نظر آتا ہے۔ عظیم الشان اور غیر معمولی شخصیتوں کے بارے میں تاریخ کا یہ ایک ایسا مسلسل اور متواتر تجربہ ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ اور نفسیات ''عظمت وعبقریت'' کے مبصّرین نے اس کو قاعدہ کلیہ اور شرطِ عظمت وعبقریت قرار دیاہے۔

ابنِ تیمیہؒ کی ذات میں ان کے معاصرین کیلئے سب سے بڑا ابتلاء اورامتحان یہ تھا کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی وعلمی سطح سے بلند تھے۔ اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خداداد اور قابلِ رشک کمال ہے مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء و آزمائش میں رہتاہے اوروہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اورزحمت میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ اس کی تازگئ فکر، بلندئ نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے اوراس کے آفاقِ علم نظر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔

مخالفین کا ایک گروہ اس بناپر مخالف تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت وعلم، اپنی شخصیت کی دلآویزی اور بلندی کی وجہ سے عوام وخاص میں مقبول اور حکومت کے اشخاص پر حاوی ہوتے جارہے ہیں۔ اوران کے علم و تقریر کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا۔ وہ جہاں رہتے ہیں سب پر چھا جاتے ہیں۔ درس دیتے ہیں تو درس کی دوسری محفلیں بے رونق ہو جا تی ہیں، تقریر کرتے ہیں تو علم کا دریا امنڈ تا نظر آتا ہے۔۔۔۔

بہت سے معاصرین کی مخالفت کا ایک قدرتی سبب شیخ الاسلام کی ایک مزاجی خصوصیت بھی تھی جو بہت سے ان اہلِ کمال میں ہوتی ہے جو غیر معمولی طورپر ذہین، وسیع النظر اور کثیر المعلومات ہوتے ہیں یعنی طبیعت کی تیزی اور ذکاوتِ حس، جو بعض اوقات ان کو اپنے بعض حریفوں کی سخت تنقید اوران کے جہل اور غباوت اور قلّتِ علم کے اظہار پر آمادہ کردیتی ہے۔ اور شدّتِ تاثر میں ان کی زبان سے بعض ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جس سے ان کے اہلِ علم معاصرین اوران کے معتقدین و تلامذہ کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے اوران کے دل میں مستقل نفرت و عناد کے بیج پڑ جاتے ہیں جو علمی و فقہی اصطلاحات، کفر وضلال کے فتوے اور مسلسل مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

مخالفت کا ایک سبب ان کی بعض وہ تحقیقات اور ترجیحات ہیں جن میں وہ متفرّد اور مذاہبِ مشہورہ اورائمہ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں۔

ان کی مخالفت کا ایک قوی سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس طرزِ کلام اور صفات ومتشابہات کی تاویل کے اس طریقہ کی مخالفت کی جو ''عقیدہ اشعریہ'' بلکہ عقیدہ اہلسنت کے نام سے موسوم تھا۔اوراس سے عدول یاتو جہالت پر محمول کیا جاتا تھا یا مخالفتِ اہلسنت پر۔۔۔اس وقت تمام عالمِ اسلام پر اشعری العقیدہ علماء ومتکلمین کا اثر تھا۔امام ابنِ تیمیہ کا یہ اختلاف جو خالص علمی بنیادوں پر تھا،ایک بدعت اور یتبع غیرسبیل المؤمنین[1] کا مرادف سمجھا گیا اوران پر تجسیم کا الزام لگادیا گیا۔اس وقت چونکہ تاویل ہی پر زور دیا جارہا تھا اس لئے ان کا سارازورِ قلم اسی کے مقابلہ میں صرف ہوا۔

مخالفت کا ایک سبب شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربی کی مخالفت ہے۔بہت سے لوگوں کے نزدیک خصوصاً جو تصوف کا مذاق رکھتے ہیں،ابنِ تیمیہ کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے اوران کے تمام محاسن وکمالات پر پانی پھیر دیتا ہے[2]

اصلاحِ تصوّف اورابنِ تیمیہؒ

علّامہ ابنِ تیمیہ کے اصلاحی و تجدیدی کام میں جہاں عقائد،تفسیر،حدیث،فقہ،اصول فقہ،فلسفہ و منطق اوراخلاقیات کے موضوعات شامل ہیں وہیں انہوں نے تصوف کے میدان میں بھی اصلاحی کتب تصنیف کیں۔اس حوالے سے برق (۲۰۱۱ء) اپنی کتاب امام ابنِ تیمیہ میں راقم ہیں:

> ''تصوف کا مقصد اللہ کی عبادت سے روح کی تمام آلائشوں کو دھوناہے اور یہ ایک اچھی چیز ہے لیکن آج کی طرح ابنِ تیمیہ کے زمانے میں بھی کچھ معیوب چیزیں تصوف میں راہ پاگئی تھیں۔صوفیاء کا ایک طبقہ صوم و صلوٰۃ اورارکانِ شریعت کو غیر ضروری سمجھتا تھا۔ایک اورطبقہ کرامات کی نمائش کو مقصدِ عبادت ٹھہراتا تھا۔کچھ رہبانوں کی طرح نفس کشی کو ذریعہ معرفت سمجھتے تھے۔ابنِ عربی کے پیرووحدت الوجود کے قائل تھے؛وہ کہتے تھے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی (خدا) کاوجود ہے اور یہ حیوانات،نباتات اور جمادات وغیرہ اسی کے مظاہر ہیں۔چونکہ امام کے نزدیک رسولِ مقبول ﷺ اورآپ کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کاراستہ ہی صحیح راستہ تھااسلئے آپ نے صوفیاء کے تمام گروہوں پر تنقید کی۔۔۔آپ نے تصانیفِ ذیل میں تصوف کے مختلف سلسلوں پر تنقید کی ہے:

---

۱. النساء،۱۰۵

۲. ندوی، سید ابوالحسن علی،(۱۹۵۶ء). تاریخ دعوت وعزیمت، کراچی، مجلسِ نشریاتِ اسلام، جلد ۲، ص:۱۴۷

أ.   الحجج العقلية فى الردّ على الجهمية والصوفية

ب. رسالة فى الذوق والوجد الذى يذكره الصوفية

ج. قاعدة فى الردّ علىٰ اهل الاتحاد

د.   السبعينية

ھ. قاعدة فى الشيوخ الاحمدية

و.   الفرق بين الخلوة الشرعية والبدعية

ز.   تحريم السماع

ح. قاعدة فى بيان طريقة القرآن

ط. قا عدة فى السيا حة والعز لة فى الفقر والتصوّف[۱]

ابنِ تیمیہؒ ایک عارف باللہ اور صوفی مزاج شخصیت

ندوی (۱۹۵۶ء) تاریخ دعوت و عزیمت میں رقمطراز ہیں:

"جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یا ان کے متاخرین و منتسبین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہے وہ ان کو ایک محدّثِ خشک اور عالمِ ظاہر بین سے زیادہ مقام نہیں دے سکے لیکن 'مدارج السالکین' (شرح منازل السائرین از امام ہرویؒ) میں ابنِ قیّم نے جستہ جستہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کیے ہیں اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بر سبیلِ تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق، عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہئیے۔ اور ایسے شخص کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان منازل سے بہرہ مند تھے جن کے حصول کیلئے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، ائمہ فنِ سلوک کی صحبت اور دوامِ ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔[۲] وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْ تِيهِ مَنْ يَشَآءُ[۱]۔

---

۱. برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء). امام ابن تیمیہ، لاہور، الفیصل ناشرانِ و تاجرانِ کتب، ص:۱۷۴

۲. ندوی، سید ابوالحسن علی، (۱۹۵۶ء). تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، مجلسِ نشریاتِ اسلام، جلد ۲، ص:۱۶۵

البزّار،(۱۹۷۶ء). نےالاعلام العليّه فى منا قب شيخ الاسلام ابن تيميه **میں چار فصلیں صرف علامہ** ابنِ تیمیہ کی عبادت گذاری، ورع، زھد و تجرّد، دنیا سے بے رغبتی اور فقر و تواضع کیساتھ ایثار پر مبنی بیان کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک متبحر عالم ہی نہیں بلکہ صاحبِ زہد وورع صوفی بھی تھے۔ ان فصول کے عنوانات حسبِ ذیل ہیں:

۱. الفصل الرابع: في ذكرِ تعبّدهِ

۲. الفصل الخامس: في ذكرِ بعض ورعهِ

۳. الفصل السادس: في ذكرِ بعض زهدهِ وتجرّدهِ وتقاعدهِ عن الدنيا

۴. الفصل السا بع: في إيثارهِ مع فقرهِ وتواضعهِ[۲]

برق (۲۰۱۱ء) اپنی کتاب امام ابنِ تیمیہ میں راقم ہیں:

"آپ کے لیل و نہار کا بیشتر حصّہ عباداتِ الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ دورانِ صلوٰۃ آپ کا بدن خوفِ الٰہی سے کانپتا رہتا اور نماز کی تکبیر اس لہجہ میں کہتے کہ سننے والے دہل جاتے۔ نماز پڑھتے وقت آپ کے اعضاء پر رعشہ طاری ہو جاتا۔ رکوع و سجود میں انتہائی خضوع سے کام لیتے۔

آپ دنیوی مال و متاع سے اس قدر مستغنی تھے کہ تمام مدتِ حیات میں بیع و شراء، معاملہ و تجارت، مشارکت و مزارعت وغیرہ کی طرف توجہ نہ دی۔ کسی امیر یا سلطان سے کبھی کوئی انعام یا صلہ قبول نہ کیا۔ درہم و دینار کی فراہم آوری سے طبیعت متنفّر رہی۔ آپ کی وراثت بقول رسول اللہ ﷺ صرف علم تھا"۔[۳]

یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ نہ صرف عملی زندگی میں سلوک و تصوف کی تعلیمات کے عامل تھے بلکہ انہوں نے اس حوالے سے متعدّد کتابیں بھی لکھیں۔ جن میں سے کئی تو اصلاحی تنقید پر مبنی ہیں لیکن بعض سلوک و تصوف کی ان تعلیمات پر مبنی ہیں جو ہمیں کتبِ تصوف میں ملتی ہیں۔ چنانچہ علامہ کے مجموع الفتاویٰ (جو ۳۵۔ اجزاء پر

---

۱. الجمعہ، ۴

۲۔البزّار، عمر بن علی، ابوحفص، (۱۹۷۶ء). الأعلام العليّة في مناقب شيخ الاسلام ابن تيمية، بیروت، دار الکتاب الجدید۔ ص:۳۷ – ۵۰

۳. برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء)، امام ابن تیمیہ، لاہور، الفیصل ناشرانِ و تاجرانِ کتب۔ ص:۹۶،۹۹

مشتمل ہے) میں دو اجزاء علم السلوک اور التصوف پر ہیں جن میں سلوک و تصوف کے اصول بیان کرنے کے علاوہ صوفیاء واولیاء کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ علّامہ ''کتاب علم السلوک'' جزء:۱۰ کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:

فَهَذِهِ كَلِمَاتٌ مُخْتَصَرَاتٌ فِي أَعْمَالِ الْقُلُوبِ – الَّتِي قَدْ تُسَمَّى الْمَقَامَاتِ وَالْأَحْوَالَ – وَهِيَ مِنْ أُصُولِ الْإِيمَانِ وَقَوَاعِدِ الدِّينِ؛ مِثْلُ مَحَبَّةِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَالتَّوَكُّلِ عَلَى اللهِ وَإِخْلَاصِ الدِّينِ لَهُ وَالشُّكْرِ لَهُ وَالصَّبْرِ عَلَى حُكْمِهِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ وَالرَّجَاءِ لَهُ وَمَا يَتْبَعُ ذَلِكَ. اقْتَضَى ذَلِكَ بَعْضُ مَنْ أَوْجَبَ اللهُ حَقَّهُ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ وَاسْتَكْتَبَهَا وَكُلٌّ مِنَّا عَجْلَانُ. فَأَقُولُ: هَذِهِ الْأَعْمَالُ جَمِيعُهَا وَاجِبَةٌ عَلَى جَمِيعِ الْخَلْقِ – الْمَأْمُورِينَ فِي الْأَصْلِ – بِاتِّفَاقِ أَئِمَّةِ الدِّينِ.[۱]

''تو یہ مختصر کلمات اعمالِ قلوب کے بیان میں ہیں جن کو مقامات اوراحوال کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اصولِ ایمان اور قواعدِ دین میں سے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت، توکل علی اللہ، دین میں اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص ہونا، شکر الٰہی، حکمِ الٰہی پر صبر، خوف و رجائے الٰہی اوراہلِ ایمان میں سے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا حق واجب کیا تو انہوں نے اس کا تقاضا کیا اورانہیں تحریری شکل میں محفوظ کرنے کو کہا۔ اور ہم میں سے ہر کوئی جلد باز ہے۔ پس میں کہتا ہوں: یہ سب اعمال تمام مخلوق پر واجب ہیں جو اصل میں ائمہ دین کے ہاں بالاتفاق مأمور ہیں''۔

اعمالِ قلوب اور مقامات و احوال، توکل علی اللہ، اخلاص اور خوف و رجاء وہ اصطلاحات ہیں جو صوفیاء میں رائج ہیں اور کتبِ تصوّف میں استعمال ہوئی ہیں۔

اسی طرح حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات بیان کرتے ہوئے راقم ہیں:

وَالشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ وَنَحْوُهُ مِنْ أَعْظَمِ مَشَايِخِ زَمَانِهِمْ أَمْرًا بِالْتِزَامِ الشَّرْعِ وَالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَتَقْدِيمِهِ عَلَى الذَّوْقِ وَالْقَدَرِ، وَمِنْ أَعْظَمِ الْمَشَايِخِ أَمْرًا بِتَرْكِ الْهَوَى وَالْإِرَادَةِ النَّفْسِيَّةِ. فَإِنَّ الْخَطَأَ فِي الْإِرَادَةِ مِنْ حَيْثُ هِيَ إرَادَةٌ إنَّمَا تَقَعُ مِنْ هَذِهِ الْجِهَةِ؛ فَهُوَ يَأْمُرُ السَّالِكَ أَلَّا تَكُونَ لَهُ إرَادَةٌ مِنْ جِهَةِ هَوَاهُ أَصْلًا؛ بَلْ يُرِيدُ مَا يُرِيدُهُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: إمَّا إرَادَةٌ شَرْعِيَّةٌ أَنْ تُبَيِّنَ لَهُ ذَلِكَ؛ وَإِلَّا جَرَى مَعَ الْإِرَادَةِ الْقَدَرِيَّةِ فَهُوَ إمَّا مَعَ أَمْرِ الرَّبِّ، وَإِمَّا مَعَ خَلْقِهِ وَهُوَ سُبْحَانَهُ لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ. وَهَذِهِ طَرِيقَةٌ شَرْعِيَّةٌ صَحِيحَةٌ.[۲]

---

۱. ابنِ تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم الحرانی، (۱۹۹۵ء)، مجموع الفتاویٰ، المدینۃ النبویہ، مجمع الملک الفہد، جزء:۱۰، ص:۶

۲. ابنِ تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم الحرانی، (۱۹۹۵ء)، مجموع الفتاویٰ، المدینۃ النبویہ، مجمع الملک الفہد، ۱۰/ ۴۸۸-۴۸۹

"اور شیخ عبد القادر اور آپ جیسے اپنے زمانے کے عظیم ترین مشائخ نے شریعت اور امر و نہی کو بجالانے کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنے ذوق اور قدرت پر مقدّم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور عظیم ترین مشائخ نے ھوائے نفس اور ارادہ نفسانیہ کو ترک کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ پس ارادے میں خطا اس اعتبار سے کہ وہ ارادہ ہے اسی جہت سے واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ (شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ) سالک کو حکم دیتے ہیں کہ اس کا ارادہ اس کی خواہش کی جہت سے اصلاً نہ ہو بلکہ وہ وہی چاہے جو اس کا ربّ عزّ وجلّ اس سے چاہتا ہے۔ جہاں تک ارادہ شرعیہ کا تعلق ہے تو وہ اس کیلئے اس کے ربّ کی طرف سے بیان کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی قدرت کے ارادہ کے ساتھ نہیں چلتا تو وہ اپنے ربّ کے ارادہ کے ساتھ چلتا ہے۔ اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے خلق کردہ ارادہ کے ساتھ ہے تو خلق اور امر دونوں اسی اللہ کیلئے ہیں اور یہی صحیح شرعی طریقہ ہے"۔

فتوح الغیب کی شرح

علّامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف و طریقت سے شغف اور لگاؤ کا مزید اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتوح الغیب" کی شرح تحریر کی۔

علّامہ ابنِ تیمیہؒ کی شرح کا اصل نسخہ "شرح کلمات من فتوح الغیب" کے نام سے ایک رسالہ ہے جو دیگر رسائل کے ساتھ ان کی کتاب جامع الرسائل میں مندرج ہے اور یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں دارالعطاء-الریاض، سعودی عرب سے چھپ چکی ہے۔ اس میں فتوح الغیب کے ۷۸۔ مقالات میں سے چار مقالات (مقالہ نمبر ایک، چھ، دس اور اٹھارہ) کی شرح کی گئی ہے۔ جبکہ پاکستان میں اس رسالہ کو "شرح فتوح الغیب" کے نام سے علامہ عبد الحکیم شرف قادریؒ کی تقدیم کے ساتھ مؤسسۃ الشرف-لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے جس میں مذکورہ چار مقالات کی شرح کے علاوہ حضرت شیخ سیّدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے باقی ۷۴۔ مقالات کو بھی مِن و عَن شامل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اصل کتاب ' فتوح الغیب ' مکمل طور پہ اس شرح میں شائع ہو گئی ہے۔

حَسَن السماحی سویدان، شرح فتوح الغیب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس شرح کی طباعت میں تین نسخوں پر اعتماد کیا ہے:

پہلا وہ نسخہ جو ریاض (سعودی عرب) سے مطبوعہ مجموع الفتاویٰ میں موجود ہے۔

دوسرا وہ جس کو ڈاکٹر محمد رشاد سالم رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعۃ الرسائل کے ضمن میں نشر کیا ہے۔

تیسرا وہ نسخہ جس کو مطبعۃ المثنیٰ بغداد نے شائع کیا ہے۔[۱]

کرامات وفراست

البزّار، (۱۹۷٦ء) اپنی کتاب الاعلام العلیّہ فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیۃ میں راقم ہیں:

"مجھے متعدد ثقہ لوگوں نے شیخ ابنِ تیمیہ ؒ کی کرامات بیان کی ہیں جن میں سے میں بعض علیٰ سبیل الاختصار بیان کرتا ہوں۔ اور میں ان میں سے اپنے ذاتی مشاہدے سے ابتدا کرتا ہوں۔ ایک دفعہ میرے اور کچھ فضلاء کے درمیان چند مسائل پر نزاع پیدا ہوا اور کلام طول پکڑ گیا۔ ہم نے ہر مسئلہ پر یہ کہہ کر کلام منقطع کیا کہ ہمیں اپنے شیخ ابنِ تیمیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئیے اور انہیں کے قول کو ان مسائل میں ترجیح دینی چاہئیے۔ پھر جب شیخ تشریف لائے اور ہم نے ان سے سوال کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے سبقت کرتے ہوئے ہمارے بولنے سے پہلے ہی ایک ایک کر کے ہمارے مسائل بیان کرنے شروع کر دیے۔ اور ان مسائل کے حوالے سے علماء کے اقوال بھی بیان کرتے گئے اور راجح قول کو دلیل سے بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ تمام مسائل بیان فرمادیے جن کا ہم قصد کر کے آئے تھے۔ ان کے اس کشف پر میں اور میرے ساتھی فضلاء مبہوت و متعجّب ہوئے کہ جو کچھ ہمارے دلوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے وہ ان پر ظاہر فرمادیا۔"[۲]

ابنِ تیمیہ ؒ بطور نقاد تصوف

اس میں شک نہیں کہ علامہ ابنِ تیمیہ ؒ خود ایک زاہد و عابد اور صاحب تقویٰ و ورع انسان تھے مگر طریقت و تصوف کی تعلیمات کے عامل ہونے کے باوجود ہر وہ شے جو انہیں قرآن و سنت اور سیرتِ صحابہ کے منافی نظر آتی اس پر بیباکی سے آواز بھی اٹھاتے اگرچہ وہ کسی طبقہ صوفیاء سے ہی صادر ہو۔ چونکہ علامہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریق ہی درست اور مبنی برہدایت طریق تھا اسلئے انہوں نے کوئی بھی موقف اپنانے میں سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ صحابہ کو معیار بنایا اور جہاں بھی کوئی چیز خلافِ سنت نظر آئی اس پر تنقید کی، قطع نظر اس کے کہ وہ صوفیاء کے کس طبقہ اور گروہ سے متعلق تھی۔

---

۱. ابنِ تیمیہ، تقی الدین احمد الحرّانی، (۲۰۰۳ء)، شرح فتوح الغیب، لاہور، مؤسسۃ الشرف، ص:و

۲. البزّار، عمر بن علی ابو حفص، (۱۹۷٦ء)، الاعلام العليّه في مناقب شيخ الإسلام ابن تيمية، بیروت، دارالکتاب الجدید، ص:۵۳

چنانچہ اس سلسلہ میں ابنِ عربیؒ کا نظریہ وحدت الوجود ہو یا علائقِ دنیوی ترک کرکے رہبانیت اپنانا ہو یا کرامات کی نمائش کرکے صوم وصلوٰۃ سے پہلو تہی کرنا؛ سب ہی کو انہوں نے ہدفِ تنقید بنایا۔ مثلاً زُہد سے مراد کونسا زُہد ہے اس کی توضیح یوں کرتے ہیں:

وقد قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحَرِّمُواْ طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾.[1] نزلت فی عثمان بن مظعون و طائفة معهُ كانو ا قد عزموا على التبتل و نوع من الترهب.

وفي الصحيحين عن سعد أنهُ قال: ردّ رسول الله ﷺ على عثمان بن مظعون التبتل ولو أذن لهُ لاختصيناه. والزهد النافع المشروع الذى يحبهُ الله ورسولهُ هو الزهد فيما لا ينفع فى الآخرة.فأما ما ينفع في الآخرة وما يستعان بهِ علىٰ ذلك فالزهد فيه زهد فى نوع من عبادة الله وطاعتهِ. والزهد إنما يراد لا نهُ زهد فيما يضر أو زهد فيما لا ينفع.فامّا الزهد فى النافع فجهل وضلال.كما قال النبى ﷺ: احرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجزهُ.[۲]

"اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحَرِّمُواْ طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ.[۳] اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں (اپنے اوپر) حرام مت ٹھہراؤ اور نہ (ہی) حد سے بڑھو، بیشک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"، یہ آیت عثمان بن مظعون اورآپ کے ساتھ ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ترکِ دنیا اوررہبانیت کی ایک قسم کاارادہ کرلیا تھا۔

اور صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے تبتّل (ترکِ دنیا) کو ردّ فرمایا اوراگر آپ ﷺ ان کو اجازت دیتے تو ہم بھی اس کو اپنا لیتے۔ اور نفع بخش زُھد جو مشروع ہے، اس سے مراد وہ زُہد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہو اور یہ اس شے کا ترک کرنا ہے جو آخرت میں نافع نہ ہو۔ باقی وہ زہد جو آخرت میں نفع دے اور جس کے ذریعے سے اس

---

۱. المائدہ ۵:۸۷

۲. ابن تیمیہ، تقی الدین احمد الحرّانی، (۲۰۰۳ء). شرح فتوح الغیب، لاہور، مؤسسۃ الشرف، ص:۴۵

۳. المائدہ ۵:۸۷

پر مدد طلب کی جائے تو وہ ایسا زہد ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت پر مشتمل ہو۔اور وہ زہد جو (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی) مراد ہے وہ ایسی شے کا ترک ہے جو نقصان دہ ہو یا ایسی شے کا ترک ہے جو نافع نہ ہو۔اور نفع بخش شے کو ترک کر دینا تو جہالت اور گمراہی ہے۔جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'اس شے کی حرص کر جو تجھے نفع دے اور اللہ سے مدد مانگ اور اس سے عاجز نہ ہو"۔

علمی مقام

ایک جامع العلوم اور متبحر شخصیت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے اسلام کے روحانی پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا ہو۔علامہ ابنِ تیمیہ کے علمی مقام کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے ہوتا ہے؛

البزّار،(۱۹۷۶ء). الاعلام العلیّہ فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیۃ میں دوسری فصل کا عنوان "**فی غزارة علومه ومؤلفاته ومصنفاته وسعة نقله في فتاويه ودروسه البديهية ومنصوصاته**" تحریر کرتے ہیں۔چنانچہ اس کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

> شیخ ابنِ تیمیہ کے علوم کی کثرت میں سے ایک، ان کا قرآنِ مجید کے علوم کی معرفت، اس کے دقائق کا استنباط، اس کی تفسیر میں علماء کے اقوال کو نقل کرنا، قرآنی دلائل کیساتھ ان کا استشہاد، اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ نکاتِ عجیبہ کا بیان، اسکی حکمتوں کے فنون، اس کے نوادر کے غرائب اور قابلِ فخر فصاحت ہے۔۔پس جب ان کی مجلس میں آیاتِ قرآنی پڑھی جاتیں تو وہ ایک آیت کی تفسیر اور درس میں ہی پوری مجلس گذار دیتے اور وقت ختم ہو جاتا۔اور ان کی مجلس کیلئے دن کا چوتھائی وقت مقرّر تھا۔۔۔چنانچہ صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ[1] کی تفسیر میں ایک پوری جلد املاء کی گئی۔اور باری تعالیٰ کے قول اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[2] کی تفسیر سے ۳۵۔صحیفے بھر گئے۔

اسی طرح وہ سنتِ رسول ﷺ کی معرفت و بصیرت میں بھی تمام لوگوں سے زیادہ ضابط تھے۔۔۔
اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ عجیب تر چیز یہ ہے کہ جب انہیں مصر میں قید کر دیا گیا اور کتابوں کی فراہمی بھی ان سے روک دی گئی تو انہوں نے اس دوران چھوٹی بڑی بہت سی کتب تصنیف کیں۔جن میں

---

۱. الاخلاص، ۱:۱۱۲

۲. طٰہٰ، ۵:۲۰

احادیث، آثار، اقوالِ علماء، محدثین کی کتب کے حوالے اوران کے اسماء بیان کرکے ان کے ناقل اور قائل کی طرف منسوب کرکے لکھے۔ یہ چیز ان کی قوتِ حافظہ کی بداہت پر دال ہے"۔ (۱)

ابوزھرہ (سن ندارد) اپنی کتاب ابن تیمیہ حیاتہٗ وعصرہ- آراؤہٗ وفقہہٗ میں رقمطراز ہیں:

"ابنِ تیمیہ (ایسی ہمہ جہت علمی شخصیت تھے کہ ان) کو ان کی فقہ کے میدان میں خدمات نے انہیں فقیہ العصر بنا دیا، علم الکلام میں کاوشوں نے اس فن کی نمایاں شخصیت بنا دیا، قرآنِ کریم کی تفسیرات، اصولِ تفسیر اور ان کیلئے نئے مناھج وضع کرنے سے وہ مفسرین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ اوران تمام علوم میں ان کی آراء ایسی تحقیق و تفتیش پر مبنی ہیں کہ جن کی وجہ سے انہیں ان کا امام شمار جاتا ہے"۔ (۲)

علامہ ابنِ تیمیہ کے علمی مقام کے اپنے پرائے سب معترف تھے اور یہی وصفِ خاص ان کی دشمنی کا سبب بھی بنا۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ابوزھرہ مزید لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ کے تمام معاصرین کا ان کی قوتِ فکر اور وسعتِ علم پر اجماع ہے۔ خواہ ان کے دوست ہوں یا دشمن سب کی ان کی دقّتِ نظر اور عمیق فکر کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان کی اسی قوتِ فکریہ نے ان کے دوستوں کو ان کی مدد ونصرت پر آمادہ کیا اور دشمنوں کو ان کی دشمنی پر اکسایا۔ اگر وہ اپنی ذات اور فکر میں کمزور ہوتے تو دشمنوں کی دشمنی حرکت میں نہ آتی"۔ (۳)

تجدیدی و اصلاحی کام

علامہ ابنِ تیمیہ کی شخصیت کا نمایاں وصف اسلامی تعلیمات میں تجدید و اصلاح تھا۔ چنانچہ جہاں جہاں اصلاح طلب پہلو نظر آئے انہوں نے اس کے خلاف قلم اٹھایا۔

ندوی (۱۹۵۶ء) تاریخ دعوت وعزیمت میں رقمطراز ہیں:

---

۱. البزّار، عمر بن علی ابوحفص، (۱۹۷۶ء). الاعلام العلیّه فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیه، بیروت، دارالکتاب الجدید، ص:۲۴،۲۳

۲. ابوزھرہ، محمد، (س ن). ابن تیمیہ حیاتہٗ وعصرہ- آراؤہ وفقہہ، بیروت، دارالفکر العربی، ص:۹۳

۳. ایضاً

"شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ نے اسلام کی تاریخِ دعوت و عزیمت میں جو اہم کارنامہ سرانجام دیا وہ اگرچہ بہت سے علمی و عملی شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے لیکن اس کو ان چار حصّوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے جو ان کی تاریخِ اصلاح و تجدید میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ چار شعبے حسبِ ذیل ہیں:

۱. عقیدہ توحید کی تجدید اور مشرکانہ عقائد ورسوم کا ابطال
۲. فلسفہ و منطق اور علمِ کلام کی تنقید اور کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح
۳. غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید اور ان کے عقائد، رسوم و اثرات کا مقابلہ
۴. علوم شریعت کی تجدید اور فکرِ اسلامی کا احیاء[۱]

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا تمام بحث یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ علّامہ ابنِ تیمیہؒ تصوف و طریقت کے مخالف نہیں بلکہ اس کے عامل تھے۔ البتہ تصوف کے ناقد بایں طور تھے کہ جو چیز بھی انہیں قرآن و سنت کے منافی نظر آتی اس کی اصلاح کیلئے ضرور آواز اٹھاتے تھے۔

اہلِ علم کے ہاں بالعموم امام ابنِ تیمیہؒ کو ایک خشک مزاج اور ظاہر بین عالم تصور کیا جاتا ہے جو طریقت و تصوف کی تعلیمات کے سخت مخالف تھے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے اصلاحی و تجدیدی کام میں جہاں عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ و منطق اور اخلاقیات کے موضوعات شامل ہیں وہیں انہوں نے تصوف کے میدان میں بھی اصلاحی کتب تصنیف کیں۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ نہ صرف عملی زندگی میں سلوک و تصوف کی تعلیمات کے عامل تھے بلکہ انہوں نے اس حوالے سے متعدّد کتابیں بھی لکھیں۔ جن میں سے کئی تو اصلاحی تنقید پر مبنی ہیں لیکن بعض سلوک و تصوف کی ان تعلیمات پر مبنی ہیں جو ہمیں مآخذ و مصادر کا درجہ رکھنے والی کتبِ تصوف میں ملتی ہیں۔

بظاہر اس تاثر کا سبب، تصوف کے حقیقی مفہوم سے ناآشنائی اور علامہ ابنِ تیمیہ کے تصوف کے حوالے سے نظریات سے بے خبری محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تصوف و طریقت کا حامل اسی کو سمجھا جاتا ہے جس سے کرامات کا صدور ہوتا ہو اور جو خرقِ عادت واقعات کا ظہور کر سکتا ہو جبکہ حقیقت حال اس سے مختلف ہے۔ تصوف و روحانیت تو تزکیہ نفس اور ظاہری و باطنی اصلاح کا نام ہے جو قرآنِ حکیم، سنتِ رسول ﷺ اور سیرتِ صحابہ سے ثابت

---

۱. ندوی، سید ابوالحسن علی، (۱۹۵۶ء). تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، مجلسِ نشریاتِ اسلام، جلد ۲، ص:۱۸۹.

ہے۔علامہ ابنِ تیمیہؒ نے تصوف و طریقت میں در آنے والی بدعات کی نشاندہی کی اور امت کو حقیقی تصوف کی طرف رجوع کرنے کی سعی کی ہے۔

مصادر ومراجع

القرآن الکریم۔

برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء)، امام ابن تیمیہ، لاہور، الفیصل ناشرانِ و تاجرانِ کتب

البزّار، عمر بن علی، ابو حفص، (۱۹۷۶ء). الأعلام العليّة في مناقب شيخ الاسلام ابن تيمية، بیروت، دار الکتاب الجدید

ابنِ تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم الحرانی، (۱۹۹۵ء)، مجموع الفتاویٰ، المدینۃ النبویہ، مجمع الملک الفہد

ابنِ تیمیہ، تقی الدین احمد الحرّانی، (۲۰۰۳ء). شرح فتوح الغیب، لاہور، مؤسسۃ الشرف

الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی، ابو الفرج (۲۰۰۱ء)، تلبیس اِبلیس، بیروت، لبنان، دار الفکر للطباعۃ والنشر،

جیلانی، شیخ عبد القادر (۱۹۹۷ء)، الغنیۃ لطالبی طریق الحق،، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ

ابو زہرہ، محمد، (س ن). ابن تیمیہ حیاتہٗ وعصرہ- آراؤہ و فقہہ، بیروت، دار الفکر العربی

السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین (۲۰۰۴ء)، معجم مقالید العلوم فی العلوم والرسوم، مصر، مکتبۃ الآداب، القاہرہ

عبد النبی، قاضی (۲۰۰۰ء)، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون: دستور العلماء، لبنان، بیروت، دار الکتب العلمیۃ

الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد (س ن)، اِحیاء علوم الدین، بیروت، دار المعرفۃ

القشیری، عبد الکریم بن ھوازن، ابو القاسم (س ن)، الرسالۃ القشیریہ، القاہرہ ، دار المعارف

مجمع اللغۃ العربیۃ، المعجم الوسیط (س ن)، القاہرہ، مصر، دار الدعوۃ

المناوی، محمد عبد الرؤف، زین الدین (۱۹۹۰ء)، التوقیف علی مھمات التعاریف،، القاھرۃ، الناشر: عالم الکتب ۳۸ عبد الخالق ثروت

ندوی، سید ابو الحسن علی، (۱۹۵۶ء). تاریخ دعوت وعزیمت، کراچی، مجلسِ نشریاتِ اسلام

ہجویری، سید علی بن عثمان (۲۰۱۰ء)، کشف المحجوب مترجم، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز

یسوعی، لوئیس معلوف، (۱۹۷۵ء) المنجد، دار الاشاعت کراچی

برصغیر میں جہیز معاشرتی المیہ

(اسلامی افکار کی روشنی میں ناقدانہ جائزہ)

☆ رابعہ نسرین

☆☆ شگفتہ سید

☆☆☆ حنا مرزا

ABSTRACT

It is a descriptive statement about dowry in Pakistan as a social Innovation. Pakistan adopted the dowry system from Indian culture,not from Islam. In recent years, there has been an increase in the value of dowries in Pakistan. At the beginning it was voluntary, but later on because of the social pressure, it became compulsory for every one. Dowry at present is a source of both joy and curse in the society. It is also a joy to the husband and his relatives who get cash, jewellery, costly dress, utensils and furniture. But it is a great burden on the bride and her parents who have to bear gigantic cost to satisfy the irrational demands of the family of the boy. The upper class of our society gives dowry according to their own status. They provide the things from basic needs to the things which come in luxuries including luxury cars, luxury bungalows. They show off to the people. The class of poor people is being ground in the competition of dowry. They cannot get their daughter married. Dowry is a social evil which has affected our society very badly. The dowry system has given birth to many evils. It draws many girls to suicide to save their parents from economic drudgery. It is our moral duty, social obligation and legal duty to fight against the dowry system. The evils of dowry system must be removed at any cost.The efforts of the people in society need to act rationally, if they want to remove this evil.

Key words: Pakistan,dowry,social Innovation.

☆ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول، لیہ

☆☆ ایم۔فل اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

☆☆☆ لیکچرار، منہاج یونیورسٹی، لاہور

پاکستان کی تہذیب بہت قدیم اور رنگارنگ ہے۔ پاکستان کا علاقہ ماضی میں دراوڑ، آریا، ایرانی، یونانی، عرب، ترک، ہندو، سکھ، افغان اور منگول لوگوں کی ریاستوں میں شامل رہا ہے ۔ ان تمام تہذیبوں نے پاکستان کی موجودہ تہذیب پر بہت گہرا اثر چھوڑا ہے۔ جہیز بھی ان اثرات میں سے ایک اثر ہے۔ برصغیر پاک وہند میں یہ رسم ہندو اثرات کی وجہ سے داخل ہوئی۔

جہیز کا لغوی واصطلاحی معنی

لفظ جہیز دراصل عربی زبان کے لفظ "جہاز" سے نکلا ہے جس کا اطلاق بنیادی سازوسامان پر ہوتا ہے۔ یہ باب تفعیل ''جھّز یجھّز تجھیزا'' سے ہے جس کے معنی ہیں "سامان تیار کرنا، مہیا کرنا" خواہ وہ کسی مسافر کے لئے، کسی دلہن کے لئے یا کسی میت کے لئے ہو۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ کے بیان میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:-

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ (۱)

"اور جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سامان تیار کیا"

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے۔

''الجهاز ما يعد من متاع و غيره التجهيز حمل ذالك أو بعثه'' (۲)

یعنی جہاز اس سامان کو کہا جاتا ہے جو (کسی کے لیے) تیار کیا جاتا ہے اور اس سے ہی تجہیز ہے جس کے معنی ہیں اس سامان کو اٹھانا یا بھیجنا۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی روشنی میں "جہیز وہ سازوسامان ہے جو لڑکی کو نکاح کے بعد اس کے ماں باپ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ (۳)

---

۱. یوسف، ۵۹:۱۲

۲. راغب اصفہانی، (۱۳۳۸ھ)، مفردات القرآن، مترجم: شیخ شمس الحق، اقبال ٹاؤن لاہور۔ ص ۲۳۸

۳. قاسم محمود، سید، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفضل تاجران کتب، اردو بازار، لاہور۔ ص ۷۵۶

جہیز کا تہذیبی و تاریخی پس منظر

برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا جو ان گنت خداؤں کے پجاری اور بری رسومات میں جکڑے ہوئے تھے اور کسی بھی سماوی مذہب سے کوسوں دور تھے حتیٰ کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی ہندوانہ کلچر کے اثرات ان سے محو نہ ہوسکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں رواج پذیر رہیں۔ اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص کا امتیاز برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن تہذیب وتمدن، معاشرت اور ثقافت میں جب ترقی ہوتی ہے اور دولت وثروت کی فراوانی ہونے لگتی ہے تو اس کے نتیجے میں نئی نئی رسوم اور طریقے ایجاد ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں زیادہ تر مغل فرمان رواشہنشاہ اکبر اور دکن میں سلطان محمد قلبی قطب شاہ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آپس میں ملانے، اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے اور یگانگت کی فضاء قائم کرنے کے لئے بہت سی ہندوانہ رسومات کو اسلامی ثقافت میں ملا لیا تھا۔ یکجہتی پیدا کرنے کی خاطر ایسی رسومات اختیار کرلیں: نکاح اور شادی کے موقعہ پر رسم مہندی رتجگا، مانجھا، حلوہ اور برِی وغیرہ جنکا اسلامی تہذیب یا مسلمانوں سے کہیں وجود نہ تھا۔

انہی رسومات میں سے ایک رسم جہیز کی تھی ہندو چونکہ لڑکیوں کو اپنی جائیداد میں سے حصہ نہیں دیتے تھے اس لئے شادی کے وقت اکٹھا ہی جو میسر ہوسکا "جہیز" کے نام سے لڑکی کے حوالے کردیا۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی آہستہ آہستہ اس رسم کو اپنا لیا حتیٰ کہ جہیز شادی کا "جزولاینفک" بن گیا اور غریب والدین کے لئے مستقل درد سر بن گیا جس نے اب آسان دین کے آسان احکام میں اتنی تنگی پیدا کردی کہ بظاہر چھٹکارے کی کوئی صورت ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور نظر آتی ہے۔[1]

قاری سید محمد شفیق صاحب اپنے کتابچہ "رسمِ جہیز اور مسئلہ وراثت" میں جہیز کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "ہندوستان کے جو غیر مسلم، اسلام میں داخل ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر کی دینی تربیت نہ ہو سکی۔ اس وجہ سے ان میں دینی تعلیمات، عقائد و اعمال کا فقدان رہا لہٰذا انہوں نے جہالت کی وجہ سے ہندوؤں کی بعض مذہبی اور سماجی رسموں کو برقرار رکھا مثلاً جہیز دینا اور بیٹیوں کو وراثت سے محروم رکھنا، بیساکھی اور بسنت کے میلے۔ نیز ہندوں کی بیاہ شادی کی کم و بیش تمام رسوم کی پابندی کی۔ منگنی، تیل، مہندی اور سہرا بندی کی رسوم، باجے، ناچ

1. موسیٰ خان، (۲۰۰۴ء)، اسلام میں عورت کی حثیت نسواں، دعا پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۱۰۳

گانے و دیگر خرافات اسی طرح ادا کر رہے ہیں جیسے ہندو ادا کرتے ہیں۔ مسلم اور ہندو کی شادیوں میں اگر فرق رہ گیا ہے تو وہ مولوی صاحب سے نکاح پڑھوانے اور ولیمے کا فرق ہے اور کوئی فرق نہیں"۔

علامہ اقبالؒ کے بقول:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اسلام میں جہیز کا تصور:

اسلامی تعلیمات میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی باقاعدہ شرعی حکم ہے۔کتب حدیث و فقہ کا جائزہ لیا جائے تو اس ضمن میں فقہاء نے کئی ابواب قائم کئے کسی میں منگنی کا ذکر (منکوحہ کو ایک نظر دیکھ لینا، کفو کا خیال رکھنا وغیرہ)، نکاح کے احکام کا ذکر، حق مہر کا ذکر، ولیمہ کا ذکر ہے اور دلہن دلہا کے ازدوجی تعلقات کے بارے میں بے شمار تفاصیل ملتی ہیں لیکن جہیز کے بارے میں اسلام میں کوئی تصور دیکھنے کو نہیں ملتا اسکی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

"والدین اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت اپنی خوشی سے تحفہ کے طور پر ضروری سامان دیتے ہیں لیکن جہیز کو اسلام سے منسوب کرنا سراسر غلط ہے۔"[۱]

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے آئین میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جہیز کا مختصر سامان جو ضروری ہو جمع کرے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ رکھی ہے۔ مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی ایک اہم وجہ مردوں کا عورتوں پر اپنے مال کو خرچ کرنا بھی ہے۔ شریعت اسلامی میں نکاح کا کوئی خرچ عورت کے ذمہ نہیں رکھا گیا بلکہ اسکے برعکس نکاح میں عورت کو مرد کی طرف سے مہر ملے گا وہ عورت پر خرچ کیا جائے گا نہ کہ اس سے مانگا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتا ہے:-

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾[۲]

"مرد عورتوں پر محافظ و منتظِم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں"

---

۱. شہزاد، اقبال شام، (۱۹۹۷ء)، اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اسکی وجوہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ ص ۲۰ ۲۰

۲. النساء، ۴: ۳۴

اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی مرد عورت سے افضل ہے کیونکہ وہ اس کو مہر دیتا ہے اور اس کا نفقہ ادا کرتا ہے۔"[۱]

اسی طرح عام مفسرین نے مال خرچ کرنے سے مراد عموماً دو باتیں ہی بیان کی ہیں کہ اس سے مراد مہر اور نفقہ ہے۔ اسلوب کلام اور الفاظ کی عمومیت کے لحاظ سے اس میں تمام قسم کے مالی اخراجات خواہ وہ نکاح سے متعلق ہوں یا گھریلو خرید و فروخت سے، عموماً جہیز کے دائرہ میں آتے ہیں، اور وہ سب کے سب "انفاق اموال" میں شامل و داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ کہ نفقہ کے ساتھ عورت کے لئے جائے رہائش فراہم کرنا بھی مرد پر واجب ہے۔ مکان کے ساتھ لوازم مکان کی فراہمی بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے ان چیزوں کی فراہمی پر دلہن یا اس کے سرپرستوں کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔لہذا مرد کی ذمہ داری ہے کہ گھر کا سامان تیار کرے۔اور جس شخص میں ہمت نہیں ہوتی تو اسے رکے رہنے اور کشائش کا انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾[۲]

اور ایسے لوگوں کو پاک دامنی اختیار کرنا چاہئے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

امام بخاریؒ نے دو ابواب میں روایات بیان کی ہیں جن میں استطاعت نہ رکھنے والوں کے لیے نکاح سے رکے رہنے کا حکم ہے۔

''باب قول النبي ﷺ من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج وهل يتزوج من لا إرب له في النكاح، وباب من لم يستطع الباءة فليصم''[۳]

قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں نہ ملتا کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ جب اپنی لڑکی کی شادی کریں تو رخصت کرتے وقت اس کو کچھ سامان بطور جہیز دیں کہ یہ ایک خلاف عقل اور خلاف فطرت بات ہے۔ چونکہ ہندوؤں کے ہاں لڑکی کو باپ کے ورثہ میں سے کچھ نہیں ملتا اس لئے والد نکاح کے وقت اس کا دل خوش کرنے کی غرض سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ دے دیتا ہے۔ کیونکہ اب سسرال والے لڑکی پر جتنا ظلم کریں وہ باپ کے گھر واپس نہیں آسکتی، ساس

---

۱. رازی، محمد بن عمر، (س۔ن) التفسیر الکبیر، دارالکتب العلمیۃ، لبنان۔ ص۸۸

۲. النور، ۲۴:۳۳

۳. بخاری، محمد بن اسماعیل، (۱۴۰۷ھ)، الصحیح، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت۔ ۵/ ۱۹۵۰، رقم:۴۷۷۸

سسر سے علیحدہ گھر میں نہیں رہ سکتی، باپ کی وراثت میں حصہ نہین پا سکتی، شوہر کے انتقال پر دوسری شادی نہیں کر سکتی، اسی شوہر کے ساتھ جل کر مرنا ہوگا یا پھر ہمیشہ بیوہ کی حالت میں زندگی گزارنی ہوگی۔[۱]

لہذا یہ جہیز ہندوؤں کی رسم ہے ان کے ہاں لڑکیوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیا جاتا حالانکہ کہ دیگر شرعی ورثاء کی طرح عورتوں کو بھی ان کے شرعی حصہ کے مطابق وراثت دینا ضروری ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کے بارے میں واضح احکام ہیں اور نہ دینے والوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے۔ لیکن جہیز کی رسم کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر شریعت مطہرہ میں اسکی اہمیت ہوتی تو اسے نظر انداز نہ کیا جاتا۔ طبقات ابن سعد میں صرف ایک ہار کا ذکر ملتا ہے جو رخصتی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیا۔

"روایت ہے کہ ابوالعاص جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ تھے ان کو عبداللہ بن نعمان انصاری نے گرفتار کیا پھر جب مکہ کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلے میں وفد بھیجا تو ابوالعاص کے فدیہ کے لئے ان کا بھائی عمرو بن ربیع آیا۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے عمرو کے ہاتھ اپنا ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور انہوں نے حضرت زینب کو رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب آپ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو اسے پہچان گئے آپ کا دل پسیج گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آئیں اور آپ ﷺ نے ابو العاص کو بلا فدیہ چھوڑ دیا اور زینب رضی اللہ عنہا کا ہار انہیں واپس کر دیا۔"[۲]

سنن نسائی میں ہے۔

''عن علی ؓ قال جهز رسول الله ﷺ فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها ازخر''[۳]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کیا ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ، جس میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا۔"

حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شاہ معین الدین ندوی بحوالہ اصابہ لکھتے ہیں کہ "جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول پاک ﷺ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس حق مہر کے لئے کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ نہیں، آپ ﷺ

---

۱. موسیٰ خان، (۲۰۰۴)، اسلام میں عورت کی حثیت نسواں، دعا پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۱۰۴

۲. ابن سعد، محمد، ابو عبداللہ، (۱۹۷۸ء)، الطبقات الکبریٰ، بیروت للطباعۃ والنشر۔ ص ۲۵۸

۳. نسائی، احمد بن شعیب، (۱۹۹۱ء)، سنن نسائی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ رقم الحدیث: ۳۳۸۶۔

نے ان سے پوچھا تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے؟ اسے فروخت کر دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کی۔ بعض روایات کی بنا پر جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی زرہ خریدی اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ کی قیمت لے کر رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دی، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ، سَلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کچھ درہم انہیں دے کر فرمایا کہ اس رقم سے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے گھر کی ضروری اشیاء خرید لاؤ اور اس میں سے کچھ درہم حضرت اسماء کو دیئے اور فرمایا کہ اس سے عطر اور خوشبو مہیا کرو اور جو درہم باقی بچے وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھ دیئے گئے۔"[۱]

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چار صاحبزادیوں کی شادیاں کیں اور کسی کو بھی جہیز نہیں دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو دیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی مہر معجل کی رقم میں سے تھا۔ اسی سے چند چیزوں کا انتظام فرما دیا، ایک چادر، ایک مشک اور ایک تکیہ۔ اور بعض کتابوں میں ایک بستر کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ مزید بر آں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن ہی سے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بچپن ہی سے ان کی کفالت کرتے آئے تھے۔ اس لیے قدرتی بات تھی کہ نیا گھر بسانے کے لیے بطور سرپرست سامان کا انتظام کرتے سو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی زرہ سے یہ سامان فراہم کیا۔

آثار صحابہ کرام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کہیں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے لڑکی والوں سے فرمائشی جہیز مانگا ہو یا اپنا حق سمجھ کر قبول کیا ہو، یا اس کو ضروری سمجھا ہو۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ایک قبیلے کے پاس آئے اور انہیں پیغام نکاح دیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ہم گمراہ تھے اللہ نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی، ہم مملوک تھے اللہ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم مفلوک الحال تھے اللہ نے ہمیں غنی بنایا اگر تم ہم سے اپنی لڑکیوں کی شادی کرو تو الحمد للہ اور اگر نہ کرو تو سبحان اللہ۔ ان لوگوں نے کہا کہ (گھبراؤ نہیں) تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ امام غزالی اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی نے بھی جہیز کا ذکر نہیں کیا۔ نہ مردوں نے

---

۱. ندوی، معین الدین، (س۔ن)، سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان۔ ۲۵۶/۱۔

اور نہ ہی لڑکیوں کے اولیاء نے۔ وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جہیز یعنی گھر کے ضروری سازوسامان کا مہیا کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے۔"[۱]

امام نعیمؒ حلیۃ الاولیاء میں بیان کرتے ہیں۔

"مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس ایک آدمی آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کئی دن غائب رہا اور کافی عرصے کے بعد آیا تو حضرت سعیدؒ نے غائب رہنے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیوی فوت ہو گئی تھی لہٰذا مصروف رہا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ نے پوچھا کیا تو نے کوئی دوسری شادی کر لی ہے؟ اس نے کہا کہ "میں فقیر ہوں مجھے کون رشتہ دے گا؟" حضرت سعیدؒ نے دو درہم مہر کے عوض وہیں اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔ وہ آدمی گھر چلا گیا تو شام کو خود اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر چھوڑ آئے۔ حضرت سعیدؒ نے اپنی بیٹی کا یہ رشتہ خلیفہ وقت کو بھی نہیں دیا تھا"[۲]

اس واقعہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شادی کے موقع پر خاوند یا بیوی کی طرف سے سامان جہیز دیا جانا ضروری نہیں۔ اور نہ یہ نکاح اور شادی کا لازمہ ہے ورنہ سعید بن مسیبؒ جیسے متبع سنت تابعی اس کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

بیوی کی جملہ جائز ضروریات اور اخراجات کا شرعاً ذمہ دار خاوند ہے، ہدایہ میں ہے

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت أو كافرة اذا سلمت نفسها إلى منزله فعليه كسوتها وسكناها والأصل فى ذلك قوله تعالى لينفق ذوسعة من سعته.[۳]

"بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ اس کا ہر قسم کا خرچہ خاوند پر واجب ہے جبکہ وہ (بیوی) اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے اور اس کے گھر میں منتقل ہو جائے اس خرچہ میں اس کی خوراک، لباس اور رہائش کے لئے مکان داخل ہے۔ اور اس حکم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔"

بیوی کو سکنیٰ (رہائش کے لئے مکان) کا دینا واجب ہے بعد از طلاق بھی عدت کے دوران بیوی کے لیے سکنیٰ مہیا کرنا لازم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

۱. غزالی، محمد بن محمد، (س۔ن)، احیاء علوم، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔ ۲/ ۵۰

۲. ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ، (س۔ن)، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب، لبنان۔ ص ۹۱۔

۳. مرغینانی، برہان الدین، (س۔ن)، ہدایہ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔ ص ۴۱۵۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ.[1]

"تم اُن (مطلّقہ) عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنی وسعت کے مطابق رہتے ہو۔"

ظاہر ہے جب رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے تو ایک مکان میں رہنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے اور اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور سونے کے لیے جن اشیاء کا استعمال میں لانا ضروری ہے اور جنکو ہماری اصطلاح میں جہیز کہا جاتا ہے وہ بھی خاوند ہی کے ذمہ واجب ہو گی۔

صحاح ستہ، معروف کتب احادیث اور چاروں فقہاء کی امہات الکتب میں "باب الجہیز" کے عنوان سے کوئی باب نہیں اگر کوئی شرعی حکم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں نکاح سے متعلق دیگر احکامات تفصیلاً بیان ہوئے وہاں جہیز کا بیان نہ ہوتا۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کا دائرہ کار وسیع ہو جانے سے اور مسلمانوں کے مختلف ممالک میں پھیل جانے اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنے کی وجہ سے بعض رسومات ان میں دانستہ یا نادانستہ پیدا ہو گئی تھیں جن میں سے ایک جہیز ہے۔ اس کے مسلمانوں میں آجانے کی وجہ سے بعض متاخرین فقہاء کے فتاویٰ میں جہیز کے سلسلے میں چند جزوی احکامات ملتے ہیں۔

الاحوال الشخصیہ میں مشہور فقیہ محمد ابو زہرہ "متاع البیت" کے عنوان سے فقہاء حنفیہ کی رائے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

رأى الحنفية وهو أن إعداد البيت على الزوج كان النفقة بكل أنواعها من مطعم أو ملبس ومسكن عليه وإعداد البيت من المسكن فكان بمقتضى هذا الإعداد على الزوج إذا النفقة بكل انواعها تجب عليه والمهر ليس عوض الجهاز لانه عطا و نحلة كما سماه القرآن فهو ملك خالص لها وهو حقها على الزوج بمقتضى احكام الزواج وليس ثمه من مصادر الشريعة ما يجعل المتاع حقا على المبرئة ولا يثبت حق من حقوق الزواج من غير دليل.[2]

"حنفی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ گھر (اور گھریلو سامان) کی تیاری خاوند کے ذمہ ہے کیونکہ ہر قسم کا خرچہ مثلاً کھانا، لباس اور رہائش کی جگہ دینا اس پر واجب ہے۔ اور گھریلو سازوسامان (جسے عرف عام میں جہیز کہا جاتا ہے) رہائش کے مکان میں داخل ہے۔ پس اس اعتبار سے گھریلو سازوسامان کی تیاری خاوند پر واجب ہوئی۔ حق مہر جہیز کا عوض

---

۱. الطلاق، ۶۵:۶

۲. ابوزہرہ، محمد، محی الدین، (۱۹۸۵ء)، الاحوال الشخصیہ، السعادۃ القاہرہ، مصر۔ ص ۷۷۔۹

نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صرف اور صرف عطیہ ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اسکا نام نحلۃ(عطیہ) رکھا۔ وہ خالصتاً بیوی کی ملکیت ہے اور خاوند پر اسکا حق ہے۔ مصادر شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جسکی بنیاد پر گھریلو سازوسامان کی تیاری عورت کا حق قرار دیا جاسکے۔ اور بغیر دلیل کے کبھی کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔"

مالکی فقہاء کے نزدیک اگرچہ جہیز کے سامان کی تیاری عورت کے ذمہ ہے تاہم اس میں بھی یہ وضاحت ہے کہ یہ سازوسامان پیشگی رقم مہر سے بنائیگی نہ کہ اپنے ذاتی مال یا والدین کے مال سے۔ اگر خاوند کی طرف سے پیشگی کوئی رقم اس کے پاس نہ بھیجی جائے تو اس پر سامان جہیز لازم نہیں ہے۔

السید سابق لکھتے ہیں:

"یہ ایک عام رواج یا عادت ہے کہ بیوی اور اسکے گھر والے جہیز اور گھر کا سازوسامان تیار کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے۔"

جس طرح دیگر کئی ایک رسوم کو جن میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت نہ تھی قبول کر لیا گیا، اسی طرح اس رواج (جہیز) کو بھی اپنا لیا گیا ورنہ یہ کوئی شرعی حکم یا نکاح کا کوئی لازمی جزو نہیں ہے۔

جہیز دینا درجہ مباح میں ہے

یہ بات واضح ہو چکی کہ شادی پر لڑکی کے والدین کا جہیز دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے اور نہ ہی یہ لازمہ نکاح ہے اور نہ ہی سنت ہے۔ جہیز کا سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہے۔ گھریلو سازوسامان تو الگ رہا نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خوشبو بھی مہر کی رقم سے منگوائی۔ یہ سب کچھ تعلیم امت کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ اگر چاہتے تو احد پہاڑ کو سونا بنا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دے دیتے۔

لیکن آج ہمارے معاشرے میں کئی ایسی رسومات پائی جاتی ہیں جنکا شریعت اسلامی میں کوئی تصور نہیں پایا جاتا یعنی شریعت اسلامی میں نہ تو ان کا درس ملتا ہے اور نہ ہی اسکی ممانعت ملتی ہے ایسے امور کو فقہ اسلامی کی روشنی میں مباح کہتے ہیں ان میں سے ایک جہیز بھی ہے جو ہمارے معاشرے میں آگیا ہے اور جڑ پکڑ چکا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مروجہ جہیز یعنی شادی کے موقعہ پر والدین کا اپنی گرہ سے سامان جہیز خرید کر لڑکی کے ساتھ بھیجنے کو عموماً سنت نبوی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس مغالطہ کا باعث وہ روایت ہے جسے محدثین قریباً ایک جیسے الفاظ کے ساتھ لائے ہیں۔ سنن نسائی کے الفاظ پیچھے ذکر کیے جا چکے ہیں۔ جن میں لفظ جھز آیا ہے۔ اس لفظ سے مروجہ جہیز کو سنت نبوی سمجھنا غلط ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں ہے:

إن رسول الله ﷺ أتى عليا وفاطمة وهما فى خميل لهما والخميل القطيفة البيضاء من الصوف قد كان رسول الله ﷺ جهز هما بها. (۱)

"رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے وہ دونوں اس وقت اون کی سفید چادر میں تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو اسی چادر کے ساتھ تیار کیا تھا۔یعنی اسی چادر کا تحفہ عطا فرمایا تھا"

اب اگر جھز کے معنی جہیز لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے بیٹی کے علاوہ اپنے داماد کو بھی جہیز دیا جو عقلاً اور نقلاً غلط ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عن عائشة وأم سلمة قالتا أمرنا رسول الله ﷺ أن نجهز فاطمة حتى ندخلها على علي ﷺ فعَمدنا إلى البيت ففرشناه ترابا لينا من اعراض البطحاء الخ. (۲)

"حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتیں ہیں کہ ہمیں رسول االلہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم فاطمہ ؓ کو تیار کر کے علی المرتضی ؓ کے پاس داخل کر دیں چنانچہ ہم اس تیاری کے ضمن میں گھر کی طرف متوجہ ہوئیں اسے سرزمین بطحا کی نرم مٹی سے پلستر کیا۔۔۔"

اس روایت میں بھی جھز کا معنی "جہیز دینا" کسی قیمت پر نہیں لیا جا سکتا۔اسی طرح دیگر کچھ احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس سے جہیز دینا کے معنی نہیں نکلتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامان کو جہیز سمجھنا اس لئے بھی درست نہیں کہ حضور ﷺ کی دیگر صاحبزادیوں کو اتنا سامان بھی نہیں دیا گیا۔ اور حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین اور عادل و منصف ذات سے یہ بعید ہے کہ آپ اپنی اولاد میں کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا رکھیں۔ جہاں تک ظاہری معاملات کا تعلق ہے ان میں کسی لڑکی یا لڑکے کو دوسری اولاد پر ترجیح دینا خلاف شرع ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ساووا بين أولادكم في العطية لو كنت مُفضّلاً أحد لَفضّلتُ النساء. (۱)

---

۱. ابن ماجہ، محمد بن یزید، (۱۴۲۰ھ)، السنن، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، المملکۃ العربیۃ، السعودیہ۔ ص ۳۱۷.

۲. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱/۶۱۶، الرقم: ۱۹۱۱

"تم عطیہ دینے میں اولاد کے درمیان برابری کرو۔ اگر کسی کی تفضیل یا ترجیح جائز ہوتی تو میں عورتوں کو ترجیح دیتا۔"

معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز (اگر اس سامان کو جہیز کا نام بھی دیا جائے) حضور ﷺ کی طرف سے کوئی عطیہ نہ تھا ورنہ حضور ﷺ باقی صاحبزادیوں کو بھی ضرور عنایت فرماتے۔

لڑکی کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کرنا:

یہ امر ثابت ہو چکا کہ سامان جہیز خاوند کی ذمہ داری ہے اور وہ جملہ ضروری گھریلو اشیاء کے مہیا کرنے کا پابند ہے۔لہذا خاوند یا اس کے گھر والوں کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ بیوی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کریں یا انہیں مجبور کریں۔

امام ابن حزم بیان کرتے ہیں۔

"عورت کو اس بات پر مجبور کرنا جائز نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے پاس سامان جہیز لائے۔نہ ہی اس مہر کی رقم سے جو خاوند نے اسے دی ہے اسکا اپنا مال مہر جو سارے کا سارا اسکی ملکیت ہے اس میں وہ جو چاہے کرے خاوند کو اس میں کسی قسم کا دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔" (۲)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

"اگر کوئی آدمی ایک ہزار روپے مہر پر کسی عورت سے نکاح کرے اور عادت یہ ہو کہ اتنا مہر ایک بڑے جہیز کے مقابلے میں ہوتا ہو مگر وہ عورت ایسا نہ کرے (جہیز نہ لائے) تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ اس سے جہیز لانے کا مطالبہ کرے۔ اگر بیوی جہیز بھی لائے تو اسکی مالک بیوی ہی ہو گی خاوند کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ آدمی پر واجب ہے کہ وہ عورت کے لیے ایسی رہائش کی جگہ تیار کرے جو ضروریات زندگی پر مشتمل ہو۔" (۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

---

۱. نسائی، احمد بن شعیب، (۱۹۹۱ء)، سنن نسائی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ رقم الحدیث: ۳۳۸۲۔

۲. ابن حزم، علی بن احمد، (س۔ن)، المحلی، دار الافاق الجدیدہ، بیروت، لبنان۔ ص ۴۰۴

۳. الجزیری، عبدالرحمٰن، (۲۰۰۶ء)، ترجمہ: منظور احسن عباسی، کتاب الفقہ علی مذہب الاربعہ، علما اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب۔ ۴/ ۲۱۷

" صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ مال نکاح میں مقصود نہیں۔" (۱)

جہیز کی تباہ کاریاں

جب معاشرے میں کوئی رسم پائی جاتی ہے تو اسکی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اسکا کوئی فائدہ ہوتا ہے لیکن اگر وہی رسم تباہ کاری کا باعث ہو جائے تو اسکا فائدہ بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی رسوم میں سے ایک رسم جہیز ہے۔ جہیز دینا جو کہ ایک مباح عمل ہے معاشرے میں ضروری سمجھا جانے لگا ہے۔ اور ایک قبیح رسم کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ جہیز مانگنے والوں اور دینے والوں کی بدولت اس رسم نے معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں اور اس نے ایک پریشان کن معاشرتی مسئلہ اور اقتصادی برائی کی صورت اختیار کر لی ہے۔

جہیز کی تباہ کاریوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

نمود و نمائش اور تفاخر: امراء رسم جہیز کو اپنے جاہ و منصب کی شناخت سمجھتے ہیں اور بے پناہ پیسہ خرچ کرتے ہیں اور اس رسم کو شہرت و ناموری، دولت کی ریاکاری اور پابندی رسم کی نیت سے کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بڑی دھوم دھام اور تکلف سے اسکی نمائش کی جاتی ہے حالانکہ اسلام نے نمود و نمائش سے منع کیا ہے اور اس وجہ سے غریب مائیں اور بیٹیاں احساس کمتری کا شکار ہوتی ہیں۔

اسی نمائش کے جذبے سے لوگوں میں تفاخر پیدا ہوتا ہے۔ والدین فخر سے بتاتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی کو فلاں فلاں چیز دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے منع کیا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قِرِينًا﴾ (۲)

"اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر، اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہو گیا تو وہ برا ساتھی ہے۔"

اسراف و تبذیر: جہیز کی برائیوں میں سے ایک برائی اسراف و تبذیر بھی ہے۔ لوگ دیکھا دیکھی اسراف پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بھاری کپڑے، زیورات، اور ضرورت سے زائد اشیاء وغیرہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسراف سے منع کیا فرمایا ہے۔

---

۱. مواہب الرحمٰن، (س۔ن)، ترجمہ: مولانا سید امیر علی، فتاویٰ عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔ ۲ / ۲۲۳۔

۲. النساء، ۴:۳۸

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ (۱)

"بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔"

اور اعتدال کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

خير الأمور أوسطها.

"کاموں کی اچھائی ان کا اعتدال ہے۔"

تکاثر: تکاثر کا مطلب ہے راتوں رات امیر ہونا۔ اس ہوس نے آجکل جہیز پر اپنا اثر قائم کیا ہوا ہے۔ آجکل لڑکے والے امیر ہونے کی غرض سے ایسی لڑکی کو دلہن بنانا چاہتے ہیں جو بینک بیلنس، گاڑی، اور جہیز ساتھ لائے۔ اس سے اخلاقی برائی عام ہو رہی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (۲)

"تمہیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کر دیا . یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔"

ناجائز ذرائع کا استعمال: جہیز کے حصول کے لیے انسان مال مال کی رٹ لگاتا ہوا مال حاصل کرنے کے جائز و ناجائز حربے استعمال کر ڈالتا ہے اور دھوکا، خیانت، رشوت جیسے بڑے امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اگر کوئی زیادہ ہی باضمیر ہو مگر اپنی حلال کمائی سے اپنی بیٹی کو جہیز نہ دے سکتا ہو تو قرض جیسے جال میں تو ضرور کہیں پھنس ہی جاتا ہے۔

شادی میں تاخیر: جہیز شادی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے شادی میں تاخیر کی جاتی ہے اور معاشرہ میں بے راہ روی بڑھتی ہے۔

وراثت کے حق سے محرومی: اکثر لوگ بیٹی کو جہیز دے کر وراثت کے حق سے دستبردار ہو جاتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ جہیز ایک ہدیہ ہے جبکہ وراثت ایک حق ہے جو اللہ نے ہر مسلمان کی بیٹی کو عطا کیا ہے۔ مباح کام کے بدلے فرض کو ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

احساس کمتری: مروجہ جہیز کی وجہ سے غربت وافلاس میں ڈوبے انسان احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی بیٹیوں کو اتنا کچھ دے نہیں پاتے اور اسی وجہ سے غریب لوگوں کی بیٹیوں کا کوئی رشتہ لینے کو تیار نہیں ہوتا کہ یہ

---

۱. بنی اسرائیل، ۱۷:۲۷

۲. التکاثر، ۱۰۲:۲،۱

غریب لڑکی کوئی جہیز لے کر نہیں آئے گی اس لیے غریب کی بیٹیاں گھر بیٹھ کر اپنے سروں کے بال سفید کر لیتی ہیں۔اس ہندوانہ رسم نے شادی جیسے مقدس بندھن کو ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔شادی ایک بندھن کم مگر بزنس زیادہ بن کر رہ گئی ہے کیونکہ آج اکثر لوگ صرف نیک سیرت پڑھی لکھی بہو کی خواہش نہیں کرتے بلکہ ایسی بہو کی خواہش کرتے ہیں جو ساتھ قیمتی گاڑی، قیمتی زیور اور سامان آرائش لائے۔

غریب والدین پر بوجھ : جہیز غریب والدین پر بوجھ ہے۔

بغض وحسد: جہیز لوگوں میں بغض وحسد کا باعث بنتا ہے۔

گھریلو تنازعات: جہیز بھی گھریلو تنازعات کا باعث بنتا ہے۔

شوہروں کو حریص بنانا : جہیز کی لعنت نے شوہروں کو حریص بنا دیا ہے۔

دلہن کی قدر میں کمی: جہیز نے دلہن کی قدر کو کم کر دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اپنی بیٹی کو زیادہ جہیز دیتے ہیں تو اسے سسرال میں بہت قدر ملے گی اور عزت بڑھے گی جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس طرح عزت کی بجائے لالچ اور بڑھتا ہے۔ مرد، عورت کی خوبیوں کی بجائے جہیز پر نظر رکھتا ہے اور مزید مطالبے کرنا شروع کر دیتا ہے ایسے میں عورت بطور انسان کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ ایک جہیز بن جاتی ہے۔ اسکے کردار اور خوب سیرت اچھائیوں کو کوئی نہیں سراہتا بلکہ اسکے جہیز کی مقدار کو سراہا جاتا ہے۔

والدین پر بیٹی بوجھ: جہیز نے والدین پر بیٹی کو بوجھ بنا دیا ہے۔

خودکشی کا باعث: جہیز کی فرمائش اور طعنہ زنی سے تنگ آکر بعض لڑکیاں خودکشی بھی کر لیتی ہیں۔

رسمِ جہیز کے خاتمہ کے لیے تجاویز

☆ہم میں سے ہر شخص انفرادی طور پر عہد کرلے کہ آئندہ ہم نہ تو جہیز لیں گے، نہ دیں گے۔اور نہ ہی ایسی شادیوں میں شرکت کریں گے جن میں جہیز کا لین دین ہو، خواہ وہ ہمارے کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں۔

☆ خاص طور پر دلہا اور اسکے گھر والے جہیز نہ مانگیں اور اسکے خلاف اصلاحی جہاد کا اعلان کریں اور لڑکی کے والد کو سمجھا دیں کہ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے، اسلام میں اسکا ثبوت نہیں، اگرچہ ناجائز بھی نہیں آپ کرسکتے ہیں لیکن اگر آپ نہ کریں تو اس میں ہماری خوشی ہے۔اسکے علاوہ دلہا جرات وہمت سے کام لے کر اپنی والدہ اور بہنوں کو سمجھا دے کہ آنے والی بہو کو طعنہ نہ دیں۔

☆ہم غریب لڑکیوں کی شادیوں پر " مانگ تانگ " کر جہیز مہیا کرنے کو نیکی تصور کرتے ہیں حالانکہ نیکی یہ ہوگی کہ ہم لوگوں کی سوچ بدلیں خصوصاً لڑکیوں کو یہ باور کروائیں کہ جہیز لینا اور دینا دونوں اس معاشرے میں حرام کی حد کو پہنچ چکے ہیں اس لیے آپ حرام سے بچیں۔

☆ضرورت اس امر کی ہے کہ شہر شہر، قریہ قریہ اور محلہ محلہ ایسی تنظیمیں قائم کی جائیں جو جہیز کے خلاف عوام میں نفرت پیدا کریں اور رفتہ رفتہ ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ لوگ جہیز کا نام لیتے ہوئے شرمائیں اور جہیز کو ایک عیب سمجھا جانے لگے۔

☆علمائے کرام مساجد میں اپنے خطبات اور اجتماعی جلسوں میں جہیز کے خلاف علمی و عملی مثالیں پیش کر کے انہیں بغیر جہیز کی شادیوں پر ابھاریں۔

☆اساتذہ کرام سکول، کالج، یونیورسٹی، دینی مدارس میں بتدریج جہیز کو ایک ہندوانہ رسم اور ایک لعنت ثابت کرنے کے لیے دلائل دیں اور طالب علموں کو جہیز کے بغیر شادیوں کے لیے تیار کریں۔

☆ حکومت کو چاہیے کہ وہ جہیز پر پابندی لگا دیں۔ اور اس قانون کو توڑنے والے کے لئے سزا مقرر کرے اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔

☆ٹی وی، ریڈیو، اخبارات رسائل، انٹرنیٹ پر جہیز کے خلاف شہ سرخیوں میں مختلف پیغامات وقتاً فوقتاً خصوصاً مذہبی مواقع مثلاً جمعہ وغیرہ کے دن اس طرح کے پیغامات کو نمایاں طور پر نشر اور شائع کریں:

خلاصہ بحث

جہیز کے سلسلے میں قرآن وسنت سے نہ کوئی صریح حکم اور نہ ہی ممانعت ملتی ہے اس لیے والدین کی طرف سے رخصتی کے وقت اپنی لڑکی کو مناسب جہیز جس میں نہ اسراف ہو، نہ قرض لیا گیا ہو اور نہ ہی نمود و نمائش ہو دینا مباح معلوم ہوتا ہے لیکن فرمائشی جہیز رشوت کے زمرے میں ہے اور وہ حرام ہے۔

دین اسلام میانہ روی کا دین ہے اور ہر کام کو نقطہ اعتدال پر سرانجام دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کی اللہ رب العزت نے اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾[1]

---

۱. الفرقان،۶۷:۲۵

"اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے۔"

اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو یا تو نہایت سادگی سے میانہ روی کے ساتھ ادا کیا جائے یا سرے سے ختم ہی کر دیا جائے کیونکہ اس کے مفاسد اس کے مصالح سے زیادہ ہیں۔

المصادر والمراجع

۱. القرآن الکریم

۲. بخاری، محمد بن اسماعیل، (۱۴۰۷ھ)، الصحیح، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت

۳. الجزیری، عبد الرحمٰن، (۲۰۰۶ء)، ترجمہ: منظور احسن عباسی، کتاب الفقہ علی مذہب الاربعہ، علما اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

۴. ابن حزم، علی بن احمد، (س۔ن)، المحلی، دار لافاق الجدیدہ، بیروت، لبنان

۵. رازی، محمد بن عمر، (س۔ن) التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، لبنان

۶. راغب اصفہانی، (۱۳۳۸ھ)، مفردات القرآن، مترجم: شیخ شمس الحق، اقبال ٹاؤن لاہور

۷. ابوزہرہ، محمد، محی الدین، (۱۹۸۵ء)، الاحوال الشخصیہ، السعادۃ القاہرہ، مصر

۸. ابن سعد، محمد، ابو عبد اللہ، (۱۹۷۸ء)، الطبقات الکبریٰ، بیروت للطباعۃ والنشر

۹. شہزاد، اقبال شام، (۱۹۹۷ء)، اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اسکی وجوہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۰. غزالی، محمد بن محمد، (س۔ن)، احیاء علوم، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

۱۱. قاسم محمود، سید، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفضل تاجران کتب، اردو بازار، لاہور۔

۱۲. ابن ماجہ، محمد بن یزید، (۱۴۲۰ھ)، السنن، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، المملکۃ العربیۃ، السعودیہ

۱۳. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان

۱۴. موسیٰ خان، (۲۰۰۴ء)، اسلام میں عورت کی حثیت نسواں، دعا پبلی کیشنز، لاہور

۱۵. مواہب الرحمٰن، (س۔ن)، ترجمہ: مولانا سید امیر علی، فتاویٰ عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۱۶. مرغینانی، برہان الدین، (س۔ن)، ہدایہ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

۱۷. نسائی، احمد بن شعیب، (۱۹۹۱ء)، سنن نسائی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۸. ابونعیم، احمد بن عبد اللہ، (س۔ن)، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب، لبنان

۱۹. ندوی، معین الدین، (س۔ن)، سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان

فہم نص دور حاضر کے چیلنجز کے تناظر میں

☆ ڈاکٹر شفاقت علی الازہری

☆☆ ابوالحسن احمد

ABSTRACT

The human intellect and reason always had been much important as the secondary source for the comprehension of the Quranic text. It became a major issue in early Muslim history that either the revealed text is superior or intellect as the source of knowledge. Muslim Philosophers take intrest to take first hand knowledge of the Greece Philosophy. Mean while, Scholastic Philosophers created ideas to defend Islam. By using the reason they presented high standard research and shown impactable results. Moderanity, Reformation, Western Civilization and its ideas and systems are major issues for Muslims. Now a days we can solve our problems and stand on victory stand as the Quranic text has prooved that there is no conflict between the Divine revelation and the reason, and in the result of it Islam is spreading all over the world specially in the west although the Muslims are backward.

Keywords: Civilization, Divine, Revelation, Moderanity, Philosophers

فہم نص اور اس پر کما حقہ عمل پیرا ہونا وہ طرز عمل ہے جس سے تاریخ انسانی میں قوموں کو بلندی و عروج حاصل ہوا اور وہ ہمیشہ ترقی کی راہوں پر گامزن رہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی منتخب ہستیوں کو پیغام رسالت، منصب خلافت اور الوہی نصوص سے سرفراز فرماتا ہے تو انہیں طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تہی دست چھوڑنے کی بجائے بالمقابل تحدیات و چلینجز کا رد کرنے اور ان کے حل کیلئے حسب حال اپنی نشانیاں، معجزات عطا فرماتا ہے تاکہ احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب سے بڑی برہان اور اپنے الوہی کلام سے قرآنی نص عطاء فرمائی جو انسانی عقل و بصیرت کے عروج کا سبب بنی۔ اس الوہی نص کے درست فہم نے خلیفہ الٰہی نبی آخر الزمان ﷺ کی قیادت میں کامیابی و کامرانی کے جھنڈے گاڑے۔ دور حاضر میں حال یہ ہے کہ اس کی مدد

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی لاہور

☆☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر

سے ستاروں پہ کمندیں ڈالنے والا انسان اب خاتمے کی سوچ میں ڈوب رہا ہے۔ جس کا بنیادی سبب نصوص قرآن و حدیث کا ترک کر دینا ہے۔ سابقہ اقوام کے زوال و انحطاط کا بھی یہی سبب تھا۔ علامہ اقبال نے یوں اشارہ کیا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر [۱]

الغرض دور حاضر میں زوال و انحطاط اور پستی کا اصلی اور بنیادی سبب تارک قرآن ہونا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ تا قیامت ہر دور کے انسان کی عقل کو عاجز کر کے درست رہنمائی کرنے کیلئے قرآن کریم روشن و منور مشعل راہ ہے۔

دین اسلام کے احکام و شریعت ایسی حتمی و یقینی اورالوہی نصوص پر مبنی ہیں جن کو کسی زمانہ اور مکان میں بھلایا نہیں جا سکتا۔ اس میں ہر نئی پیدا ہونے والی مشکلات کا حل اور تابناک اصول موجود ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ نصوص شریعہ اسلامیہ یعنی قرآن و حدیث کا فہم جتنا گہرا اور عمیق ہو گا اتنا ہی زمانہ کے چیلنجز کا مقابلہ آسان ہو گا اور اسلامی نسلوں کی حفاظت ممکن ہو گی۔

جتنا نصوص فہمی کا عمل کمزور ہو گا اتنا زیادہ اضطراب و تذبذب جنم لے گا۔ بلاشبہ فہم نص دور حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے اور اپنی نسلوں کو اضطراب و تذبذب سے محفوظ رکھنے کے لیے کلیدی حیثیت کا مالک ہے۔

اگر ہم نص کے معنی و مفہوم کی تحدید و تعین پر غور کریں تو ہمیں علم ہو تا ہے کہ لفظ نص لغوی طور پر کسی چیز کو بلند کرنے کے معنی دیتا ہے جیسا کہ اہل لغت نے یوں بیان کیا ہے-''نَصَّ الشيء رفعه وبابه رَدَّ''[۲] نَصَّ کا معنی رفع یعنی بلند کیا اور اس کا باب ''رد'' ہے، اسی طرح جب کہا جائے۔

''نَصَّ الحديث إلى فُلانٍ أي رفعه إليه''[۳]

یعنی اس نے حدیث کو اس تک پہنچایا۔

نص کا دوسرا معنی کسی چیز کا منتہا ہے جیسے

''نَصَّ كل شيء منتهاه''[۱]

---

[۱]. محمد اقبال، علامہ، (۱۴۱۰ھ)، کلیات اقبال، لاہور، استقلال پریس۔ ص: ۲۳۳

[۲]. الرازي، محمد بن أبي بكر عبد القادري، (۲۰۰۳م)، مختار الصحاح، دار الحديث، القاهرة۔ ص: ۳۵۵

[۳]. نفس المرجع

ہر چیز کی نص سے مراد اس کی انتہا ہے۔

''النَصّ صيغة الكلام الأصلية التي وردت من المؤلف''[۲]

نص وہ کلام ہے جو مؤلف سے وارد ہو۔

ذیل میں دور حاضر کے چند اہم چیلنجز جیسے جدیدیت، اصطلاح معاشرہ، تہذیبی بالادستی، سائنس پر یقین وغیرہ کی روشنی میں فہم نص پر گفتگو پیش کرتے ہیں۔

یہ جدید دور کے فکری مسائل نے اہل اسلام کیلئے مشکلات اس لیے بھی دوچند کی ہیں کیونکہ امت مسلمہ زوال کا شکار ہے۔ اور فکری جمود صدیوں سے برپا ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے اثرات آزادی کے بعد بھی مسلم ممالک میں پائے جاتے ہیں۔

ا۔ جدیدیت اور اصلاح پسندی

جدیدیت کی تحریک نے نصوص سے اعتماد کو ختم کرنے اور عقل سے تشریح و تعبیر کرنے کو رواج دیا۔ اسلامی فلسفہ کے زوال کے بعد یورپ نے انگڑائی لی جس کے ہاں قبل جدیدیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی ارتقائی تقسیم تسلیم کی جاتی ہے جو کہ انسانی عقل و فراست کی اختراعات ہیں۔ مارٹن لوتھر کی چلائی ہوئی اصلاح مذہب کی تحریک کے منطقی انجام کو جدیدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تب کیتھولک کلیسا کلی اقتدار کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس کے رسم عشائے ربانی کی چند بدعنوانیاں سامنے آئیں تو مارٹن لوتھر نے ۱۸۱۷ء میں پچانوے نکات سے کلیسا کے خلاف بغاوت کی بنیاد رکھی۔[۳]

سپائنوزا (۱۶۳۲۔۱۶۷۷ء) خدا پرست مفکر تھا۔ اس لیے مغربی فلسفی اسے فلسفی کے طور پر قبول نہیں کرتے۔ اس کی تحقیق تھی کہ بائبل کے قدیم و جدید عہد ناموں میں بہت ردوبدل اور تحریف کی گئی ہے۔ اس نے عقل سے تشریح کرنے پر زور دیتے ہوئے کلیسائی ادارہ جاتی تشریح کو مسترد کر دیا۔ جبکہ والٹیئر کی الحاد کے خلاف تحریروں نے لادینی افکار میں ارتعاش پیدا کیا جس سے پورا پلڑا خدابیزاری کی طرف نہ جھکا۔

---

۱. نفس المرجع

۲. مجمع اللغة العربية مصر، (۲۰۰۲ء) المعجم الوجيز، مكتبة الشروق الدولية القاهرة، مصر، ص:۶۶۴

۳. ایڈون برٹ، اے، (۲۰۰۹ء). فلسفہ مذہب، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص:۱۴۱

در حقیقت مغرب اپنی فکر و تہذیب کو غالب کرنے کی جستجو میں مسلمان کی دین سے برگشتگی کا خواستگار ہے۔ اور اسی راہ پہ چلتے دیکھنا چاہتا ہے جس پہ مسیحی مغرب منزل گم کر چکا ہے۔ مسیحیت تو الہامی کتب اور کلیسا میں پوجا پاٹ تک محدود رہ گیا ہے۔ کیونکہ وہاں اب حقائق تک پہنچنے کا ذمہ دین پہ نہیں ڈالا جاتا، ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری عصریات میں اپنے علمی تجربے سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اٹھارویں صدی میں جس فکر نے عیسائیت کو شکست دی اس کی دو شاخیں تحریک تنویر اور تحریک رومانیت تھیں۔ یہ دونوں تحریکیں بنیادی طور پر وحی کا انکار کرتی ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عقل استقرائی اور عقل استخراجی کو استعمال کر کے حقیقت تک رسائی ہو سکتی ہے۔ عقل، وحی اور علم لدنی کے بغیر ان سوالات کا جواب دے سکتی ہے کہ انسان کیا ہے؟ انسان کی حقیقت میں حیثیت کیا ہے؟ تحریک تنویر ادیان کے برعکس اس بات کی داعی ہے کہ ان سوالات کا شافی و کافی جواب عقل انسانی کے ذریعے مل سکتا ہے اس لیے کسی ماورائی ذریعہ علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طریقہ سے عقل کو استعمال کرتے ہوئے ریاضی اور منطق کے مسائل حل کیے جاسکتے ہیں اسی طریقہ سے عقل کو استعمال کر کے مابعد الطبیعیاتی اور حقیقت انسان و کائنات کے بارے میں مسائل بھی حل کیے جاسکتے ہیں۔"[۱]

امت مسلمہ کی موجودہ انحطاطی صورتحال کی کایاپلٹنے کیلئے معجزہ ہی کام آسکتا ہے۔ اور ایسا معجزہ خاتم النبیین ﷺ وحی کی متلو اور غیر متلو دونوں صورتوں میں امت کیلئے دے گئے ہیں۔ اس لیے خاص طور پر نص قرآنی کے بامعنی مطالعے پر خصوصی توجہ دی جائے۔ یکساں تعلیمی نظام میں آئینی ضرورت کے طور پر اسلامیات کا ایک ایسا مربوط اور جامع نصاب لایا جائے کہ گریجویٹ قرآن پاک کا مکمل ترجمہ جانتے ہوں۔ نیز مقابلے کے امتحان میں اردو اور انگریزی کے ساتھ عربی کا برابر نمبروں والا لازمی پرچہ رکھا جائے جس سے بیوروکریسی کو کارکردگی کی ترجیحات کی ایسی گھٹی ملے جو انتظامی معاملات میں ان کو ہمیشہ ازبر رہے۔

---

[1]. انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، (۲۰۰۲ء). مغربی تہذیب، لاہور، شیخ زائد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، ص ۴۹

۲۔ مغربی تہذیب کی بالا دستی

عالمگیر ہمہ گیری اور آفاقی تہذیب ہونے کی دعویدار مغربی تہذیب، جو اسلام کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ اور اس کے مٹانے کے درپے ہے، کی بنیاد انسان پرستی، سیکولرزم، مادہ پرستی، تجربیت اور اس کے ضمن میں ایجابیت، نتائجیت اور افادیت پسندی کے نظریات ہیں۔[۱]

ان نظاموں کو اگر مذہب جدید کہا جائے تو مناسب ہو گا۔ جب سائنسدانوں میں سے ڈارون نے نظریہ ارتقاء پیش کیا تو اس پر مغرب میں ایمان لایا گیا اور غور نہ کیا گیا کہ زندگی کی شکلوں میں یہ تنوع اور تفاضل، جو ایک بے نظیر ترتیب حکیم کے منصوبے کا نتیجہ ہے بتدریج وجود میں لاتا چلا گیا۔ اور جن انواع کی ضرورت نہ رہی انہیں مٹاتا بھی رہا ہے۔[۲]

جب ہم عصر حاضر میں امت مسلمہ کیلئے مسائل کھڑی کرنے والے جدید افکار کا پس منظر دیکھتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ڈانٹے (۱۲۶۵ء تا ۱۳۲۱ء) کے بقول "روحانی اور مذہبی معاملات کا سیاسی اور دنیوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔"[۳] اب مغربی تہذیب کے غلبے سے متاثر متجددین کا طبقہ نت نئے مسائل کھڑے کر رہا ہے۔ وہ جدیدیت کے خواہ خواں ہیں جس کے مغرب پر بہت خطرناک نتائج مرتب ہوئے ہیں۔ حسن عسکری کہتے ہیں:

> "نشاۃ ثانیہ کا اصلی مطلب ہے، وحی پر مبنی اور نقلی علوم کو بے اعتبار سمجھنا، اور عقلیت اور انسان پرستی اختیار کرنا۔ اسی لیے اس تحریک کا دوسرا نام انسان پرستی ہے۔ پندرہویں صدی میں جدیدیت کے خدوخال نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ جس کی خصوصیات میں یونانی علوم کی دینی علوم پر ترجیح، انسان پرستی، خدا پر ایمان کو رسمی چیز سمجھنا، دکھائی دینے والی دنیا کا بندوبست کرنا، خدا کی دو کتابیں انجیل اور فطرت قرار دینا، نفس پرستی کو اصولی زندگی بنانا، تسخیر فطرت، قومیت کا جدید تصور، سیاحت، بارود اور چھاپہ خانہ سے مادی ترقی اور تشکیک شامل ہیں۔"[۴]

---

[۱]. امین، محمد، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء). مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل، لاہور، ادارہ تالیفات طلبہ، ص:۱۷۳

[۲]. مودودی، سید ابوالاعلیٰ، (۱۹۸۳ء). تفہیمات، لاہور، ص:۲۷۹

[۳]. مختار، شاہد، ڈاکٹر، (س، ن). عظیم سیاسی مفکرین عالم، لاہور، شاہد پبلشرز، ص:۱۵۸

[۴]. عسکری، حسن، (۱۹۹۷ء). جدیدیت، لاہور، ادارہ فروغ اسلام، ص:۴۴

۳۔جدید سائنس پر پختہ یقین

علامہ شبلی نعمانی سائنس پہ پختہ یقین کو ایک جملے میں یوں بیان کرتے ہیں:

"سائنس دانوں کو جو چیزیں معلوم نہیں کو تاہ بیں معنی لیتے ہیں کہ ان چیزوں کا نہ ہونا معلوم ہے۔"[۱]

مشہور سائنسدان آئزک نیوٹن(۱۶۴۲ء تا ۱۷۲۷ء) نے نبوت اور وحی وغیرہ جیسے موضوعات کو اپنا مرکز فکر بنا رکھا تھا۔اور اپنا مذہبی نقطہ نظر بھی اپنی کتب میں پیش کیا ہے۔[۲] اس نابغہ روزگار جیسے موجدین کی پے در پے ایجادات اور دریافات سے مغرب میں دینی عقائد پر کاری ضرب لگی۔ فکر نو کی آبیاری جدیدیت پسندی کے بانی ڈیکارٹ(۱۶۵۰ء) کے حصے میں آئی تھی جس کے جملے" میں سوچتا ہوں، اس لیے میں ہوں"کو احیائے علوم کا نقطہ آغاز سمجھ لیا جائے، تو نامناسب نہ ہو گا۔ جسے برطانوی مفکر ڈیوڈ ہیوم نے مزید ترقی دی جو فکری طور پر تجربیت کا علمبردار ہے۔عقلیت کی نفی اور حواس خمسہ کے ذریعے حصول علم سے اس نے وحی و عقل کا رد کر دیا۔[۳] ایمانوئیل کانٹ(۱۷۲۴۔۱۸۰۴) نے دین کی نسبت فلسفے اور سائنس کے رسوخ پاتے دور میں مغربی ماحول کے مطابق متوازن رائے دی کہ مابعد الطبیعیات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی۔ بطور سائنس نہ سہی مگر انسانی ذہن میں فطری رجحان کے طور پر ضرور رہے گی۔[۴]

دور غلامی میں فلسفے اور سائنس کی افادیت جب مسلمانوں کو مادیت سے قریب اور دین سے دور لے جانے لگی تو امت مسلمہ کا درد دل رکھنے والوں میں فلسفی کے طور پہ علامہ اقبال نے جمود شکن اجتہاد کی طرف رہنمائی دی۔ انہوں نے جدید دور میں فلسفے اور سائنس کی بالادستی میں دین کے بلند کردار کو تھامنے کیلئے نص کی طرف رجوع کی فکر عام کی۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

---

[۱]. نیوٹن، آئزک، (۱۹۹۸ء). ریاضیات، مترجم: خالد مسعود، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ص:۶

[۲]. اقبال آفاقی، ڈاکٹر (۲۰۱۳ء). مابعد جدیدیت۔ فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ص:۱۰۲، ۱۰۵

[۳]. کانٹ، ایمانوئیل (۲۰۰۵ء) تنقید عقل محض، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین، کراچی، سٹی بک سنٹر، ص:۴۱

[۴]. شبلی نعمانی، علامہ (۱۹۷۹ء). علم الکلام اور کلام، کراچی، نفیس اکیڈمی، ص:۱۶۳

"مذہب کے عزائم فلسفے کے عزائم سے بلند ہوتے ہیں۔ فلسفہ اشیاء کے بارے میں عقلی نقطہ نظر ہے اور وہ اس تصور سے آگے نہیں بڑھتا جو تجربے کی کثرت کو ایک تنظیم میں لا سکے۔ وہ گویا حقیقت کو قدرے فاصلے پر دیکھتا ہے، مذہب حقیقت سے زیادہ گہرے تعلق کا متلاشی ہے۔"[۱]

اسلام کی حقانیت اور نصوص قرآنیہ کے فہم سے جدید فکری چیلنجز کے حل نکالنے اور عقل و حس کی رہنمائی دینے کیلئے ڈاکٹر رفیع الدین تحقیقات اسلامی کا رخ متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب اسلام کی سائنسی توجیہ جو بیک وقت انسان اور کائنات کی سائنسی توجیہ بھی ہوگی فی الواقع وجود میں آجائے گی تو وہی ہمارے لیے انسانی اور اجتماعی علوم کی تشکیل جدید کی صحیح اساس بھی ہوگی۔ وہ ہمیں اس قابل بنائے گی کہ ہم مغربی حکماء کی ان کوششوں میں کہ نام نہاد انسانی اور اجتماعی علوم کو سچ مچ کے علوم بنایا جائے، ان کی رہنمائی کر سکیں۔"[۲]

۴۔ انسان دوستی کے نظریات

ماہر بشریات تھامس ہابز (۱۵۸۸ء تا ۱۶۷۹ء) نے جو راستہ اختیار کیا وہ تمام تر مادیت پرستی پر مبنی تھا۔[۳] عقل کو فضیلت دینے کی اس فکر سے اس نے شہریت کے بنیادی اصول پیش کیے۔ ریاستوں کی تشکیل، قومیتوں کی بنیاد اور انفرادی واجتماعی طور پر طرز زیست میں رہنمائی اس کا عظیم کارنامہ ہے۔ جسے جان لاک (۱۶۳۲ء۔ ۱۷۰۴ء) نے وسعت دی، جس کا مشہور قول ہے:

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اپنے ساتھ تمام فطری حقوق لے کر دنیا میں آیا ہے"۔

اس سے حقوق انسانی اور آزادی کی فضاء بن گئی۔ ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستور میں اس کے فلسفے کا زبردست اثر دکھائی دیتا ہے۔[۴]

---

1. محمد اقبال، علامہ، (۲۰۰۲ء). تجدید فکریات اسلام، مترجم: ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور، اقبال اکادمی، ص:۴۶

2. رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کے اصول، مضمون مشمولہ ماہنامہ البرہان، مدیر ڈاکٹر محمد امین، لاہور، تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ، ج:۲۱ شمارہ:۱۲، ص:۳۵

3. ظفر حسن، ڈاکٹر (۱۹۹۰ء). سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص: ۲۵۷

4. شاہد مختار، ڈاکٹر، (س،ن) عظیم سیاسی مفکرین عالم، ص:۲۵

جین جیکوئس روسو (۱۷۱۲ء -۱۷۷۸ء) کی اصول شہریت، حقوق انسانی، عمرانی معاہدے کی تحقیقات بھی انقلاب فرانس کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ اسے روشن خیالی و آزاد خیالی کا علمبر دار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا مشہور مقولہ ہے:

"میں محسوس کرتا ہوں، اس لیے میں ہوں۔"

چارلس ہیگل عقلیت پسندی اور انسان دوستی کے رجحانات لیے جدید فکریات کا باوآدم کہلاتا ہے۔ اس کے نزدیک عقل وہ نطق اول (Logos) ہے جس سے دنیا کا خروج ہوا ہے۔[۱]

مجذوب فلسفی نطشے (۱۸۴۴ء-۱۹۰۰ء) نے عقلیت پسندی پر تنقید کی۔ عقلیت کی جنگوں کا جو اس نے خاکہ دکھایا تھا وہ اس کی وفات کے بعد جلد شروع ہو گیا۔ دو عظیم جنگوں نے عقلیت کا دھڑن تختہ کر دیا اور جدیدیت کا سورج غروب ہو گیا۔ جو اپنے ساتھ استحصالی نو آبادیاتی نظام لیتا گیا۔ نطشے فعال مذہب کو بہتر اور مثبت سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں مسیحیت اور بدھ مذہب دونوں منفیت پسند مذاہب ہیں۔[۲] علامہ اقبال کو اس سے فعال مذہب کو طور پر اسلام کی حقانیت پہ مکالمے کی خواہش تھی۔

ممتاز مسلم فلسفی ڈاکٹر رفیع الدین ان حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی فلسفے کی تشکیل پر زور دیتے ہیں اور اس میں رہنمائی کیلئے اسلامی اصول تحقیق کو مد نظر رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ نص کی رہنما حیثیت اور اس کی عقل پر فیصلہ کن ترجیح کو درست سمت قرار دیتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

"قرآن تو نازل ہی اس لیے ہوا ہے کہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ کرے۔ جب ہم ایک معمولی آدمی سے ایسی بات کی توقع کرتے ہیں جو علم اور عقل کے معیاروں پر درست بیٹھتی ہو تو کیا خدا جو بات کرتا ہے اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے؟ اگر خدا کی بات ان علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق ہے جو انسان کے دل میں رکھے گئے ہیں تو پھر ان معیاروں کے مطابق خدا کی بات کھول کر بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہے جو اس زمانے کے باطل نظریات کا جواب ہے اور ہمارے ایمان کا محافظ اور ہمارے ظن و شک کا علاج ہے۔"[۳]

---

[۱]. اقبال آفاقی، ڈاکٹر (۲۰۱۳ء). مابعد جدیدیت۔ فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں، ص: ۱۱۲

[۲]. رسل، برٹرینڈ، (۲۰۱۰ء). فلسفہ مغرب کی تاریخ، مترجم: محمد بشیر، اسلام آباد، پورب اکیڈمی، ص: ۸۶۹

[۳]. رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کے اصول، ج: ۲۱، شمارہ: ۱۲، ص ۱۱

اندریں حالات ضرورت ہے کہ پاکستانی ہائر ایجوکیشن کمیشن کو صوبائی خود مختاری کے بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ اسی طرح دستور پاکستان کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کو فعال رکھا جائے۔ اس کے ممبران کو سیاسی، مسلکی یا جدید یت پسندی کے ترازو میں تولنے کی بجائے انتخاب کیا بلند معیار قائم کیا جائے۔ اوراس کی تحقیقات کو قانونی شکل دی جائے۔ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو سپریم کورٹ جیسا بااختیار ادارہ بنایا جائے۔ نیز مقتدرہ قومی زبان، اردو سائنس بورڈ اور ادارہ ثقافت اسلامیہ جیسے اداروں کی تنظیم نو کرکے انہیں تھنک ٹینک کے معیار پر لایا جائے اور معاصر افکار و نظریات سے آگاہی کیلئے دارالترجمہ کے طرح استعمال کیا جائے۔

۵۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام

سیاسی و معاشرتی یکسوئی سے انسانی افکار کی عملی تشکیل سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ جس کے رد عمل میں اشتراکی نظام وضع کیا گیا۔ جس نے ادیان عالم کو بھی ساتھ ہی لپیٹنا چاہا۔ اس کی عملی مثال بیسویں صدی عیسوی میں روس میں کیمونسٹ پارٹی کے ہاتھوں عوامی انقلاب سے زارروس کی شکست سے سامنے آئی۔ مذکورہ انقلاب سے قبل وسط ایشیائی مسلم ریاستوں تاتاری اور داغستانی و چیچن علاقوں میں اسلام اور قرآن سے تعلق توڑنے کے لیے دہریت عام کی گئی اور مسلمانوں کو سائبیریا کے یخ بستہ علاقے کی طرف دھکیل دیا گیا۔ یہ نظام جبر ستر سال بپارہا۔ افغانستان پر حملہ سے پتہ چلا کہ روس نے اپنے نظام معیشت اور داخلی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں گورباچوف نے بالآخر سوویت یونین توڑ دی جس سے سرد جنگ کا خاتمہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں امریکہ کے یک قطبی نظام میں نمرودانہ نیو ورلڈ آرڈر سے بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ جس نے غیر اعلانیہ طور پر اسلام اور مسلمانوں کو سرمایہ دارانہ نظام کے حریف کے طور پر رکھ لیاہے۔ جبکہ پہلے اشتراکی نظام کی دانشوارانہ مقبولیت نے سرمایہ دارانہ نظام کو منافقانہ مذہبی رنگ میں رنگ دیا تھا۔

سرمایہ دارانہ نظام میں محنت اور مزدور کیلئے بہت مشکلات تھیں۔ شکاگو کے مزدوروں کی قربانی رنگ لائی اور یورپ میں محنت کی قدر بڑھی۔ اشتراکی نظام کی بنیاد مزدوروں جیسے پسے ہوئے طبقات کے حقوق کے حصول کیلئے رکھی گئی تھی۔ تب ہمارے ہاں اسلامی سلوشلزم کے نام سے روٹی کپڑا اور مکان کے وعدے کیے جارہے تھے۔ اور زمین کی ملکیت کے حقوق کے بارے میں نصوص فہمی کی طلب بڑھ رہی تھی۔ جس بارے میں ایک متکلم کے طور پر پیر کرم شاہ الازہری نے اپنی ذمہ داری یوں نبھائی:

> ”بعض لوگ اشتراکیت کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ انہوں نے لغت عرب کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے انام کو انسان کے مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس آیت سے ثابت ہوتاہے۔ کہ زمین سب انسانوں کیلئے مشترک ہے اور چونکہ ہر ملک کی حکومت وہاں کے باشندوں کی نمائندہ ہوتی

ہے اس لیے زمین کی ملکیت کے حقوق صرف حکومت کو حاصل ہیں۔اس طرح یہ لوگ قرآن کی آیت پر زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں شرماتے،انام سے مراد انسان،حیوان،چرند،پرند اور مورو ملخ سب جاندار چیز یں ہیں۔"(۱)

عصر حاضر کی اسلامی معیشت وبینکاری کی علمائے کرام تحقیقات کی طرح سیاسی ، معاشرتی ،تہذیبی اور قانونی شعبوں میں نصوص فہمی سے ایسی معیاری تحقیقات متعارف کرائی جائیں جن پر حکمران عملد رآمد لائے بغیر نہ رہ سکیں۔اس لیے فکری محاذ پر ایسے بلند پایہ رجال کار کی تیاری کیلئے تنظیمات مدارس کے طلبہ کو عقلی علوم ، فلسفہ جدید ،اصول تحقیق ، اور بین الاقوامی زبان سے لازمی متعارف کرایا جائے۔اور ان کی مستند ڈگری کیلئے تحقیقی مقالہ لازی قرار دیا جائے۔نیز تمام جامعات میں اسلامک سنٹر جیسے استغرابی مراکز یا مطالعہ مغرب کی مسانید بنائی جائیں۔جن کے مجلات کا معیار اثر پذیر ہو اور تحقیقی مضامین امت کیلئے بہار کا پیغام لائیں۔

۶۔لادینیت کی خطرناک لہر

جدیدیت کی اندھادھند پیروی اور سائنس پر یقین سے دین بیزاری کی ایک لہر اٹھ رہی ہے۔جس میں دین کی ضرورت پر سوالیہ نشان لگ رہاہے۔اس رو میں بہتا اگلا قدم حقانیت دین کے عجیب وغریب عقلی معیارات کی تلاش ہے جو کہ سراسر اسلام کے بارے میں صدیوں کی جانبدارانہ استشراقی تحقیق کا ماحصل ہے۔جیساکہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

"یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعدد نکاح، طلاق، غلامی اور جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔"(۲)

قدیم وجدید متکلمین کے طرز استدلال سے ہم یوں رائے قائم کرسکتے ہیں کہ قدیم الہامی نصوص میں ازدواجی تعلقات اور دفاعی وتزویری احکامات موقع ومناسبت سے حکمتیں لیے ہوئے تھیں۔اور نبی کریم ﷺ کی پیش کردہ الہامی تعلیمات کے جدید اسلوب کی حقانیت مرور زمانہ کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ رہی ہے۔نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد میثاق مدینہ کے ذریعے مخلوط معاشرے کو پرامن بقائے باہمی کارستہ دکھایا۔آپ ﷺ نے متعصب تحزب کی بجائے قانون کی حکمرانی،

[1]. پیر، محمد کرم شاہ،(۱۴۰۰ھ). ضیاء القرآن،لاہور،ضیاء القرآن پبلیکیشنز،ج۵،ص۶۸

[2]. شبلی نعمانی،علامہ،(۱۹۷۹ء). علم الکلام اور کلام ،کراچی، نفیس اکیڈمی ،ص:۱۶۱

ریاستی فیصلہ سازی حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل فرمائیں۔مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام پر بے انتہاء مظالم کے باوجود آپ ﷺ نے نہ تصادم کی نوبت آنے دی اور نہ اپنی مدنی ریاست میں کسی کو عسکریت پسندی کی اجازت دی۔

۷۔ جہاد اور دہشت گردی کی یکسانیت کا تاثر

نبی الملاحم ﷺ کے غزوات یا ہنگامی حالات کے نفاذ میں بھی دوطرفہ جانی نقصانات معجزانہ طور پہ کم اور نتائج شاندار تھے۔کیونکہ آپ ﷺ کی نظر کرم ہدایت انسانی کے مال غنیمت پر مرکوز تھی۔ صلح حدیبیہ سے خطے کی سلامتی یقینی بنانے کے بعد آپ ﷺ نے عالمی طاقتوں کے سربراہوں کو پرامن دعوت اسلام دی اور بین الامم تعلقات کیلئے جاندار خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھی۔اس دوران آپ ﷺ نے حسب حال دفاعی تیاری اور تزویراتی گہرائی کو فراموش نہ فرمایا۔

جہاد ایک وسیع روحانی حکم ہے جس کے قتال سمیت ہر شعبہ کا تعین آؤ دیکھو نہ تاؤ یا افراط و تفریط کی بجائے قواعد وضوابط کے تحت حسب حال ہی مناسب رکھا گیا ہے۔ادیان عالم کے ٹوٹتے جڑتے خاندانی تعلقات اور حربی و صوفیانہ جہادی اداروں کے بارے میں احکامات کے تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام امروز کے معلوم قوانین فطرت کے مطابق ہے جس کا منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کی حقانیت سائنسی معلومات کی بڑھوتری اور ارتقاء زمانہ کے راست متناسب ہے۔

یک قطبی نظام میں جہاد کو دہشت گردی کے مترادف قرار دینے کی سازش کامیاب ہو رہی تھی۔امت مسلمہ کی مرکزی خلافت نادان ترکوں نے ختم کردی تھی جس سے بارہ صدیوں کا احناف کا حقیقی قائدانہ تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔اور اس کے نتیجے میں امت مسلمہ کی قیادت فہم نص کی محدود سوچ والے دبستانوں کے حصے میں آئی۔ جنہوں نے عالم اسلام میں عسکریت پسندی کو مسلسل فروغ دیا۔تاوقتیکہ داعش اور عرب بہار نے ان کے ایوانوں کا رخ کرلیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ نے خارجی،ناصبی اور رافضی افکار کا توڑ نصوص فہمی سے کیا تھا۔اس موقعے پہ ان کے جانشین حکمران درست سیاست اور قانون کی حکمرانی کا کام نہ کرسکے۔امریکہ دہشت گردی کے بہانے نمرود کی طرح عالم اسلام کو روندنے میں مصروف تھا۔اور خوارج و حششیشین کے نقش قدم پہ چلنے والے عالم اسلام کو میدان جنگ بنانے پہ مصر تھے جو ہر کردہ،ناکردہ تخریبی ''کارنامے'' کو اپنے نام کرنے کو تیار تھے۔ایسے میں مرگ بر امریکہ کے نعرے لگاتے اہل تشیع نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے اور بالآخر حجاز کے حصول کیلئے سعودیہ کا محاصرہ کرنے میں کامیاب رہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کے علمی جانشین علمائے اسلام کی ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔کافر،مشرک،گستاخ اور بدعتی کے فتاویٰ کی بھرمار اور علمائے اسلام کی ٹارگٹ کلنگ کے دور میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری آگے بڑھے اور جان کی پرواہ کیے بغیر

اسلام کے پیغام امن کو عام کرنے کیلئے سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے دہشت گردی اور فتنہ خوارج کا تاریخی مبسوط فتویٰ پیش کیا، خارجی فکر کے تسلسل اور اس کے تدارک پہ فہم نص کی کتابیں لکھیں، اور معاشرے کے جملہ فعال طبقات کی تربیت کیلئے نصوص کی روشنی میں اسلامی نصاب امن پیش کیا۔ امام ماتریدی کے نقش قدم پہ ان تحقیقات کی افادیت ہر گذرتے دن بڑھ رہی ہے۔

۸۔ جدید کلامی مسائل

مشکل حالات میں علمائے اسلام نے علم العقائد کی طرف توجہ مبذول کی تو نئے مسائل کے حل کرنے میں علامہ شبلی نعمانی اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ علم الکلام کی از سر نو تشکیل کی جائے جس کے نامکمل ہونے کی وجوہات ان کی نظر میں یوں ہیں:

> "محدثین بجز امام ابو حنیفہ اس کے دشمن تھے۔ متکلمین سے اسلامی عقائد کے اثبات میں غلطیاں ہوئیں۔ ایسی باتیں عقائد اسلام میں شامل کی گئیں جو شارع کی تصریح پر اضافے ہیں۔ فلاسفہ، ملاحدہ اور دیگر مذاہب کا رد کرتے ہوئے متکلمین نے یونانی مسائل کے سمجھنے میں غلطیاں کیں۔"[۱]

اسی طرح مسیحی پادریوں سے مناظرے کرتے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تجربات کی روشنی میں علامہ شبیر احمد عثمانی کا پر اعتماد انداز سے کہنا ہے:

> "عقل و نقل کی جو مخالفت آج کل دیکھنے میں آرہی ہے کہ عرصہ ہوا دونوں حکومتوں میں سفر اٹھ چکے اور اعلان جنگ ہو کر لگاتار معرکہ آرائی ہونے لگی۔ پھر لڑائی بھی باقاعدہ نہیں بلکہ زمانہ حال کی عقل نے غدر پر کمربستہ ہو کر محض جابرانہ کاروائی شروع کر دی۔ چونکہ یہ بہار یا خزاں امام غزالی نے دیکھی تھی اور نہ ان سے پہلے کسی اور نے۔ اس لئے اگر زمانہ حال کی بعض خصوصیات پر نظر کر کے امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہو گی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا۔"[۲]

مضمون ہذا کے بعد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جدید مسلم فلاسفہ کی تحقیقات میں دور حاضر کے چیلنجز کی نشاندہی کی جائے اور ان کے حل کے خاکوں پر توجہ مبذول کرائی جائے۔ نص و عقل کے مرتبے جیسے کلامی مسائل کے

---

۱. شبلی نعمانی، علامہ، (۱۹۷۹ء) علم الکلام اور کلام، ص:۱۱۶

۲. عثمانی، شبیر احمد، (۲۰۰۶ء). اسلام کی بنیادی اصول، مضمون مشمولہ، ماہنامہ الصیانۃ، مدیر وکیل احمد شیروانی، لاہور، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

حل اور علم کلام کی تشکیل جدید میں نئی نسلوں کو سمجھایا جائے اور مختلف مفکرین کی کلامی خدمات کا باہمی موازنہ کیا جائے اور نصوص کی روشنی میں عصر حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی نسلیں تیار کی جائیں۔

مصادر و مراجع

اقبال آفاقی، ڈاکٹر(۲۰۱۳ء). مابعد جدیدیت ۔فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں، فیصل آباد ، مثال پبلشرز،

امین، محمد، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ء). مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل ،لاہور، ادارہ تالیفات طلبہ

انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، (۲۰۰۲ء). مغربی تہذیب، لاہور، شیخ زائد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب

ایڈون برٹ ،اے، (۲۰۰۹ء). فلسفہ مذہب ، لاہور ، مجلس ترقی ادب

حسن عسکری (۱۹۹۷ء). جدیدیت، لاہور، ادارہ فروغ اسلام

الرازي، محمد بن أبي بكر عبد القادري، (۲۰۰۳م)، مختار الصحاح، دار الحديث، القاهرة

رسل، برٹرینڈ، (۲۰۱۰ء). فلسفہ مغرب کی تاریخ، مترجم: محمد بشیر، اسلام آباد، پورب اکیڈمی

رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کے اصول، مضمون مشمولہ ماہنامہ البرہان، مدیر ڈاکٹر محمد امین ، لاہور، تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ

الازہری، محمد کرم شاہ، (۱۴۰۰ھ). ضیاء القرآن، لاہور ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز

شاہد مختار، ڈاکٹر ،(س،ن) عظیم سیاسی مفکرین عالم، لاہور، شاہد پبلی کیشنز

شبلی نعمانی، علامہ (۱۹۷۹ء). علم الکلام اور کلام، کراچی، نفیس اکیڈمی

ظفر حسن، ڈاکٹر (۱۹۹۰ء). سر سید اور حالی کا نظریہ فطرت، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ

عثمانی ،شبیر احمد ،(۲۰۰۶ء). اسلام کی بنیادی اصول ، مضمون مشمولہ ،ماہنامہ الصیانۃ ، مدیر وکیل احمد شیروانی ،لاہور، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

کانٹ، ایمانوئیل (،۲۰۰۵ء) تنقید عقل محض، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین، کراچی، سٹی بک سنٹر

مجمع اللغة العربية مصر، (۲۰۰۲ء) المعجم الوجيز، مكتبة، مصر، الشروق الدولية القاهرة

محمد اقبال، علامہ، (۲۰۰۲ء). تجدید فکریات اسلام، مترجم: ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور، اقبال اکادمی

محمد اقبال، علامہ، (۱۴۱۰ھ)، کلیات اقبال، لاہور، استقلال پریس

مودودی، سید ابوالاعلیٰ، (۱۹۸۳ء). تفہیمات، لاہور، ترجمان القرآن

نیوٹن، آئزک، (۱۹۹۸ء). ریاضیات، مترجم: خالد مسعود، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان

کیا قبولِ اسلام کی دعوت ہر عمر کے اَفراد کو دی جا سکتی ہے؟

[Can people of all ages be invited to accept Islam?]

☆ محمد شبیر

☆☆ پروفیسر ڈاکٹر رانا اعجاز احمد

☆☆☆ سید کاظم محمود کاظمی

ABSTRACT

Islam is the universal religion of Da'wah because the holy prophet Muhammad (ﷺ) is the last and the final Messenger of Almigty Allah. Neither new prophet or messenger nor new religion will come after you till the Day of Resurrection. Therefore, it is now a requirement of the divine commandments and the duty of the learned Muslims to always spread the religion of Islam and invite all humanity to it.If a person obstructs the propagation of Islam and the process of da'wah, he will be in complete violation of the command of the Almighty. Therefore, it is not acceptable to introduce such a bill in the name of conversion in which life imprisonment should be imposed for accepting Islam or older people should be prevented from accepting Islam immediately. This article sheds light on whether people of all ages can be invited to Islam or not?

Keywords: Islam, Religion, Muslim, Youth, Humanity.

خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان کی نبوت ورسالت علاقہ، قوم اور زمانے کے لحاظ سے محدود تھی۔ بنی اِسرائیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً تین ہزار پیغمبر آئے، ان سب پیغمبروں کی نبوت بنی اسرائیل کے خاندان اور قوم کے لیے مخصوص تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور جن دیگر انبیاء کا ذکر آتا ہے یہ اپنے اپنے علاقے اور قوم کے لیے نبی ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت یونس علیہ السلام ایک شہر نینوا کے پیغمبر ہوئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتیں علاقے کے لحاظ سے بھی محدود تھیں، نسلی اعتبار سے بھی محدود تھیں اور وقت کے اعتبار سے بھی محدود تھیں۔ مگر رسول

☆ فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور

☆☆ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف پولیٹیکل سائنس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆☆☆ لیکچرار، منہاج یونیورسٹی، لاہور

اللہ ﷺ کی نبوت علاقے، نسل اور وقت کسی لحاظ سے بھی محدود نہیں ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی نبوت دنیا کے تمام علاقوں کے لیے ہے، تمام اقوام کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اس بات کی تصدیق خود باری تعالیٰ نے کئی مقامات پر فرمائی ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (۱)

"آپ فرمادیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اب میں نے جس رہبر اعظم کو تمہاری طرف مبعوث کیا ہے، اس کی شانِ رہبری کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود ہے۔ جس طرح میری حکومت وسروری عالمگیر ہے اسی طرح میرے محبوب کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ لہٰذا اب ہر خاص وعام، ہر امیر وغریب، ہر عربی وعجمی اور ہر رومی و حبشی نبئ آخر زماں کا امتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے زبان برحق سے اعلان کروایا کہ اے اولادِ آدم! اب میں زمین وآسمان کے مالک وخالق کی طرف سے تم سب کے لیے پیغامِ حق لے کر آیا ہوں۔ اب تمہارے لیے رشد وہدایت اور فلاح کی راہ یہی ہے کہ تم سب میری پیروی کرو اور میرے نقوشِ پا کو اپنے لیے راہ نجات بناؤ۔ اگر تم میری سنّت سے منحرف ہوئے تو راہِ حق سے پھسل جاؤ گے اور ذلت تمہارا مقدر بن جائے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (۲)

"(وہ اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے (حق و باطل میں فرق اور) فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے (محبوب و مقرّب) بندہ پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائے"

اس آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ نے للعالمین کے لفظ سے واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت اس قدر بے کنار و لامحدود ہے کہ زمان ومکان کی حدود سے آشنا نہیں ہے۔ لہٰذا سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کائنات کی پستی وبلندی میں جو کچھ ہے ہر گوشہ کے لیے آپ ﷺ نبی ورسول ہیں اور تاقیامت آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ سورہ سبا میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہی شان بیان فرمائی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ الاعراف، ۷: ۱۵۸

(۲) سورۃ الفرقان، ۲۵: ۱

(۳) سورۃ سبأ، ۳۴: ۲۸

"اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

مذکورہ بالا آیت بھی آپ ﷺ کے پوری انسانیت کے لیے نبی ورسول ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح آپ ﷺ تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں اسی طرح تمام عالمین کے لیے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت ہے۔ لہٰذا کوئی بھی انسان آپ کے دائرہ دعوت سے باہر نہیں ہے۔ اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے خود بھی فرمادی جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھ وجوہ پر دوسرے انبیاء کرام پر فضیلت دی گئی ہے ان میں سے دو وجوہ یہ ہیں:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.(۱)

"مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔"

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت اور دعوتِ دین پوری نسلِ انسانی کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے باقی فرائض امت کو منتقل ہوئے ہیں اسی طرح دعوت کا فریضہ بھی امت کو منتقل ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے پیروکار بحیثیت امت اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا پیغام نسل انسانی تک پہنچائیں۔ اگر امت میں دعوت کا یہ عمل جاری رہے گا تو امت بری الذمہ ہو گی لیکن اگر کسی دور میں امت میں دعوت کا یہ عمل رک جائے گا یعنی نسل انسانی تک اسلام کا پیغام پہنچنے کا عمل معدوم ہو جائے گا تو نتیجے میں بحیثیت امت پوری امت مسلمہ گناہگار ٹھہرے گی۔ یہ دعوت اسلام کی اصولی حیثیت ہے۔ لہٰذا قیامت تک دعوت اسلام کا عمل جاری رکھنے کا حکم ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۲)

"اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں۔"

(۱) مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، الصحیح، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱: ۳۷۱، الرقم: ۵۲۳

(۲) سورۃ آل عمران، ۳: ۱۰۴

مذکورہ بالا دلائل سے واضح ہوا کہ دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت جمیع انسانیت کے لیے ہے اور اب یہ حکم تا قیامت باقی رہے گا۔ اس کے مخاطبین میں ہر عام و خاص، ہر پیر و جوان اور مرد و خواتین یعنی تمام ذی شعور جن و انس شامل ہیں۔ اور جو پہلے ایمان کی دولت پا چکے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان میں سے ایک جماعت دعوتِ دین کا فریضہ سرانجام دیتی رہے۔

دینِ اسلام کی دعوت دینا کیوں ضروری ہے؟

اسلام کی دعوت دینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مخلوقِ خدا کی خیر و فلاح اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ اب صرف اِسلام ہی ہے۔ فرمانِ رحمٰن کے مطابق دین اب صرف اسلام ہی ہے اور جو اس سے اختلاف کرتے ہیں اس کی وجہ صرف ناواقفیت و جہالت اور ان کا باہمی حسد و عناد ہے۔ جو باری تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (۱)

”بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اہلِ کتاب نے جو اپنے پاس علم آجانے کے بعد اختلاف کیا وہ صرف باہمی حسد و عناد کے باعث تھا، اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو بے شک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے۔“

کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہی ہے تو کیا باقی ادیان حق نہیں ہیں؟ اس کا جواب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دیا ہے۔ وہ تفسیر القرآن العظیم میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ اتِّبَاعُ الرُّسُلِ فِيمَا بَعَثَهُمُ اللَّهُ بِهِ فِي كُلِّ حِينٍ، حَتَّى خُتِمُوا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي سَدَّ جَمِيعَ الطُّرُقِ إِلَيْهِ إِلَّا مِنْ جِهَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۲)

”ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت و اتباع کو اِسلام کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیّدنا محمد ﷺ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اتباعِ محمدّی کا اسلام ہو گیا۔“

---

(۱) سورۃ آل عمران، ۳: ۱۹

(۲) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الفکر، ۱: ۳۵۵

یہی وجہ ہے کہ اب سابقہ شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب صرف اور صرف شریعت محمدیﷺ کی پیروی لازم ہے۔ لہٰذا انسانیت کی بہتری کے لیے دین اسلام کی دعوت دینا بے حد ضروری ہے کیونکہ اب دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنانے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں فائدہ اٹھانے والا نہیں ہے بلکہ نقصان اٹھانے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (۱)

"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

یعنی اب اسلام ہی ایک عالمگیر دعوتی مذہب ہے کیونکہ اسلام آسمانی مذاہب میں سے واحد مذہب ہے جس کی دعوت پوری نسل انسانی کے لیے، دنیا کے تمام علاقوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اسی دعوت وارشاد کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امتِ خیر قرار دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (۲)

"تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

جب خیر امت جیسے جلیل القدر لقب سے سرفراز ہونے کی وجہ ہی دعوتِ دینِ اسلام ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت وارشاد کا عمل چھوڑ کر امتِ محمدیﷺ کسی صورت بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی، لہٰذا دینِ اسلام کی دعوت دینا ہمارا اہم فریضہ ہے۔

راہِ ہدایت کی طرف نہ بلانے کی سزا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود واضح نشانیوں اور ہدایت کو لوگوں تک پہنچانے کی بجائے چھپاتے ہیں، انہیں باری تعالیٰ نے ملعون قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ آل عمران، ۳: ۸۵

(۲) سورۃ آل عمران، ۳: ۱۱۰

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ (۱)

"بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کر دیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

اس آیتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے اُن علماء سوء کا ذکر ہے جو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کے خصائص وکمالات کو چھپاتے تھے یا پھر اپنی خواہشِ نفس کے مطابق تحریف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت بھیجی ہے۔ اگر آج بھی کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے کمالات اور دینِ حق کی ترویج واشاعت کی بجائے رکاوٹ کا سبب بنے گا تو رحمتِ باری تعالیٰ سے محروم رہے گا۔

دعوتِ اسلام سے کون روکنا چاہتا ہے

کفار ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین کی ترویج واشاعت کریں لیکن ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی بجائے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے دین کی دعوت کا کام جاری رکھنا چاہیے کبھی بھی کفار کی چالوں میں نہیں آنا چاہیے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۲)

"اور وہ (کفار) تمہیں ہرگز اللہ کی آیتوں (کی تعمیل وتبلیغ) سے باز نہ رکھیں اس کے بعد کہ وہ تمہاری طرف اتاری جاچکی ہیں اور تم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے رہو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔"

قرآنِ مجید کے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کی خواہش پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ مسلمان دینِ اسلام کی دعوت کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیں کیونکہ اسلام دشمن قوتیں ہمیشہ سے یہی چاہتی ہیں کہ دعوتِ دینِ اسلام کو کسی نہ کسی صورت روک دیا جائے۔ آج بھی کفار ومشرکین بہر صورت اسلام کی ترویج واشاعت کا سلسلہ روکنا چاہتے ہیں اور اسلام کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۵۹

(۲) سورۃ القصص، ۲۸: ۸۷

دعوتِ اسلام ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت واجب ہے

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور دین اسلام کی دعوت دینا ہی رسول اللہ ﷺ کی راہ ہے۔ اسی راہ پر ہمیں بھی چلنے کا حکم ہے اور یہی آپ ﷺ کی اتباع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(۱)

"(اے حبیبِ مکرّم!) فرما دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کا پرچار کرنا لازمی امر ہے، یہی حکم تمام انبیاء کرام اور رسل عظام کو تھا اور اب یہی حکم قیامت تک آنے والے تمام جن وانس کو ہے کہ توحید ورسالت کی تبلیغ کریں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (۲)

"اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری (ہی) عبادت کیا کرو۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ (۳)

"اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرّر فرمایا جس کا حکم اُس نے نُوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراھیم اور موسٰی و عیسٰی (علیہم السلام) کو دیا تھا (وہ یہی ہے) کہ تم (اِسی) دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ (توحید کی بات) جس کی طرف آپ انہیں

(۱) سورۃ یوسف، ۱۲: ۱۰۸

(۲) سورۃ الأنبياء، ۲۱: ۲۵

(۳) سورۃ الشوریٰ، ۴۲: ۱۳

بلا رہے ہیں۔ اللہ جسے (خود) چاہتا ہے اپنے حضور میں (قربِ خاص کے لیے) منتخب فرمالیتا ہے، اور اپنی طرف (آنے کی) راہ دکھا دیتا ہے (ہر) اس شخص کو جو (اللہ کی طرف) قلبی رجوع کرتا ہے۔"

مذکورہ بالا کثیر آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا دین اور قابلِ عمل دین اسلام ہی ہے۔ اس کی ترویج واشاعت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کو فروغ دینے کی کاوش کرے۔ جہاں علم کی ضرورت ہے وہاں علماء کرام اپنے علم کی روشنی پھیلائیں، جہاں مالی مدد کی ضرورت ہے وہاں مالدار اپنا مال خرچ کریں اور سوشل، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے احباب اپنی خدمات پیش کریں یعنی جو جس شعبہ میں بھی ہے وہ اپنی اہلیت واستعداد کے مطابق دین اسلام کے لیے جس نوعیت کی خدمات پیش کر سکتا ہے ضرور پیش کرے یہ ہر ایک کی استطاعت کے مطابق اس کا فریضہ ہے مقصد دعوت دین ہے تاکہ ہم احکام باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہوتے رہیں۔

اسلام میں جبراً تبدیلی مذہب کا کوئی تصور نہیں:

کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنا دینِ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے کیونکہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ سے اسلام میں داخل کرنے کے لیے سختی سے پیش آنے کی اجازت طلب کی گئی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۱)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطلہ کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔"

حضرت ابن عباس ؓ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ حضرت حصین انصاری ؓ جو قبیلہ بنی سالم بن عوف سے تعلق رکھتے تھے جب اسلام لائے تو ان کے دو بیٹے نصرانی تھے شفقتِ پدری کے پیش نظر وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کے بیٹے بھی رسالت مآب ﷺ کے خوشہ چین بن جائیں اور اسلام کی برکتوں سے مستفیض ہوں۔ اپنے طور کافی کوشش کے بعد ایک دن حضرت حصین انصاری ؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آقا ﷺ مجھے اجازت ہو تو میں اپنے بیٹوں کو کچھ ڈرا دھمکا کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ کیونکہ مجھے ان کا نصرانی رہنا بہت شاق گزرتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس

---

(۱) سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۵۶

کے بعد حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ دینِ اسلام میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ اللہ نے ہدایت وضلالت دونوں کے راستے واضح کردیئے ہیں۔ دین کے بارے میں کسی کو زبردستی مجبور نہ کیا جائے، اللہ نے کھلی ہدایت دینے کے بعد لوگوں کو اختیار دیدیا ہے۔ یہ روایت اکثر مفسرین نے نقل کی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَوْلُهُ: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرة: ٢٥٦] قَالَ: نَزَلَتْ فِي رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي سَالِمِ بْنِ عَوْفٍ يُقَالُ لَهُ الْحُصَيْنُ؛ كَانَ لَهُ ابْنَانِ نَصْرَانِيَّانِ، وَكَانَ هُوَ رَجُلًا مُسْلِمًا، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أَسْتَكْرِهُهُمَا فَإِنَّهُمَا قَدْ أَبَيَا إِلَّا النَّصْرَانِيَّةَ؟ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ذَلِكَ.(١)

دینِ اسلام برحق ہے پھر بھی حق کے واضح ہونے کے بعد اسلام اِنسان کو اِختیار دیتا ہے کہ چاہے وہ مومن بن جائے، چاہے کفر اِختیار کرے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (٢)

"اور فرما دیجیے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔"

اسلام ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذاہب کے عقائد کے مطابق عمل پیرا رہتے ہوئے جینے کا حق دیتا ہے۔ نہ کسی کے مذہب کو چھیڑنے کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی اپنا مذہب چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ سورۃ الکافرون میں ایک مکالمہ بیان کرکے آخر پر ارشاد فرمایا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (٣)

"(سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے۔"

---

(١) الطبري، ابو جعفر محمد بن جرير، جامع البيان في تفسير القرآن، بيروت: دار الفكر، ٤: ٥٤٧۔ القرطبي، محمد بن احمد بن محمد، الجامع لأحكام القرآن، القاهرة: دار الشعب، ٣: ٢٧٩۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، بيروت: دار الفكر، ١: ٣١١-٣١٢

(٢) سورۃ الكهف، ١٨: ٢٩

(٣) سورۃ الكافرون، ١٠٩: ٦

لہٰذا دینِ اسلام میں جبراً مذہب تبدیل کروانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر مذہب اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر بخوشی دین اسلام قبول کرنا چاہے تو اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ اگر کوئی ریاست، گروہ یا فرد واحد مسلمانوں پر ظلم وستم بھی ڈھائے تو اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کو امن کی دعوت دینا لازم ہے۔ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اور بعض اسلام دشمنی کے سبب اسلامی تعلیمات کو سیاق سباق سے ہٹا کر پیش کرتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کی خاطر زور زبردستی اور جبر واکراہ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ ہرگز اسلامی تعلیمات میں جبر واکراہ نہیں ہے۔

کم سنی میں قبولِ اسلام اور خدمات پیش کرنے والے صحابہ کرام ؓ

دورِ نبوی ﷺ میں بہت سے صحابہ کرام کم عمری میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے ایسے تھے جنہوں نے کم سنی میں اپنی خدمات دینِ اسلام کے لیے پیش کیں لیکن اختصار کی خاطر چند صحابہ کرام کا ذکر درج ذیل ہے:

سیدنا علی ؑ

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا علی ؑ کی قبول اسلام کے وقت عمر آٹھ سال لکھی ہے۔ بعض روایات میں دس سال یا اس سے بھی کم عمر کا ذکر ہے۔ آپ ؑ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ جن کتب سے یہ موقف لیا گیا ہے ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔(۱)

سیدنا عبد اللہ بن عمر ؓ

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ اپنے والد سیدنا عمر فاروق ؓ کے ساتھ مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے جبکہ اس وقت آپ ؓ بالغ نہیں تھے۔ یعنی آپ ؓ نے بالغ ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا۔(۲)

سیدنا زید بن ثابت ؓ

حضرت زید بن ثابت ؓ نے گیارہ سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔(۱)

---

(۱) البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، التاریخ الکبیر، بیروت: دار الفکر، ۶: ۲۵۹۔ الحاکم، محمد بن عبد اللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳: ۱۲۰، الرقم: ۴۵۸۱۔ ابن ابی شیبہ، محمد بن عبد اللہ، المصنف، الریاض: مکتبۃ الرشد، ۷: ۱۴۔ ابن اسحاق، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار الجیل، ۲: ۱۱۸۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبری، بیروت: دار صادر، ۳: ۲۱۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الأمم وللملوک، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱: ۵۳۹

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۴: ۱۴۲۔ ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن، تاریخ مدینۃ دمشق، بیروت: دار الفکر، ۳۱: ۸۵

سیدنا انس بن مالک ﷜

حضرت انس بن مالک ﷜ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷜ کو دس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے خدمت کے لیے قبول فرمایا۔(۲)

سیدنا ابو سعید خدری ﷜

انہوں نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے آپ کو غزوہ احد میں شرکت کے لیے پیش کیا۔(۳)

سیدنا عمیر بن ابی وقاص ﷜

آپ ﷜ سولہ سال کی عمر میں غزوہ بدر میں شہید ہوئے(۴)

یہودی لڑکے کا قبولِ اسلام

ایک یہودی لڑکا مرض الموت میں آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام لے آیا جبکہ اس کا یہودی باپ پاس موجود تھا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ أَنَسٍ ﷜ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ فَأَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنْ النَّارِ. (۵)

"حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر اس سے فرمایا: اسلام قبول کرلے۔ اس نے

(۱)الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳: ۴۷۶، الرقم:۵۷۷

(۲)العسقلاني، احمد بن علی بن محمد، الإصابۃ في تمییز الصحابۃ، بیروت: دار الجیل، ۱: ۱۲۶

(۳)الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳: ۶۵۰، الرقم:۶۳۸۹

(۴)ابن الأثیر، ابوالحسن علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت: داراحیاء التراث العربی. ۲: ۳۷۶

(۵)البخاری، الصحیح، ۱: ۴۵۵، الرقم:۱۲۹۰

اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا اور اُس سے کہا: ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچا لیا۔"

تبدیلی مذہب کے مجوزہ بل کا جائزہ

وفاقی وزارت انسانی حقوق کی طرف سے تبدیلی مذہب کے مجوزہ بل کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق جہاں تک جبراً اسلام قبول کروانے کا تعلق ہے اس حوالے سے قرآن وحدیث میں بالکل واضح ہے کہ کسی صورت اس عمل کی اجازت نہیں ہے اس کو آئین و قانون کا حصہ بنانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن اس کی آڑ میں اپنی رضامندی سے اسلام قبول کرنے والے شخص کو ایڈیشنل سیشن جج صاحب سے درخواست کے چکروں میں ڈال کر قبولِ اسلام میں تاخیر کروانا اور اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کو اسلام قبول کرنے کی اجازت نہ دینا کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر گامزن فرمادے اس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح جبراً کسی شخص کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا عین اسی طرح ایک غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے سے روکا بھی نہیں جاسکتا۔ اگر عمر کی قید لگا کر یا دیگر تاخیری ہتھکنڈے استعمال کر کے اسلام قبول کرنے سے روکنے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی جبر ہے اور مذہبی آزادی چھیننے کے مترادف ہے۔ یعنی جس طرح اسلام میں قبولِ اسلام کے حوالے سے جبر واکراہ جائز نہیں اسی طرح کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے سے روکنا اور اس کو اسلام کی برکتوں سے محروم کرنا بھی ہر گز جائز نہیں ہے۔

حاصلِ کلام:

مذکورہ بالا تمام دلائل وبراہین سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دینِ اسلام ایک عالمگیر دعوتی مذہب ہے۔ لہٰذا دینِ اسلام کی دعوت عام کرنا ہمارا ایمانی تقاضا ہے۔ دعوتِ دین کی ذمہ داری نبھانا پیغمبرانہ شیوہ ہے اس لیے کوئی زمانہ بھی اس عمل سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی انسانی تربیت کے لیے یہ ضروری امر ہے۔ جہاں اسلام جبراً کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں دیتا وہیں ہر عمر کے افراد کو اپنی مرضی اور ارادہ واختیار سے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ ڈالنے سے بھی منع کرتا ہے۔ اگر جبراً کسی مذہب میں داخل کرنا اِنسانی حقِ آزادی کے خلاف ہے تو اِسی طرح اپنی خوشی سے اسلام قبول کرنے سے منع کرنا بھی حقِ آزادی پر قدغن لگانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اٹھارہ (18) سال سے کم عمر افراد کو قبولِ اسلام کی اجازت نہ دینا اور اٹھارہ سال سے زائد عمر کے افراد کو اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود فوری اسلام میں داخل ہونے سے محروم کرنا یعنی تاخیری ہتھکنڈے استعمال کرنا اِنسانی حقِ آزادی کی خلاف ورزی اور بین الاقوامی قوانین کے خلاف ہے جسے نہ صرف اسلام بلکہ مہذب دنیا کے تمام عصری قوانین ناجائز قرار دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

۱. القرآن الکریم

۲. ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد، (۱۴۰۹ھ)، المصنف، الریاض، مکتبۃ الرشد

۳. ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن محمد، (س۔ن)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت: داراحیاء التراث العربی

۴. ابن اسحاق، عبد الملک بن ہشام، (۱۴۱۱ھ)، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار الجیل

۵. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، بیروت: دار ابن کثیر الیمامۃ

۶. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (س۔ن)، التاریخ الکبیر، بیروت: دار الفکر

۷. حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، (۱۹۹۰ء)، المستدرک، بیروت: دار الکتب العلمیہ

۸. ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، (س۔ن)، الطبقات الکبری، بیروت: دار صادر

۹. الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، (س۔ن)، تاریخ الأمم وللملوک، بیروت: دار الکتب العلمیۃ

۱۰. طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، (۱۴۰۵ھ)، جامع البیان فی التفسیر القرآن، بیروت: دار الفکر

۱۱. ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن، (۱۹۹۵ء)، بیروت: دار الفکر

۱۲. عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، (س۔ن)، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، بیروت: دار الجیل

۱۳. ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، (۱۴۰۱ھ)، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الفکر

۱۴. قرطبی، محمد بن احمد بن محمد، (س۔ن)، الجامع لأحکام القرآن، القاھرۃ: دار الشعب

۱۵. مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، (س۔ن)، الصحیح، بیروت: دار اِحیاء التراث العربی

خروج واحتجاج کا شرعی دائرہ کار

☆محمد طلحہ حسنات

☆☆ ڈاکٹر محمد حبیب

ABSTRACT

In the Islamic way of government, the supreme power belongs to Allah Almighty. Nobody is allowed to deviate from the laws of Quran and Sunnah. At the same time, Islam does not allow to adopt dictatorial way of governing and impose arbitrary laws upon the people. That is why Islam clarifies the difference between a caliph and a king and introduced the caliphate system. Islam has given some authorities to the ruler and on the other hand, it has also determined rights of the public. If a ruler misuses his powers, He has to be accountable to Allah. The people also have the right to be held accountable for the dishonesty of the ruler (government). That's why the Caliph Hazrat Abu Bakar Siddiq had made it clear in his sermon that if "I deviate from the obedience of Allah and His Messenger, then my obedience is not obligatory to you". There are many such precedents in Islamic history. The imams and jurists have declared forbidden to go out against the ruler when a true Islamic caliphate is established and a caliph is elected by the whole nation. If a ruler partially violates the limits set by Allah, than the people can protest in appropriate manner. Because it is not the way of a Muslim to remain silent in the face of oppression and evil.

Keywords: Islam, dictatorial, caliph, rights, powers, dishonesty, forbidden, protest

خروج کا مفہوم

خروج عربی زبان کے لفظ خرج سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی نکلنا باہر آنا، نمودار ہونا ہے ۔ڈاکٹر روضی خروج کا معنی لکھتے ہیں کہ:

☆ لیکچرار، منہاج یونیورسٹی لاہور

☆☆ لیکچرار شعبہ اسلامیات، گجرات یونیورسٹی، گجرات

"خروج سے مراد طلوع ہونا اور باہر نکلنا ہے۔"(۱)

صاحب المعجم الوسیط نے بھی خروج کا معنی نکلنا اور نمودار ہونا لکھا ہے۔جیسے کہا جاتا ہے کہ

''خرجت خوارج فلان''

یعنی نجابت وشرافت ظاہر ہونا۔(۲)

مرتضی زبیدی نے کہا کہ خروج،دخول کی ضد کو کہا جاتا ہے۔

''خرج خروجا نقيض دخل دخولًا أي الخروج يقال خرج مخرجا حسنا وهذا مخرجه''

"خروج درحقیقت دخول کا متضاد ہے جیسے کہا جاتا ہے وہ اچھے مخرج سے نکلا ہے اور یہ اس کے نکلنے کی جگہ ہے۔"

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ(۳)

"اے میرے رب! مجھے سچائی (خوشنودی) کے ساتھ داخل فرما(جہاں بھی داخل فرمانا ہو) اور مجھے سچائی(وخوشنودی) کے ساتھ باہر لے آ(جہاں سے بھی لانا ہو)۔"

قیامت کے دن کو بھی یوم خروج کہا گیا ہے

''وقال يوم الخروج اسم يوم القيامة''(٤)

اور کہا یوم الخروج قیامت کا نام ہے۔

یہ لفظ اردو میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ صاحب فیروزاللغات خروج کا معنی باہر نکلنا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ''(۱)

۱-روضی البعلبکی،الدکتور،(۲۰۰۵ء)،المورد الوسیط ،کراچی،دارالاشاعت،ص:۲۴۰

۲-ابراہیم مصطفیٰ،(۲۰۰۴ء)،المعجم الوسیط،مصر،الشروق الدولیۃ،ص:۲۸

۳-القرآن، ۱۷:۸۰

٤-الزبیدی،محمد مرتضی (س،ن)،تاج العروس من جواہر القاموس،لبنان،بیروت،منشورات دارمکتبہ الحیاۃ، ج:۲،ص:۳۱تا۳۸

"(یہ سب کچھ اپنے) بندوں کی روزی کے لئے (کیا) اور ہم نے اس (پانی) سے مُردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (تمہارا) قبروں سے نکلنا ہوگا۔"

خروج کا لفظ برآمد، باہر نکلنا، بغاوت، شورش، فتنہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔[٢]

اسی سے خوارج ہے یعنی باغی لوگ، جماعت سے جدا ہونے والے لوگ۔[٣]

صاحب محیط المحیط لکھتے ہیں:

"الخارجی من خالف السلطان والجماعة ومن کان معتقدا بمذهب الخوارج وهم سبع فرق من کبار الفرق الاسلامية وهي الاباضية "[٤]

خارجی جو بادشاہ یا جماعت کی مخالفت کرے اور جو خوارج کے مذہب پر اعتقاد رکھتا ہو۔اور ان کے سات فرقے ہیں اور سب سے بڑا فرقہ اسلام میں اباضیہ ہے۔

علامہ ابنِ نجیم حنفی، لکھتے ہیں:

الخوارج: قومٌ لَهم منعة وحمية خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية توجب قتاله بتأويلهم يستحلون دماء المسلمين وأموالهم.[٥]

"خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور (نام نہاد دینی) حمیت ہو اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ (یعنی حکومت) کفر یا نافرمانی کے ایسے باطل طریق اور معصیت پر قائم ہے اس تاویل کے ساتھ ان کے نزدیک حکومت کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے۔وہ مسلمانوں کے قتل اور ان کے اموال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہیں۔"

١- القرآن،50:11

٢-فیروزالدین،مولوی (س،ن). ،فیروز اللغات،لاہور،فیروزسنز،ص:٥٨٩

٣-المنجد عربی،اردو(١٩٩٤ء). کراچی،دارالاشاعت،ص:٢٦٥

٤-بطرس بستانی(٢٠١١ء). محیط المحیط قاموس مطول للغة العربية مكتبة لبنان،ص:٢٣٣

٥-ابن نجیم،زین الدین بن ابراہیم بن محمد،(٢٠١٠ء). البحر الرائق فی شرح الکنز الدقائق،دارالکتب الاسلامی،ج: ٢ ، ص:٢٣٤

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ لغوی طور پر خروج سے مراد باہر نکلنا جبکہ بعد ازاں اس کا اطلاق ایسے گروہ پر کیا جانے لگا جو اہل بدعت میں سے تھے۔ جنہوں نے باطل نظریات کی بنیاد پر مسلمانوں کے خون اور مال کو مباح قرار دیا اور ان کے خلاف لشکر کشی کی۔

ذیل میں ہم احتجاج کا معنی ومفہوم بیان کریں گے تاکہ بعد ازاں خروج اور احتجاج میں فرق کو واضح کیا جاسکے۔

احتجاج کالغوی مفہوم:

احتجاج کے فعل کے لیے ہر زبان میں مخصوص لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ ذیل میں ہم بالترتیب اردو، عربی اور انگریزی زبان میں احتجاج کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کا تجزیہ پیش کریں گے۔

اردوزبان میں احتجاج کامفہوم:

اردو لغات میں احتجاج سے مراد اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا اور کسی ناپسندید امر پر اعتراض کرنے کے ہیں۔ احتجاج لغوی معنی بیان کرتے ہوئے صاحب فروز للغات نے لکھا کہ:

"احتجاج سے مراد کسی امر کے خلاف آواز اٹھانا، حجت لانا، دلیل پیش کرنا ہے۔"(۱)

اسی طرح احتجاج کا لفظ اعتراض، انکار، مخالفانہ آوازاٹھانا، اظہار ناپسندیدگی کرنا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔(۲)

ہیرا لال نے احتجاج کا لفظ اپنے شعر میں یوں استعمال کیا:

ہر ظلم پر کیاہے زمانے سے احتجاج
کچھ بھی نہ بن پڑا تو مذمت ضرور کی(۳)

عربی زبان میں احتجاج کا لفظ بطور دلیل مستعمل ہے۔ جبکہ کسی امر کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے عربی لغت میں "**مظاهرة**" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مادہ ظ،ھ،ر ہے۔

۱- فیروزالدین مولوی،(س،ن). فیروز اللغات، فارسی اردو، راولپنڈی، فروز سنز، ص:۲۸

۲- فروزالدین، مولوی(س،ن). فیروز اللغات، کراچی، فیروز سنز، ص:۷۲

۳- دہلوی، ہیر الال فلک،(۱۹۸۲ء). حرف و صدا، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ص:۱۲

''ظھر'' کا معنی بیان کرتے ہوئے صاحب المنجد نے لکھاہے: اس سے مراد ''باہر آنا'' ہے۔جیسا کہ کہا جا تا ہے: ''تظاھرالقوم'' قوم باہر نکلی۔(۱)

اسی طرح کہا جاتا ہے:

مظاهرة معادية للحكومة(۲)

''حکومت مخالف مظاہرہ''

صاحب معجم الوسیط مظاہرۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إعلانَ رأْي أَو إظهارُ عاطفةٍ في صَورة جماعيّه''(۳)

''اجتماعی طور پر کسی رائے یاجذبہ کا اظہارواعلان مظاہرہ کہلاتا ہے''

انگریزی میں احتجاج کے لیے protest یا strike کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے۔(۴) بی بی سی انگلش ڈکشنری میں اس کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے۔

''express strong disagreement or disapproval about something. A protest is the act of saying or showing publicly that you don't approve of something''(5)

کسی چیز کے بارے میں سخت اختلاف یاناپسندیدگی یا کا اظہار کرنا۔احتجاج، بذریعہ قول یاعوامی سطح پر ایک ایسا عمل ہے جو یہ ظاہر کرتاہے کہ آپ کو کوئی چیز منظور نہیں ہے۔

۱- المنجد عربی، اردو(۱۹۹۴ء). ص:۶۳۳

۲- کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، مولانا،)س،ن(. القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، ص:۵۷۴

۳- ابراہیم مصطفیٰ،(۱۴۲۵ھ).المعجم الوسیط، مکتبہ الشروق الدولیہ، ص:۵۷۸

4- oxford advavnced learner's Dictionary of current English,As Horn By oxford university press,England 1989,Page No.1003

5- Bbc enlish dictionary,Harpercollins Publishers London,Page NO.888

تاریخ کے ہر دور میں خروج اور احتجاج کی صورت میں مختلف طرح کے رد عمل ظاہر ہوتے رہے اخلاق احمد قادری لکھتے ہیں:

نویں صدی عیسوی میں جب رومۃ الکبری کی مقدس سلطنت کے پہلے شہنشاہ شارلیمام کو رومہ میں پوپ نے مذہب رسوم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا۔یوں پاپائیت نے بادشاہ کا علیحدہ وجود بھی تسلیم کرلیا اوراس پر اپنا تسلط بھی قائم کر لیا نتیجتاً اس دورخی پالیسی کی وجہ سے برابر کی طاقت کے دوادرائے جود میں آگئے جو حصول اقتدار کے لیے باہم متصادم رہنے لگے۔رفتہ رفتہ بادشاہ تعیش پسندی کی طرف مائل ہوگیالیکن خود کوروحانی فرمانروا کہنے کی وجہ سے عوام نے بادشاہ کی بداعمالیوں کا ذمہ دار پوپ کو قراردیا۔نتیجتاً مارٹن لوتھر کی قیادت میں اس کے خلاف بغاوت و منافرت کا آغاز ہوا۔اس وقت یہ تحریک دراصل پاپائیت اوربادشاہت کی غلط روش کے خلاف ایک احتجاج تھا۔جسے انگریزی زبان میں "Protest" کہتے ہیں،اس لیے اس تحریک کے حامی پروٹسٹنٹ یا احتجاجی کہلائے۔بعض ازاں عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو مستقل فرقے بن گئے۔"[۱]

خروج اور احتجاج میں فرق

عربی لغت کی رو سے احتجاج کا معنی دلیل اور حجت کے ہیں، احتجاج کے لیے عربی زبان میں مظاہر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد آواز بلند کرنا اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔یہ جدوجہد عموماً آئینی و قانونی طور پر اپنا حق لینے کے لیے کی جاتی ہے۔یہ انفرادی حیثیت سے بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی لوگوں کو جمع کیا جاسکتا ہے۔جبکہ خروج کے معنی عمومی طور پر باہر نکلنا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کی مختلف آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔مگر اصطلاح میں خروج سے مراد منتخب حکمران کی اطاعت سے نکل جانا یا جبری طور پر مسلط بادشاہ کی ظالمانہ روش کے خلاف منظم اور مسلح ہو کر جدوجہد کرنا ہے۔خروج یا احتجاج کرنے والا شخص بسا اوقات شرعی قیود اور قانونی و آئینی حدود کو توڑ کر معاشرے میں بدامنی زیادتی اور ظلم کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔

[۱] - قادری، اخلاق احمد، (۲۰۰۲ء). تاریخ انقلابات عالم، مشتاق، بک کارنر، لاہور، ص:۱۴

خروج کی اقسام

حاکم وقت کے خلاف خروج کی مختلف اقسام ہیں۔ جس کی تصریحات آئمہ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ ہر قسم سے متعلق آئمہ وفقہانے الگ حکم بیان کیاہے۔

اولا:

پہلی قسم یہ ہے خروج کرنے والا بادشاہی میں تنازعہ کرتے ہوئے خروج اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ خروج دینی غیرت اور بادشاہوں کے ظلم اور ان کے سنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ امام حسینؓ اور اہل مدینہ کا خروج تھا۔[۱]

ثانیاً:

دوسرا وہ شخص جو کسی جائز تاویل کی بنا پر ولی الامر کے خلاف خروج کرتا ہے۔ اور اس تاویل کو قرآن و سنت اجازت دیتے ہیں۔ جیسا کہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین نے اس کو اختیار کیا۔ وہ کسی ملک یا ریاست کا مطالبہ نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ ایک رائے اور اجتہاد کی بنا پر حضرت علی کے خلاف نکلے تھے۔ جو کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص کے مطالبہ پر قائم کی گئی تھی۔[۲]

ثالثاً:

تیسری صورت حکومت کو طلب کرنے کی غرض سے خروج کرنا ہے۔ یہ دنیا کے حصول کے لیے قتل و قتال کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت باغی لوگ ہیں۔ ان کے لیے قرآن وسنت میں مذمت کی گئی ہے کیونکہ یہ امت کو تفرقہ میں ڈالنے والے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خون کو فقط دنیا اور حکومت کے واسطے بہانے والے ہیں۔[۳]

۱۔ عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، (۱۴۱۰ھ) فتح الباری، بیروت، دار المعرفہ، ج:۱۲، ص:۲۰۶

۲۔ ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس، (۱۴۱۶ھ). مجموع الفتاوی، سعودی عرب، ج:۲۸، ص:۴۷۷

۳۔ الحنبلی عبد الحی بن أحمد بن محمد، ابو الفلاح (۲۰۱۰ء). شذرات الذهب، بیروت دار ابن کثیر، ج:۱، ص:۶۸

رابعاً:

چوتھا وہ شخص جو حاکم وقت اور مسلمانوں کے گروہ کے خلاف اپنے عقیدے کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے نکلے۔یہ سوادِ اعظم پر خروج کرنے والا کسی بھی اعتقادی اور علمی اصول کی مخالفت سے نکلتا ہے۔یہ سابقہ اقسام سے بڑھ کر ہے[۱]

احتجاج کی اقسام

عصر حاضر میں اپنے حقوق کے حصول کے لیے احتجاج کرنا اگرچہ آئینی و قانونی حق ہے۔مگر اس کی کچھ خدود قیود بھی شریعت اسلامیہ نے مقرر کر رکھی ہیں ذیل میں ہم احتجاج کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر ایک کے احکام کی وضاحت کریں گے۔

ا۔ہڑتال اور اس کی اقسام

ہڑتال احتجاج کی کرنے کی ایسی کوشش جس میں کام بند کر کے ہر طرف تالہ بندی کر دی جائے ہڑتال کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> "عمومی طور پر صنعتی عمل میں ہڑتال ورکرز کے گروپ کی انتظامیہ کے خلاف احتجاج کی انتہائی شکل ہے۔اسی طرح ہڑتال کام کرنے والے طبقہ کی انتظامیہ سے مراعات حاصل کرنے کے لیے ایک اجتماعی کوشش ہے۔اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے عزم کے طور پر اتحاد اور قوت کا ایک مظاہرہ ہے۔یہ مزدور تحریک کی طاقت کا ایک اشارہ بھی ہے۔"[۲]

ا۔بھوک ہڑتال

بھوک ہڑتال مراد اپنے حقوق کے حصول کے لیے احتجاجاً کھانے پینے سے انکار کر دینا۔صاحب تہذیب اللغہ لکھتے ہیں۔

۱- عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، (۱۴۱۰ھ) فتح الباری، ج:۱۲، ص:۲۸۵ / مجموع الفتاوی، ج:۲۸، ص:۲۷۵

2– Benjamin Leung and Stephen Chiu,(1991). A SOCIAL HISTORY OF INDUSTRIAL STRIKES AND THE LABOUR MOVEMENT IN HONG KONG – 6494 6491,Hong Kong, Department of Sociology,University of Hong Kong, Pokfulam Road, Page No.05

يمكن تعريفه بانه: الا متناع عن بعض اوكل انواع الطعام او الشراب او هما معا،مدة محدودة او مفتوحة للمطالبة بحق ما لدي طرف ثان.[۱]

"اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ طرف ثانی سے کسی حق کے حصول کے لیے یا کسی حق کے مطالبے کے لیے محدود یا غیر محدود مدت تک بعض یا تمام انواع و اقسام کی کھانے یا پینے یا دونوں چیزوں سے رک جانا"
عہد رسالت مآب ﷺ میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسلام قبول کیا تو ان کی ماں نے ان کے اس عمل پر کھانا پینا چھوڑ دیا اور بھوک ہڑتال کی[۲]

ب۔پہیہ جام ہڑتال

پہیہ جام ہڑتال عمومی طور پر پبلک ٹرانسپوٹر کی طرف سے احتجاج کے طور پر ہونے والی ہڑتال کو کہا جاتا ہے جس سے عام شہریوں کی آمدورفت جزوی طور پر معطل ہو جاتی ہے۔

ج۔شٹر ڈاؤن ہڑتال

تاجر برادری کی طرف سے کاروبار کو مکمل طور بند کر کے علامتی طور پر احتجاج کیا جاتا ہے جس سے خرید و فروخت کا عمل رک جاتا ہے۔

۲۔مصنوعات کا بائیکاٹ

مصنوعات کی خریداری سے بائیکاٹ کر کے احتجاج کرنے میں تحریک ترک مولات کو خاصی شہرت ملی۔۱۹۲۰ء میں برصغیر کے مسلمانوں نے تحریک خلافت کو کامیاب بنانے کے لیے انگریزوں کی مصنوعات سے بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا جسے برصغیر کی تاریخ میں "ترک موالات" کہا جاتا ہے مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "تحریکات خلافت کے زمانے میں "ترک موالات" کے جو طریقے استعمال کیے گے تھے اُن میں ہڑتال بھی شامل تھی، ترک موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے چنانچہ اہل تحریک نے دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں، رضاکار مقرر کر دیے تھے۔ جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز وہ دکانداروں کو

---

[۱]– تہذیب اللغۃ، ج:۴، ص:۱۲۴

[۲]– قشیری، مسلم بن الحجاج، (۱۴۳۵ھ). الجامع الصحیح، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث:۱۷۴۸

مجبور کرتے کہ وہ ایسی اشیاء دکانوں پر نہ رکھیں، اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اور اس تجارت کو بند کرنے سے اس کے اہل وعیال پر فاقوں کی نوبت آجائے۔

۳۔ سیاسی بائیکاٹ

سیاسی عمل سے بائیکاٹ مختلف صورتوں میں ہو سکتا ہے جس میں ووٹ ڈالنے سے انکار، اسمبلی کی کاروائی سے بائیکاٹ، انتخابی عمل میں شرکت سے انکار کرنے جیسی صورتیں ہو سکتی ہیں پاکستان میں اس کی مثال ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں کچھ جماعتوں کی طرف سے انتخابات الیکشن کے عمل کا بائیکاٹ کیا گیا۔ (۱)

۴۔ احتجاج کے لیے کالی پٹی باندھنا

یہ عالمی طور پر احتجاج کی جدید شکل ہے۔ ابتدا میں یہ طریقہ سوگ کے اظہار کے لیے اپنایا جاتا تھا۔ جس کے لیے کالے لباس کا انتخاب کیا جاتا ہے جبکہ موجودہ دور میں بازوں پر کالی پٹی باندھ کر احتجاج کیا جاتا ہے علاوہ ازیں یہ عمل کسی دن کی یاد کے طور پر یا کسی سے اظہارِ یکجہتی کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔

ڈیوڈ ایل کے مطابق:

> "بیسوی صدی میں میں بازوں پر سیاہ پٹی کو احتجاج کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ۱۹۶۵ میں تین طلباء جان تھنکر، میری بیتھ اور کرسٹو ویتنام نے ویتنام کی جنگ میں امریکہ مداخلت کے خلاف احتجاج کے طور پر سکول میں سیاہ پٹی کو سفید امن کی علامت کے ساتھ باندھا، جس پر انہیں سکول سے خارج کر دیا گیا۔ امریکہ کی ایک عدالت نے طلباء کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے لکھا کہ سکول انتظامیہ نے طلباء کو ان کے احتجاج کی بدولت خارج کر کے اپنے حقوق سے تجاوز کیا ہے"(۲)

۵۔ احتجاج بصورت دھرنا

دھرنا بھی احتجاج کی جدید شکل ہے جس میں کچھ افراد اپنے حقوق کے حصول کی خاطر کسی مخصوص جگہ کا انتخاب کرکے غیر معینہ مدت کا بیٹھ جاتے ہیں. انگریزی میں دھرنے کو sit in کہا جاتا ہے۔

۱- روزنامہ ایکسپریس لاہور، ۱۱ مئی ۲۰۱۳ء، ج:۱۳، شمارہ:۴۷، ص:۱

2- David L. Hudson, Jr(2013). Black Armbands, Boobie Bracelets, and the Need to Protect Student Speech, UMKC L. REV Pg.595

۱۹۶۰ء سیاہ فاموں کے شہری حقوق کے لئے آواز بلند کرنے والے لیڈر ڈاکٹر مارتھر لوتھر کنگ جونئیر کے نظریات سے متاثر چار سیاہ فام نوجوان تارتھ کیرولائیا کی ایک یونیورسٹی میں ایک ایسی میز پر جو سفید فاموں کے لئے مخصوص تھی بیٹھ گئے، مگر ریسٹورنٹ کے مالک نے انہیں کھانا پیش کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ انہوں نے کھانے کی میز سے اٹھنے سے انکار کر دیا وہاں دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ اس کاروائی سے مالکان کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑھا کیونکہ سیاہ فارم لوگوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا چنانچہ وہ آہستہ آہستہ پوری مارکیٹ میں اور کاروباری جگہوں میں پھیلنے لگ گئے ان کے ساتھ سفید فام مظاہرین بھی شریک ہوگئے اس طرح مظاہرین کی تعداد ۷۰ ہزار تک پہنچ گئی اس احتجاج سے امریکہ کی بیس ریاستیں متاثر ہوئیں۔ جولائی ۱۹۶۰ء میں دولاکھ ڈالر کے نقصان کے بعد رول ورتھ نے اپنی میزوں پر سفید فاموں اور سیاہ فاموں کو کھانا پیش کرنے کا اعلان کیا یوں بنیادی حصول کے لئے سیاہ فام تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ [1]

۶۔ لانگ مارچ

لانگ مارچ ایک جگہ سے دوسرے جگہ احتجاج کرتے ہوئے جانا جس کی صورت اجتماعی طور پر ہوتی ہے اگر یہ مارچ مختصر ہو تو اسے ریلی یا جلوس کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا مظاہرہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پیپلز پارٹی، پاکستان عوامی تحریک اور تحریک انصاف دیگر سیاسی جماعتوں کی طرف سے کیا گیا۔

خروج اور احتجاج کی مختلف اقسام اور طریقوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تاریخ اسلام میں حکام بالا کی اطاعت سے انحراف کو خروج کا نام دیا گیا۔ ان کے پس پردہ عوامل کا جائزہ لیا جائے تو جو وجوہات سامنے آتی ہیں ان میں بادشاہوں کے مظالم، عیش و عشرت، طوائف الملوکی، تعیش پسندی اور اسلامی اقدار کی پامالی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ بعض اوقات نظریاتی و اعتقادی اختلاف کی وجہ سے بھی مختلف فرقوں نے خروج کیا۔ ہر دور میں خروج اور احتجاج کی صورتیں عملی اعتبار سے اگرچہ مختلف لیکن بعض مقاصد کے اعتبار سے ان میں کسی حد تک اشتراک بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے سابقہ دور میں ہونے والے خروج اکثر و بیشتر حکمرانوں کی بداعمالیوں کا شاخسانہ تھے جبکہ عصر حاضر میں بھی حکمرانوں کی نااہلی، بدیانتی اور کرپشن کی وجہ سے لوگ احتجاج کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ خروج اور احتجاج کی بعض صورتیں مختلف بھی ہیں جیسے خروج جماعت کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ احتجاج کے لیے جماعت یا گروہ کا ہونا ضروری

---

[1]– Sit-in movement, nonviolent movement of the U.S civil rights era that began in Greensboro, north Carolina, in 1960

نہیں بلکہ فرد واحد بھی اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اگر خروج کو احتجاج کی جدید شکل قرار دیا جائے تو یہ بھی کسی حد تک درست ہے۔

احتجاج اور خروج کی اقسام کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس شریعت اسلامیہ میں اس کی جائز اور ناجائز صورتوں پر بحث کریں گے۔

خروج اور احتجاج کی ممانعت پر دلائل

خروج اور احتجاج کی ممانعت کا نقطہ نظر رکھنے والے علماء قرآن وحدیث کی ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں حاکم اور امیر کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

ا۔حاکم کی اطاعت کا حکم

اللہ رب العزت نے حاکم کی اطاعت کو قرآن کریم میں لازم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ﴾(١)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اوراپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی''

مفسرین نے اس آیت میں ''اولی الامر'' سے مراد خلیفہ وقت یا امیر کی اطاعت قرار دیا ہے اس کے علاوہ دوسرے تمام حکام بھی مراد ہو سکتے ہیں جو شوریٰ انتظامیہ ی یا عدلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

امیر کی اطاعت کو نبی کریم ﷺ نے اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي(٢)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کیے ہوئے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی۔''

١- القرآن ٤:٥٩

٢- بخاری، محمد بن اسماعیل(٢٠٠٢ء). الجامع الصحیح، لبنان، دار الاحیاء، رقم الحدیث ٧١٣٧

۲۔ متفقہ امام کے خلاف خروج کی مذمت

امت میں کسی امام پر اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ اس کے خلاف خروج کرے ایسا کرنے والے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا عرفجہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔

"مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ". [۱]

"اگر تمہارے معاملات کسی ایک شخص پر اکٹھے ہوں پھر کوئی شخص تمہاری قوت کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دو۔"

مندرجہ بالا نصوص سے استدلال کرتے ہوئے آئمہ وفقہا نے کسی فرد واحد کو اجازت نہیں دیتے امت کے متفقہ امام کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے کوئی فرد اس کے خلاف خروج کرے۔ چناچہ امام احمد بن حنبل امیر کی اطاعت کے وجوب کے قائل اور ان کے خلاف خروج کو حرام قرار دیتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

"امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق وفاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیز گار واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزور شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے۔ جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا، جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضاء و رغبت ہو یا یہ جبر و اکراہ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔"[۲]

امام ابن تیمیہ نے اس عدم خروج کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے خروج سے حاصل ہونے والا فتنہ و فساد اس حکمران کے ذاتی فسق و فجور سے کئی گنا بڑا ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

۱- قشیری، مسلم بن الحجاج، (۱۴۳۵ھ). الجامع الصحیح، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث: ۱۸۵۲

۲- حیات احمد بن حنبل، ص: ۲۴۲ بحوالہ المناقب ابن جوزی، ص: ۱۷۶

لا يجوز انكار المنكر بماهو أنكر منه ولهذا حرم الخروج علي ولاة الأمر بالسيف لأجل المعروف والنهي عن المنكر لان ما يحصل بذلک من فعل المحرمات و ترک واجب اعظم مما يحصل بفعل المنكر والذنوب والائمة لا يقاتلون بمجرد الفسق كالزنا وغيره فليس كلما جاز فيه القتل جاز ان يقاتل الائمة لفعلهم ياهذا فساد القتال اعظم من فساد كبيرة يرتكبها ولى الامر. [1]

''کسی منکر کا انکار اس سے بڑے منکر سے جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض سے حکمرانوں کے خلاف تلوار سے خروج حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کے خروج سے جن محرمات کا ارتکاب اور فرائض کا ترک لازم آئے گا وہ ان حکمرانوں کے منکرات اور گناہوں سے بڑے ہوں گے۔ حکمرانوں سے صرف ان کے فسق وفجور مثلاً زنا وغیرہ کی وجہ سے قتال نہیں کیا جائے گا۔ پس ہر وہ گناہ کہ جس کے مرتکب کا قتل جائز ہے۔ اس گناہ کے ارتکاب پر حکمرانوں سے قتال جائز نہیں ہو گا کیونکہ حکمرانوں سے قتال کا فساد اس گناہ سے بہت بڑھ کر ہے کہ جس کا ارتکاب حکمران کرتا ہے۔''

۳۔جبری ہڑتال کاشرعی حکم

مندرجہ بالاصورتوں کے بارے میں وضاحت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے فتاویٰ میں یوں کی ہے:
یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا بجز بعض خاص تجارتوں کے سبب ۔اشیاء کی خرید وفروخت کا معاملہ اہل حرب تک کے لئے بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ۔دوسرا بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا زیادہ گناہ ہے۔ قانون خیار کے تحت یہ واپسی بھی شرعاًمثال بیع کے ہے جس میں تراضی متعاقدین شرط ہے۔تیسرا نہ ماننے والوں کو ایذا دینا جو ظلم ہے۔چوتھا اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے۔ پانچواں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جائے تو شریعت کو تغیر وتحریف ہونا ہے۔''[2]

---

[1] ۔ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس،(۱۴۱۶ھ). مجموع الفتاوی،ج:۱۴، ص:۴۷۲

[2] ۔ تقی عثمانی ،مفتی (۱۴۲۷ھ).اسلام اور سیاست،ملتان،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ص:۵۱

لہذا اگر ہڑتال کرنے سے معاشرے کے دیگر افراد متاثر ہوتے ہیں اور ان کے حقوق سلب ہوتے ہیں تو یہ عمل ناجائز ہے۔ دین اسلام میں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ اپنے حق لینے کے لیے دوسرے کی حق تلفی کی جائے۔

۴۔ ووٹ کے بائیکاٹ کا شرعی حکم

ووٹ دینا در اصل کسی کے بارے میں شہادت دینا ہے کہ منتخب فرد ریاستی معاملات چلانے کا اہل ہے جبکہ اہلیت ہونے کے باجود کسی کو ووٹ نہ دینا درحقیقت شہادت کو چھپانا ہے اور ایک آیتِ مبارکہ میں سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَلاَ تَكْتُمُواْ الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ. [۱]

اور تم گواہی کو چُھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چُھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے،۔

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نااہل ہو اس کو ووٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے۔ [۲]

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا یارسول اللہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو اس نے پوچھا امانت کب ضائع ہو گی تو آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے۔ [۳]

مفتی شفیع لکھتے ہیں کہ:

ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے تحقیق کرلے جس کو ووٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ دیانت دار ہے یا نہیں محض غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے عظیم گناہوں (جو گناہ ووٹ لینے والا سر نجام دے گا) کا مرتکب نہ بنے۔ [۴]

---

[۱]۔ القرآن، ۰۲: ۲۸۳

[۲]۔ سعیدی، غلام رسول، (۲۰۰۴ء). تبیان القرآن، لاہور، فرید بک سٹال، ج: ۳، ص: ص: ۱۲۱

[۳]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، (س، ن). صحیح بخاری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث: ۵۹

[۴]۔ محمد شفیع، مفتی، (س، ن). معارف القرآن، کراچی، مطبوعہ دار المعارف، ج: ۳، ص: ۱۷

اس سے یہ واضح ہوا کہ جس طرح منصب پر نااہل لوگوں کو بیٹھانا گناہ اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اسی طرح اہل افراد کے ہوتے ہوئے انتخابی عمل سے بائیکاٹ کرنا بھی گناہ ہے۔

خروج اور احتجاج کی حلت پر دلائل

خروج اور احتجاج کو جائز سمجھنے والے فقہاء کے دلائل درج ذیل ہیں۔

ا۔معصیت مبنی اطاعت کی حرمت

اگر قرآن و حدیث میں حکمران کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے تو امیر کی اطاعت کے سلسلے میں بھی اسلام نے دائرہ کار مقرر فرمایا، اگر حکمران معصیت پر مبنی کوئی حکم دے تو اس صورت میں اس کی اطاعت ہر گز نہیں کی جائے گی۔ نافع نے ابن عمر سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ إِلاَّ أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ[۱]

"ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سنے اور اطاعت کرے خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا نہیں، سوائے جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے۔ پس اسے اگر معصیت کا کام کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ نہ تو سنے اور نہ ہی اطاعت کرے۔"

۲۔فاسق حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا

حکمران کا احتساب کرنا امر بالمعروف اور انہی عن المنکر کا ایک حصہ ہے۔ اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث خصوصی طور پر حکمرانوں کے بارے میں وارد ہوئی اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا خطبہ بیعت بھی اس کی واضح دلیل ہے، جس سے حکمرانوں کا محاسبہ کرنے اور ان کے سامنے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اظہار کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

ابو سعید سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ .[۲]

۱۔ قشیری، مسلم بن الحجاج، (۱۴۳۵ھ). الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۱۸۳۹

۲۔ ابو داؤد، السنن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث:۴۳۴۴

"افضل جہاد، جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔"

اس حدیث میں صراحتاً حاکم کے سامنے امر بالمعروف کے اظہار کا بیان ہوا ہے۔ گویا حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ جابر اور ظالم بادشاہ کے سامنے یہ عمل جہاد کرنے کے مترادف تصور کیا گیا تاکہ حاکم کی اصلاح کے لیے معیار قائم کیا جاسکے چنانچہ

امام نبہانی اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"یہ نص حکمران کے محاسبے کے متعلق ہے اور حکمران کے سامنے حق بات کہنے کی فرضیت کو بیان کرتی ہے اور اسے بہترین جہاد قرار دیتی ہے۔"[1]

ظالم وفاسق حاکم کی وضاحت

امام نبہانی ظالم وفاسق حاکم کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"جو حکمران اللہ کے تمام احکامات کو نافذ نہ کرے یا کچھ احکامات کو نافذ کرے اور کچھ کو پس پشت ڈال دے اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اسلام یا اس کے کچھ احکامات موزوں و مناسب نہیں ہیں، گویا اس نے کفر کیا۔ اور وہ حکمران جو اسلام کے احکامات کے موزونیت اور صلاحیت پر تو یقین رکھتا ہو لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ نہ کرے یا کچھ احکام کو نافذ کرے اور کچھ کو پس پشت ڈال دے، اللہ تعالیٰ نے اسے ظالم یا فاسق قرار دیا ہے۔"[2]

اگر احتجاج کو بطور اعلائے کلمۃ الحق کے طور پر دیکھا جائے تو یہ عمل مسلم امت کا خاصہ رہا ہے۔ علمائے حق اور آئمہ و مجتہدین کی زندگیاں اعلاء کلمۃ الحق کے پرچار حق میں گزری ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل چاروں آئمہ کو اعلائے کلمۃ حق کی سربلندی پر ایذائیں پہنچائیں گی جن سے تاریخ کے واقعات بڑھے ہوئے ہیں۔ علامہ عبد الوحید لکھتے ہیں:

"امام شافعی کو معمولی اختلاف کی بنا پر اس قدر ایذائیں دی گئیں کہ معاذاللہ۔ آپ کو یمن سے بغداد تک بے حرمتی کے ساتھ قید کر کے لایا گیا۔ ہزاروں آدمی آپ کو گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے مقید حالت چلے جاتے تھے۔"[3]

---

[1] - نبہانی، تقی الدین، (۲۰۰۲ء). اسلامی نظام حکومت، ص:۳۰۴

[2] - نبہانی، تقی الدین، (۲۰۰۵ء). اسلامی نظام حکومت، ص:۳۱۰

[3] - عبد الوحید خان، علامہ، (۱۹۹۶). مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان تاریخ افکار وسیاست اسلامی، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ص:۵۱۹

وقت کے ساتھ ساتھ حصول علم کا مقصد حصول عزو جاہ اور جلب منفعت رہ گیا۔ چنانچہ اعلاء کلمۃ الحق بعد ازاں علمائے اسلام کے نزدیک اسی طرح شجر ممنوعہ بن گیا جس طرح علماء یہود نے اغراض دنیوی کے لیے حق کو چھپایا تھا۔

۳۔ احتجاج بطور اعلائے کلمۃ الحق

خروج و احتجاج کی وہ تمام صورتیں جو اعلائے کلمۃ الحق کے ضمن میں آتی ہیں بشرطیکہ اس سے کسی کی جان مال عزت و آبرو کا حق تلف نہ ہو جائز ہیں۔ کیونکہ ظالم کے ظلم کو اگر نہ روکا جائے اور اسے معاشرے میں شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے تو پھر معاشرے کا امن و سکون برباد ہونے کا خدشہ ہے۔ احتجاج کی جن صورتوں کو فقہاء نے جائز کہا ہے ان تمام صورتوں کو اعلاء کلمۃ الحق کے ضمن میں یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قیاس کیا ہے۔ ایسی صورت میں پر امن احتجاج نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اوقات ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

اتفق الائمة على مشروعية الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وحكي الإمام النووي وابن حزم الإجماع على وجوبه. (1)

"نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنے سے متعلق تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ یہ شرعی عمل ہے، بلکہ نووی اور ابن حزمؒ نے اس عمل کے واجب ہونے پر اجماع بھی نقل کیا ہے"

لہذا اگر ظالم حاکم وقت کی طرف سے رعایا پر ظلم کیا جائے تو اس کے خلاف مظلوم طبقہ کو پر امن احتجاج کی صورت میں کھڑے ہونا ضروری ہے تاکہ حصول حق کی جدوجہد میں نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جاسکے۔

علامہ ابن حزم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

"جب منکر کا دفع کرنا تلوار کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر مسلح خروج کرنا واجب ہے اس بارے میں ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا موقف بھی یہ ہے کہ ایسے حکمران کے خلاف مسلح خروج جائز ہے اور پھر خاص کر اس بارے میں امام ابو حنیفہ کا مذہب تو بہت ہی مشہور ہے کہ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج کو واجب سمجھتے تھے"(2)

1- الموسوعہ الفقہیۃ(۱۴۰۴ھ). کویت، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، ج:۶، ص:۲۴۸

2- ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، (۱۴۱۳ھ). الملل والنحل، دار الاحیاء، ج:۴، ص:۱۷۱

۴۔ احناف کا مؤقف

اس سلسلے میں اگر امام اعظم ابو حنیفہ کا رویہ دیکھا جائے تو ان کی زندگی میں جو خروج ہوئے انہوں نے اس سے گریز کی راہ اختیار کی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مسلمان حکمرانوں کے رویے سے مطمئن تھے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں انہوں نے جس طرح حکومتی مناصب سے اپنا دامن بچایا اور اس انکار پر ذہنی و جسمانی اذیتیں برداشت کیں وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان حکمرانوں کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ امت کی قیادت کریں مگر حکمت کے پیش نظر ان کے خلاف خروج کرنے سے مجتنب رہے۔

امام جصاص نے ان کے قول کو نقل کیا ہے

ولافرق عند ابي حنيفة بين القاضي والخليفة في ان شرط كل منهما العدالة وان الفاسق لايكون خليفة ولا يكون حاكما كمالا تقبل شهادة[۱]

"امام ابوحنفیہ کے ہاں قاضی اور خلیفہ کے درمیان اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ دونوں کی عدالت کا ہونا شرط ہے اور یہ کہ فاسق خلیفہ نہیں بن سکتا اور نہ ہی حاکم بن سکتا ہے جیسا کہ فاسق شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔"

فقہ الاکبر میں امامت و خلافت کے ضمن میں امام ابو حنیفہ نے اصول بیان کیے ہیں ان میں سے ایک اصول امام فاسق سے متعلق یہ ہے:

"فسق کے ارتکاب سے امام از خود معزول نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا ہٹانا لازم ہو جاتا ہے۔"[۲]

امام جصاص واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی نے فاسق حاکم کی حکومت کے جواز کا قول امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیا ہے تو یا تو یہ اس نے قصداً جھوٹ باندھنا ہے، یا امام ابو حنیفہؒ کے موقف کو صحیح نہیں سمجھا، چنانچہ امام جصاص لکھتے ہیں:

"پس اگر کسی کو غلطی لاحق ہوئی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے قول اور سارے عراقی فقہاء کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کر رہا، تو وہ اس غلطی کے اس قول کی بناء پر لاحق ہوئی ہو گی کہ کسی ظالم حکمران کی جانب سے مقرر کیا گیا قاضی اگر خود عادل ہو تو اس کے احکام نافذ ہوں گے اور اس کے فیصلے صحیح ہوں گے، اور یہ کہ ان حکمرانوں کے پیچھے نماز جائز ہے باوجود اس کے کہ وہ فاسق اور ظالم ہیں۔"

۱۔ الجصاص، ابو بکر احمد بن علی (۱۹۹۹ء). احکام القرآن، اسلام آباد، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ج:۱، ص:۸۷

۲۔ ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، امام (س،ن). فقہ الاکبر، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص:۴۲

ایک اور مقام پر امام حصاص نے ان لوگوں کے موقف کی وضاحت کی ہے جو ظالم حکمران کے ہٹانے کی کوشش کو فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس موقف کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا ہے۔

فصاروا شرا على الأمة من أعدائها المخالفين لها ; لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية وعن الإنكار ذلك كله عليهم ترك الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والإنكار على السلطان الظلم والجور، حتى أدى ذلك إلى تغلب الفجار بل المجوس وأعداء الإسلام حتى ذهبت الثغور وشاع الظلم وخربت البلاد وذهب الدين. (١)

"پس یہ (ظالم کے خلاف خروج کے عدم جواز کے قائلین) اس اُمت کے لئے اس کے مخالف دشمنوں سے زیادہ بد تر ہوگئے کیونکہ انہوں نے ظالم حکمران کے ظلم وستم کے خلاف مزاحمت کے لئے لوگوں کو اُٹھنے نہیں دیا یہاں تک کے گناہ گار بلکہ مجوس اور اسلام کے دیگر دشمن غالب ہوگئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرحدات غیر محفوظ ہوگئیں ، ظلم کا دور دورہ ہوا شہر تباہ ہوگئے دین اور دنیا دونوں ہاتھ سے نکل گئے۔"

چنانچہ جنہوں نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا تھا تو ان کی امام اعظم نے نہ صرف مالی معاونت فرمائی بلکہ خروج کرنے والوں کو خفیہ طریقہ سے فتویٰ دیتے اور دیگر کو فرماتے تھے کہ ان کی نصرت بھی واجب ہے اور ان کے ساتھ مل کر حکمران کے خلاف لڑنا بھی واجب اور لازم ہے۔

شیخ یوسف القرضاوی کے نزدیک ظالم حکمرانوں کے خلاف پر امن خروج جائز ہے یعنی وہ خروج جو قلم یا زبان یا پرامن طریقے پر مبنی ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

وأما إن كان الخروج بمجرد اظهار رأى مخالف والتعبير عنه باللسان أو القلم فهذا من المعارضة المشروعة ما دامت في إطار المسلم ولا يجوز معارضة القلم أو اللسان بالسيف وانما تقابل الحجة بالحجة والفكرة بالفكرة. (٢)

١- الجصاص، ابو بکر احمد بن علي الرازي (١٩٩٢ء). احکام القرآن، لبنان، دار الاحیاوالتراث العربي، ج:٣، ص:٣٢١

٢- یوسف قرضاوی، ڈاکٹر، (٢٠١٢ء). فتاوی یوسف قرضاوی، لاہور، البدر پبلی کیشنز، ج:٢، ص:٣٢٦

"اوراگرخروج کی صورت صرف یہ ہو کہ حکمرانوں کی رائے کے خلاف رائے کا اظہار زبان اور قلم کے ذریعے ہو تو حکمرانوں سے ایسا اختلاف کرنا مشروع ہے جب تک کہ اسلام کے دائرے میں ہو۔ قلم اور زبان کا مقابلہ تلوار سے جائز نہیں ہے۔دلیل کا مقابلہ دلیل سے اور فکر کا فکر سے کیا جائے گا۔"

اسلام انسانی حقوق کے نہ صرف تحفظ کی بات کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد بھی باعث خیر قرار پاتی ہے۔ لیکن جس طرح نیک کام کے لیے برائی کی راہ کا انتخاب جائز نہیں۔اسی طرح اپنے حقوق کے حصول کے لیے دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے کی بھی اجازت نہیں۔۔

۵۔احتجاج کی حلت پر مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے سیاسی جدوجہد کے کئی مروجہ طریقوں پر شرعی نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور ان کے شرعی حکم کو واضح فرمایا ہے مثلا حکومت سے مطالبات منوانے کے لیے کاروبار بند کر کے ہڑتال کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس کے پر فرماتے ہیں:

"بائیکاٹ یانان کو آپریشن یہ شرعاًافرادِ جہاد میں سے نہیں ہے، بلکہ مستقل تدابیرِ مقاومت(مقابلہ کرنے)ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں۔"[۱]

یعنی اگر بات صرف اس حد تک ہو کہ لوگ اپنی خوشی سے احتجاجاً کاروبار بند کر دیں تو دوسرے مفاسد کی عدم موجودگی میں اسے ایک مباح تدبیر کہا جاسکتا ہے۔

مولانا عبد الحق فتاویٰ حقانیہ میں احتجاج سے متعلق لکھتے ہیں:

"اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پر امن ہوں اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لیے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے۔جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کر دیا تھا۔"[۲]

---

[۱] – تھانوی، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، الروضۃ، الناصرۃ، ص:۱۰

[۲] – مولانا عبد الحق،(س،ن). فتاویٰ حقانیہ، نوشہرہ، جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ج:۲، ص:۳۵۷

۶۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا موقف

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے نزدیک معاشرہ کی اصلاح وفلاح کے لیے کی جانے والی دیگر کاوشوں میں سے احتجاج کے طریقے کو استعمال کرنے کو بھی درست قرار دیتے ہیں اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک کسی بدکردار مسلمان حکمران یا حکومت کو راہ پر لانے کے لیے جدوجہد کا تعلق ہے تو وہ ہرگز منع نہیں ہے۔اسی طرح اصلاح معاشرہ اور ابلیسی قوتوں کا مقابلہ دینی فرائض میں سے ہے۔حکمرانوں اور نظام حکومت کی اصطلاح کے لیے تمام آئینی، سیاسی، جمہوری اور قانونی پر امن طریقے اپنانہ صرف جائز بلکہ واجب ہیں۔اعلاء کلمہ حق، انسدادِ استبداد اور بحالی نظام عدل کے لیے انفرادی، اجتماعی، تنظیمی اور جماعتی سطح پر تمام کاوشیں بروئے کار لانا فرائض دین میں سے ہے۔"[۱]

خلاصہ بحث

آئمہ وفقہا کے اقوال کے جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمران کے خلاف مسلح خروج مطلقاً جائز نہیں ہے۔اور جن فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اس کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں۔اسی طرح عصر حاضر میں احتجاج کو جن علماء نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے تحت ذکر کیا ہے اس کو فی نفسہ مباح قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے فتنہ و انتشار اور عامۃ الناس کی جان و مال کے تحفظ کے لیے اس کی اجازت نہیں دی۔ ہو اس طرح مطلقاً احتجاج مطالبہ حقوق کے لیے جائز مگر اس کے پر تشدد طریقوں کو جزوی طور پر ناجائز قرار دیا ہے۔

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

ابراہیم مصطفی، (۱۴۲۵ھ). المعجم الوسیط، مکتبہ الشروق الدولیہ

ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس، (۱۴۱۶ھ). مجموع الفتاوی، سعودی عرب

ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، (۱۴۱۳ھ). الملل والنحل، بیروت، دار الاحیاء

ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، (۲۰۱۰ء). البحر الرائق فی شرح الکنز الدقائق، دار الکتب الاسلامی

بخاری، محمد بن اسماعیل، (س،ن). صحیح بخاری، بیروت، دار الکتب العلمیہ

بطرس بستانی (۲۰۱۱ء). محیط المحیط قاموس مطول للغۃ العربیۃ مکتبۃ لبنان

[۱]۔ محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، (۲۰۱۷ء). فتوی: دہشت گردی اور فتنہ خوارج، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ص:ص:۳۲

تقی عثمانی، مفتی(۱۴۲۷ھ). اسلام اور سیاست، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ
تھانوی، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، الروضۃ، الناصرۃ
الجصاص، ابو بکر احمد بن علی(۱۹۹۹ء). احکام القرآن، اسلام آباد، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
الجصاص، ابو بکر احمد بن علي الرازي(۱۹۹۲ء). احکام القرآن، لبنان، دار الاحیاوالتراث العربي
الحنبلی عبدالحی بن أحمد بن محمد، ابو الفلاح(۲۰۱۰ء). شذرات الذهب، بیروت دار ابن کثیر
حیات احمد بن حنبل، ص:۲۴۲بحوالہ المناقب ابن جوزی
ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت،(س،ن). فقہ الاکبر، لاہور، مکتبہ رحمانیہ
ابو داؤد، سلیمان بن اشعث(س،ن)السنن، بیروت، دارالکتب العلمیہ
دہلوی، ہیرالال فلک،(۱۹۸۲ء). حرف وصدا، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
روضی البعلبکی، الدکتور،)۲۰۰۵ء(. المورد الوسیط، کراچی، دارالاشاعت
الزبیدی، محمد مرتضی(س،ن)تاج العروس من جواہر القاموس، لبنان، بیروت، منشورات دار مکتبہ الحیاۃ
سعیدی، غلام رسول،(۲۰۰۴ء). تبیان القرآن، لاہور، فرید بک سٹال
عبدالوحید خان، علامہ،(۱۹۹۶). مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان تاریخ افکاروسیاست اسلامی، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس
عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی،(۱۴۱۰ھ)فتح الباری، بیروت، دار المعرفہ
فروزالدین، مولوی(س،ن). فیروز اللغات، کراچی، فیروزسنز
فیروزالدین مولوی،(س،ن). فیروز اللغات، فارسی اردو، راولپنڈی، فروزسنز
قادری، اخلاق احمد،(۲۰۰۲ء). تاریخ انقلابات عالم، مشتاق، لاہور، بک کارنر
قشیری، مسلم بن الحجاج،(۱۴۳۵ھ). الجامع الصحیح، بیروت، دارالکتب العلمیہ
کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، مولانا،)س،ن). القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات
محمد شفیع، مفتی،(س،ن). معارف القرآن، کراچی، مطبوعہ دار المعارف
محمد طاہر القادری، ڈاکٹر،(۲۰۱۷ء). فتوی: دہشت گردی اور فتنہ خوارج، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز
المنجد عربی، اردو(۱۹۹۴ء). کراچی، دارالاشاعت
الموسوعہ الفقہیۃ(۱۴۰۴ھ). کویت، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ
مولاناعبدالحق،(س،ن). فتاویٰ حقانیہ، نوشہرہ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
نبھانی، تقی الدین،(۲۰۰۲ء). اسلامی نظام حکومت
یوسف قرضاوی، ڈاکٹر،(۲۰۱۲ء). فتاوی یوسف قرضاوی، لاہور، البدر پبلی کیشنز
روزنامہ ایکسپریس لاہور

کاسمیٹکس مصنوعات سے متعلق استحالہ کے فقہی ضوابط

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

[Jurisprudential Terms of Istiḥālah in cosmetic Products (An Analytical study)]

☆حسن شیر

☆☆ محمد طاہر رحیم

☆☆☆سید ریحان الحسن گیلانی

ABSTRACT

Allah, Almighty has made this world with all of his essences and beautified it with his countless blessings.In Islam, no doubt beauty is a very important characteristic but also an aspect of the body and the heart. In a world where the standards of beauty seem to change from year to year according to trends and norms. Moreover, in this world, many people want to look good and feel satisfied and will be willing to go through many ways for their ideal look. likewise, several products came into use for beautifying, cleansing, and promoting attractiveness. These products include components of cosmetics, they are utilized for health and beauty purposes. There are concerns regarding the existence of harmful or ḥarām chemicals, but With the advancement in (technology), results in the transformation of unlawful and forbidden cosmetic products into permissible several new ingredients and products.The process of transforming certain items or products fromone form to another, Muslim jurists tend to use terms like Istiḥālah (transformation). This will allow the new invention to be utilized fully. This research tends to highlight the different ideological concepts of Istihalah from the perspective of Islamic Shariah and jurisprudence and its application in cosmetic products. However, the study focuses on the issues related to alcohol and pig ingredients in beauty products.

Keywords: Cosmetic, Alcohol, Pig, Jurisprudence, Istiḥālah

☆ ایم۔فل اسکالر، جی۔سی یونیورسٹی، لاہور

☆☆ فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور، پاکستان

☆☆☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور

کاسمیٹکس کا سامان میک اپ کے نام سے مشہور ہے اور یہ ایسا مواد ہوتا ہے جو چہرے کی تروتازگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ان مصنوعات میں جلد کو نکھارنے والی کریمیں،لوشنز، پاؤڈرز، سپرے،لپ سٹکس، ناخن پالش، نیل پالش اور رنگ دار لینز وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی ممالک بیرونِ ممالک سے کاسمیٹکس کی بہت سی مصنوعات منگواتے ہیں جن کے اجزاء میں کچھ ایسی اشیاء ہوتی ہیں کہ جن میں استحالہ کا عمل ہوا ہے۔ جیسے کہ خنزیر کے بعض اجزاء جو ان مصنوعات میں استعمال ہوتے ہیں یا یہ اشیاء بعض نقصان دہ اجزاء پر مشتمل ہوتے ہیں۔ان اجزاء میں استحالہ کا عمل کلی ہوتا ہے یا جزوی۔ [۱] ان اشیاء کے کیمیاوی صنعتوں میں مختلف اشیاء میں سائنسی ترقی کا اتنا گہرا اثر ہوا ہے کہ بعض ناپسندیدہ عناصر کو الگ کر کے ان کو دوبارہ تیار کیا جاتا ہے۔ [۲] ان تمام مصنوعات میں اگر نجس، زہریلے اور نقصان دہ مواد شامل ہو کر دوسرے پاکیزہ مواد میں گھل مل جائیں اور اپنا وجود چھوڑ دیں تو یہ مصنوعات قابل استعمال ہیں۔ کاسمیٹکس کی اشیاء میں کچھ ایسے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جن میں استحالہ کا عمل کامیاب نہیں ہوتا۔ان اجزاء میں ان کا رنگ، ان کا ذائقہ اور انکی بو باقی رہ جاتی ہے۔اس طرح یہ استحالہ ناقص رہتا ہے کامل نہیں ہوتا۔ فقہ اسلامی میں استحالہ کا عمل ناپاک چیزوں کو مکمل طور پر پاک کرنے والا ہے۔اس طرح ناپاک اشیاء استحالہ کے ذریعے پاک ہو جاتی ہیں۔خوبصورتی اور آرائش کی نجش اشیاء استحالہ کے بعد پاک ہو جاتی ہیں لیکن یہ تطہیر تجمیل کی اشیاء خصوصا اور عام استعمال ہونے والی اشیاء میں عموما استحالہ کے چند شرعی قواعد کے ساتھ مقید ہے۔

استحالہ کا معنی و مفہوم

لغوی لحاظ سے استحالہ کا لفظ حَالَ، یا حَوَلَ سے لیا گیا ہے اور اس کا معنی ہے 'تبدیل ہو جانا' اور تَحَوَّل بمعنی:
(تغير من حال إلى حال) [۳] "ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا۔"

---

[۱] منیر علی عبد الفتاواخرون،(دون سنۃ)،مجلۃ کلیۃ الطیبۃ الاسلامیۃ مالزیاالمرد،ضوابط الاستحالۃ الشرعیۃ فی النجات المستھلکۃ(منتجات التجمیلانموذجا):دراسۃ فقھیۃ تحلیلیۃ.ص:۸

[۲] علی محمد بن علی مھدی عثمان،الاستحالۃ واثرھا فی نطھیر النجاسۃ (دراستۃ فقھیۃ وتطبیقھا معاصرۃ،مجلۃ کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ والعربیۃ للبنین بالقاھرۃ العدد (۲۳)،ص:۲۰۵۵

[۳] ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی،(دون سنۃ) لسان العرب،دار صادر، بیروت، ج: ا،ص:۱۸۹، ابراہیم مصطفی،احمد الزیات،حامد عبد القادر، محمد النجار،(دون سنۃ)المعجم الوسیط،دار الدعوۃ،ج: ا،ص:۱۹۸

صاحب تهذيب اللغة استحالہ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وكل شيء استحال عن الاستواءِ إلى العِوَجِ يقال له مستحيلٌ[1] ہر وہ چیز جو سیدھے پن سے ٹیڑھے پن کی طرف منتقل ہو ئی اس کو مستحیل کہا جائے گا۔

صاحبِ مختار الصحاح فرماتے ہیں: استحالہ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے کہا یہ ح،و،ل سے مشتق ہے، عرب کہتے ہیں:

ح و ل الحول الحيلة وهو أيضا القوة وهو أيضا السنة و حال الدار وحال الغلام أتى عليه حول وحالت القوس و استحالت بمعنى أي انقلبت عن حالها واعوجت[2]

یعنی گھر پر اور غلام پر ایک سال گزر گیا نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں حالت القوس واستحالت یعنی کمان اپنے حال سے بدل گئی اور ٹیڑھی ہو گئی۔

استحالہ کا اصطلاحی معنی و مفہوم اس کے لغوی معنی کے قریب ہے، جیسا شیرازی نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے ۔أما القي فهو انجس لأنه طعام استحال في الجوف الى النتن والفساد[3] "قے نجس ہے کیوں کہ کھانا پیٹ میں جاکر بو اور خرابی میں تبدیل ہو گیا۔"

اسی طرح النوویؒ نے ایک جگہ استحالہ کی اس طرح وضاحت کی ہے: المسك دم استحال طيباً،والعلقة روالمضغة اصلُهما وهو المني، دم مستحيل والبن أصلهُ دم[4]" کستوری اصل میں خون ہے جو دل کر خوشبو بن گیا ہے، علقة اور مضغة پر مبنی ہے،یہ تبدیل ہونے والا خون ہے،جب کہ دودھ کی اصل بھی خون ہے۔"

---

[1] ابو منصور، محمد بن احمد بن الازھری الھروی،(۲۰۰۱م)، تھذیب اللغة، دار احیاء التراث العربی، بیروت. ج:۸، ص:۱۵۶

[2] الرازی، زین الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الحنفی، (۱۹۹۹م)، مختار الصحاح، المکتبة العصریة، دار النموذجیة، بیروت، صیدا. ج:۱، ص:۸۴

[3] الشیرازی، ابراھیم بن علی بن یوسف، ابو اسحاق،(دون سنة) المھذب، دار الفکر، بیروت، ج: ۱، ص:۴۱ ، النووی،(۱۹۹۷م) المجموع، دار الفکر، بیروت، ج: ۲، ص: ۵۰۹

[4] الدمیاطی، ابو بکر ابن السید، محمد شطا (دون سنة) اعانة الطالبین، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، ج:۱، ص: ۸۴

نجس مواد کا اشیاء زینت و جمال اور کاسمیٹکس میں استعمال

کاسمیٹکس میں استعمال ہونے والی بہت سی چیزیں خنزیر کی چربی اور دیگر اشیاء سے بنائی جاتی ہیں ۔ جیسا کہ Richardجو ایک انگلستانی تاجر ہیں جو خنزیر اپنے فارم پر پالتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں " مکمل پیداوار فروخت کرنا ان کے مفاد میں ہے ۔ خنزیر کی چربی ۱۸۵ چیزوں کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے ۔ جیسے آئس کریم وپڈ کریم (Whipped cream) مٹھائیوں اور پینٹس(رنگوں) کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ چربی شیمپو،مائع،صابن،جلد اور چہرے کی صفائی میں استعمال ہونے والی کریموں،سستی اقسام کے شیمپو اور ہر گلی محلے میں استعمال ہونے والی کاسمیٹکس کی تیاری میں بھی خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے ۔ اسی طرح خنزیر کی ہڈی کا سمیٹکس اشیاء سخت کرنے اور انھیں موتی جیسارنگ چمک دمک دینے میں مدد گار اور مفید ہے ۔ اسی طرح گلیسرین اور جلد کو تری دینے والی چیزوں (Moisturizers) میں بھی خنزیر کی چربی استعمال کی جاتی ہے ۔ چہرے کے داغ دھبے اور جھریاں ختم کرنے والی چیزوں میں بھی یہ چربی استعمال کی جاتی ہے ۔ [۱]البتہ بعض تجاری کمپنیاں ایسی بھی ہیں جو حرام اور نجس چیزوں سے اپنی پیداوار پاک رکھنے کی دعوے دار ہیں۔[۲] جب کہ دیگر کئی ایک کمپنیاں ایسی ہیں جو خنزیر کی چربی اپنی پیداوار میں استعمال کرنے کا اقرار بھی کرتی ہیں۔[۳]
نجس العین کے استحالہ کے بارے مندرجہ ذیل حکم ہے:

بحر الرائق میں آتا ہے:

انقلاب العين فإن كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة، وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحا يؤكل. والسرقين والعذرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد خلافا لأبي يوسف، وضم إلى محمد أبا حنيفة في المحيط، وكثير من المشايخ اختاروا قول محمد. وفي الخلاصة: وعليه الفتوى. وفي فتح القدير أنه المختار. [٤]

---

(1) Pig fats in your cosmetics and hair products http://annadannfelt.com/ 2010/11/11 (Accessed on : 15-10-2021)

(2) "Juice Beauty Cosmetic Company" www.muslimconsumergroup.com/cosmetic (Accessed on : 15-10-2021)

(3) ایضاً http://www.islamset.com/arabic/abioethics/muharamat.html

(٤). ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، (۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م) دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی. ص:۳۹۴

" وہ امور جن کے ذریعے نجس العین چیزوں کی تطہیر ہوتی ہے ان میں سے ایک انقلاب العین (ناپاک چیز کی ماہیت کو تبدیل کرنا ہے)۔۔ اگرچہ وہ چیز خمر کے علاوہ ہو جیسا کہ وہ خنزیر اور مردار جو نمک کی کان میں گر کے نمک ہو گیا تو اسے کھایا جائے گا۔ جیسا کہ سرجین اور عذاۃ جل کر راکھ ہو جائیں تو امام محمد اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پاک ہو جائیں گے۔

خنزیر کی چربی کا غذا اور کاسمیٹیکس میں استعمال

سؤر نجس العین اور حرام ہے اور اسکی چربی، گوشت، کھال، ہڈی اور دیگر اجزاء کا استعمال حرام ہے۔ اس کے کسی جزو سے استفادہ کرنا ممنوع ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے :

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ [(۱)]

کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بیشک وہ گندگی ہے۔

ابن العربی نے اس پر فقہاء کا اجماع قرار دیا ہے۔ [(۲)]

کاسمیٹکس میں ناپاک اور نجس جانوروں کی چربی یا دیگر اعضاء استعمال کر اضطراری صورت میں نہیں آتا۔ حتی کہ فتوی کونسل آف ملائشیا نے تو ایسے سرکے کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا جو کہ انسانی عمل دخل سے شراب سے بنادیا گیا ہو۔ [(۳)] اگر سرکہ بذات خود بن گیا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے [(۴)]

جیسا کہ فقہ اور میڈیکل سیمینار منعقد ۱۸ اپریل ۲۰۰۹ ء میں بھی خنزیر کی چربی دواؤں میں استعمال کرنے کو انسانی ضرورت کے ساتھ مشروط کیا گیا جب کہ ملائشیا کی حکومت کی طرف خنزیر

---

(۱) القرآن، ۶/ ۱۲۵

(۲) ابن العربی، محمد بن عبد اللہ بو بکر المالکی، (۲۰۰۳م)، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:، ۴، ص: ۱۷۷

(3) " Halal " : www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021)

(4) " Halal " : www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021)

یا دیگر حرام جانوروں کے اجزا کا سمیٹک میں استعمال کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا، کیونکہ شریعہ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے ۔ [١] دور حاضر میں کاسمیٹکس اور دیگر چیزوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ چوں کہ ان میں ممنوع اور حرام جانوروں کے اجزاء استعمال کیے جاتے ہیں اور استحالہ کے طریقے سے یہ پاک نہیں ہوتے [٢]۔ بعض فقہاءنے ایسے ناخن پالش (Nail Polish)، سرخی (Lipstick) اور دیگر چیزوں کو اس لیے ناجائز اور ممنوع قرار دیا کہ ماضی میں ان کا استعمال انسانی صحت کے لیے مضر ثابت ہوئے [٣]۔ اس لیےاور خنزیراور دیگر نجس جانوروں سے حاصل کردہ مواد کا سمیٹیکس میں استعمال کر نانا جائز ہے ۔ جیسے انسولین کا استعمال شوگر کے مریضوں کے لیے مفید ثابت ہوا ہے اور یہ مواد گائے، مگر عموماً سؤر کی چربی سے تیار کیا جاتاہے۔دور حاضر میں کاروباری مقاصد کے لیے مصنوعی انسولین تیار کی جارہی ہے۔ [٤]

مصنوعات میں استعمال ہونے والے نجس اجزاءکے استحالہ کے ضوابط

پہلا ضابطہ

ضروری ہے کہ بیوٹی کریم کے اجزاء ایسے اجزاء میں تبدیل ہو جائیں جو ان اجزاء کی حقیقت کے مخالف ہوں۔ [٥] یہ ضابطہ بعض فقہاءکے اقوال سے لیا گیاہے۔ان کے اقوال درج زیل ہیں:

ابن عابدین کہتے ہیں کہ:

إن الاستحالة هي انقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى [٦]

---

[1] " Pig - food " : www.c-fatawra.gov (Accessed on : 5-12-2021)

[2] www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021)

[3] Sumita Baral . Lipstick health risks and dangerous learned by scientists: June 14, 2019. Available at www.latintimes.com (Accessed on 10-11-2021)

[4] "Insulin " : www.diabetes.co.uk/insulin : (Accessed on 15-10-2021)

[٥] منیر علی و آخرون، ضوابط الاستحالۃ الشرعیۃ فی المنتجات المستہلکۃ(منتجات التجمیل انموذجا): دراستۃ فقہیۃ تحلیلیۃ، ص:٣٧٠

[٦] ابن عابدین، رد المختار علی الرد المختار شرح تنویر الابصار مع حاشیۃ ابن عابدین، الجزء الاول، ص:٥٢٠

استحالہ کسی چیز کی ایک حقیقت کا دوسری حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ابو الفضل بعلی کا خیال ہے کہ:

الاستحالة استفعال من حال الشيء عما كان عليه زال وذلك مثل أن تصير العين النجسة رمادا أو غير ذلك [١]

استحالہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنا حال زائل ہو جانا، جیسے کوئی نجس چیز مل کر راکھ یا کوئی اور چیز بن جائے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کا کلی طور پر دوسرے مادے میں تبدیل ہو جانا جیسے کہ مختلف حرام مادے سے حاصل ہونے والی نجس آئلز اور چربیوں کا صابن میں تبدیل ہو جانا کیونکہ استحالہ خوبصورتی پیدا کرنے والی اشیاء کو طہارت دیتا ہے۔ جس میں نجس مواد کا دوسرے مواد میں تبدیل ہونا شرط ہے جو اسکی اصلی حقیقت سے مختلف ہوں۔

دوسرا ضابطہ

یہ بھی ضروری ہے کہ خوبصورتی پیدا کرنے والی مصنوعات میں استعمال شدہ نجس مواد میں استحالہ کے بعد سابقہ ذائقہ، رنگ اور خوشبو باقی نہ رہے۔ یہ ضابطہ بھی بعض فقہاء کے اقوال سے اخذ کیا گیا ہے۔ جن میں سے بعض اقوال درج ذیل ہیں [٢]:

کاسانی نے کہا ہے کہ:

إن النجاسة لما استحالت، وتبادلت أوصافها ومعانيا خرجت عن كونها نجاسة: لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم باعدام الوصف [٣]

جب نجس چیز کا استحالہ ہو جائے کہ اسکے اوصاف تبدیل ہو جائیں تو وہ چیز نجاست سے پاکز گی کی طرف منتقل ہو جائے گی کیونکہ وہ چیز کچھ خاص وصف رکھتی تھی اب اس وصف کے ختم ہونے سے اس کی نجاست بھی ختم ہو جائے گی۔

---

[١] ابو عبد الشمس الدین محمد بن ابی البعلی الحنبلی، (١٩٨٨م)، المطلع علی ابواب المقنع، المکتب الاسلامی، بیروت، ص:٣٥

[٢] منیر علی و آخرون، ضوابط الاستحالة الشرعیة فی المنتجات المستھلكة (منتجات التجمیل انموذجا) درستة فقھیة تحلیلة، ص:٣٧١

[٣] کاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، (١٩٨٦م)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العملیہ، بیروت، ج:٣، ص:١٧٨

ابن حزم کی رائے ہے کہ:

إن الحرام إذا استحالت صفاته واسمه بطل حكمه الذى علق على ذلک الاسم [۱]

جب حرام چیز کی صفات اور اسکا نام ختم ہو گیا تو اسکا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

شیخ وھبہ (زحیلی) نے کہا ہے کہ:

الاستحالة هى انقلاب العين إلى عين أخرى تغايرها فى صفاتها،تهول المواد النجسة أو المتنجسة إلى مواد طاهرة وتحول المواد المحرمة إلى مواد مباحة شرعا [۲]

استحالہ کسی چیز کا ایک حالت سے دوسرے حالت میں یوں تبدیل ہو جانا ہے کہ اسکی صفات ختم ہو جائیں۔ یہ عمل نجس یا متنجس مواد کو پاک مواد میں تبدیل کر دیتا ہے اور حرام مواد کو حلال میں بدل دیتا ہے۔

اس بنا پر ضابطہ یہ ہو گا کہ خوبصورتی پیدا کرنے والی مصنوعات میں نجس مواد کو ان کی حقیقت کے مکمل طور پر یوں تبدیل ہو جانے کے بعد استعمال کرنا کہ ان مواد کا نہ اصلی ذائقہ برقرار ہو نہ رنگ۔ ان مصنوعات میں استعمال ہونے والے نجس مواد میں ایسا استحالہ ضروری ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے اور انسانی اجسام پر اس کا استعمال جائز ہو جائے۔

تیسرا ضابطہ

اگر تجمیل کی مصنوعات میں نجاست ہو تو پھر اس کے استعمال کے لیے شدید حاجت (اضطرار) کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسے کہ نجس چیز کا زخموں کے علاج کے لیے استعمال یا اس چیز کے ذریعے نقصان سے بچاؤ جیسے بعض پاؤڈرز، آئلز کا چہرے کو سورج کی تمازت سے بچاؤ کے لئے استعمال، یا اس چیز کے ذریعے دوا کی گولیوں کو پگھلانا جبکہ اس حرام چیز کا کوئی حلال متبادل موجود نہ ہو۔ یہ سب کسی مسلمان یا ماہر ڈاکٹر کے تجویز کرنے پر جائز ہو گا۔ یہ ضابطہ بعض فقہاء کی آراء سے اخذ کیا گیا ہے، ان میں سے چند آراء درج ذیل ہیں [۳]:

---

[۱] ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، الاندلسی، (دون سنة)، المحلی بالاثار، دار الفکر، بیروت، ج:۶، ص:۱۱۰

[۲] زحیلی، وھبة بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، سوریا، دمشق، ج:۷، ص:۵۲۶۵

[۳] منیر علی الرب، ضوابط الاستحالة الشرعیة فی المنتجات المنتھلکة (منتجات التجمیل انموذجا): دراسة فقھیة تحلیلیة، ص:۳۷۴

حنفی مذہب کی رائے:

شراب اور پیشاب جیسی حرام چیز سے علاج کرنا اس وقت جائز ہے جب کسی مسلمان معالج مریض کو بتایا ہو کہ اس میں شفا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ معالج کو اس حرام چیز کے علاوہ کوئی حلال چیز نہ ملی ہو جو اس حرام چیز کی جگہ لے سکے۔ یہاں صرف ضرورت کی وجہ سے اس چیز کی حرمت مرتفع ہو جائے گی۔ [۱]

مالکی مذہب اس طرف گیا ہے کہ:

نجس کے ساتھ جسم کے ظاہر میں علاج کرنا جائز ہے۔ جبکہ متنجس کے ساتھ علاج کرنا بطریق اولی جائز ہو گا۔ [۲]

امام نووی کہتے ہیں:

وإنما يجوز التداعي بانجاسة إذا لم يجد طاهرا يقوم مقامها، فان وجده، حرمت النجاسات بلا خلاف،وأن يكون المتداوى عارفا بالطب،ويعرف إنه لا يقوم غير هذا مقامه أو أخيره بذلک طبيب مسلم عدل [۳]

نجس چیز سے اس وقت علاج معالجہ جائز ہو گا،جب کوئی طاہر چیز اس کے قائم مقام نہ ہو،اگر ایسی کوئی طاہر چیز دستیاب ہو جائے تو نجس چیز کسی اختلاف کے بغیر حرام ہو جائے گی اور یہ بھی ضروری ہے کہ معالج ماہر طبیب ہو اور یہ معلوم ہو کہ کوئی حلال چیز اس حرام چیز کے قائم مقام نہیں ہے۔ مریض کو کسی عادل اور مسلمان طبیب نے یہ خبر دی ہو۔

شراب کے ذریعے علاج میں اختلاف ہے۔ یہ علاج مسلمان طبیب کی خبر کے ساتھ مشروط ہے یا مریض کے علم کے ساتھ مشروط ہے۔ نیز اس بات کے ساتھ بھی مشروط ہے کہ حرام چیز کا کوئی متبادل دستیاب نہ ہو۔ یہ دونوں شرطیں تمام نجس اشیاء کو استعمال کرنے میں معتبر ہوں گی۔ انہوں نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

کتے یا خنزیر کے اجزاء کا کسی کپڑے یا جسم پر استعمال درست نہیں اور اگر نجاست خفیفہ ہو تو جسم یا کپڑے کے علاوہ اسکا استعمال جائز ہو گا۔ [۱]

---

(۱) الزیلعی، فخر الدین عثمان علی، احمد الدشلبی شھاب الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشلبی،المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق قاھرۃ، ج:۷، ص:۴۷

(۲) المغربی، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، (۱۹۹۲م)، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دار الفکر، بیروت، ج:۱، ص:۱۷۷

(۳) النووی، محی الدین شرج ابوزکریا، (دون سنۃ)، کتاب المجموع شرح المذھب، دار الفکر، بیروت، ۹، ص:۵۰

بعض فقہاء نجس اجزاء کے ذریعے شراب کو استثناء دیتے ہوئے شراب سے علاج کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر نجس اجزاء کے ذریعے علاج کچھ شروط کے ساتھ مشروط ہے۔ ان میں سے کچھ شروط متفق علیہ جبکہ کچھ مختلف فیہ ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں:

- نجاست خفیفہ ہو۔
- اس کا حلال متبادل دستیاب نہ ہو۔
- وہ کھانے اور پینے کے لیے نہ ہو۔
- وہ چیز کسی ماہر اور مسلمان طبیب نے تجویز کی ہو۔

نجس چیز کے ذریعے علاج کے لیے ان تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس بناء پر اگر ایسی بیوٹی مصنوعات کے استعمال کی ضرورت پڑ جائے جس میں حرام اجزاء استعمال ہوتے ہیں اور ان نجس اجزاء کا استحالہ ناقص ہے تو اس کے ذریعے علاج جائز ہے۔ اگر اس میں مذکورہ بالا شرائط پائی جاتی ہیں۔

چوتھا ضابطہ

اگر نجاست کا مکمل استحالہ نہ ہو سکے تو یہ یقینی شرط ہے کہ ضرورت کے وقت اسکے استعمال سے فائدہ ہو گا جیسے کہ سر کی جلد کے علاج کے لیے سر پر رنگ لگانا، یا سر کا علاج کرنے کے لیے کریمیں لگانا، نجاست کے فائدہ ہونے کا علم مسلمان اور عادل طبیب کے ذریعے ہو گا اور اگر طبیب یہ خیال کرے کہ نجاست کے استعمال سے کچھ فائدہ حاصل نہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہو گا۔ اس لیے کہ نجس اور حرام اشیاء کے ذریعے علاج کی اصل حرمت ہے۔ [۲] یہ ضابطہ فقہاء کے درج آراء سے اخذ کیا گیا ہے:

فخر الدین زیلعی کی رائے ہے:

حرام چیز کے ذریعے علاج جائز ہے بشرط کہ کوئی مسلمان طبیب اسکو یہ خبر دے کہ اس حرام چیز میں شفا ہے۔ [۳]

امام نووی کی رائے ہے کہ:

ایسی دوا کا پینا جائز ہے جس میں تھوڑی مقدار میں زہر ہو مگر اس کے استعمال سے سلامتی کا غالب گمان ہو۔ [۱]

---

[۱] النووی، محی الدین بن شرف ابوزکریا، (۲۰۰۳م)، روضۃ الطالبین، دار عالم الکتب، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ص:۳۷۷

[۲] النووی، محی الدین بن شرف ابع زکریا، (۲۰۰۳م)، روضۃ الطالبین، دار عالم الکتب، المملکۃ العربیۃ الدعودیۃ. ص:۳۷۷

[۳] الزیلعی، فخر الدین عثمان بن علی، (۱۳۱۳) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، قاہرہ، ج:6، ص:33

اسی لیے خوبصورتی کی ادویات میں استحالہ کے بعد یہ ضابطہ نہیں پایا جاتا تو ان دواؤں کا استعمال حرام ہے۔

پانچواں ضابطہ

مصنوعات اپنے نجس مواد کے استحالہ کے بعد نقصان دے نہ ہوں اس لیے کہ نقصان دے اشیاء میں اصل انکا حرام ہونا ہے جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[٢]

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلیے کہ جان بچانا مقاصد شریعت میں سے ہے۔ پس انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو نقصان دہ اشیاء سے بچائے۔ بعض اطباء نے کہا ہے کہ تجمیل سے متعلقہ بعض مصنوعات صحت کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں۔ جیسے کہ بال رنگنے والے اجزاء کیونکہ وہ جسم میں سخت قسم کی حساسیت پیدا کرتا ہے۔ جبکہ بعض کریمیں جلد پر نشانات ڈالتی ہیں۔ جبکہ بعض کریمیں ایسے مواد سے بنائی جاتی ہیں جو جلد کے کینسر کا باعث بنتی ہیں۔

خنزیر کے بالوں سے بنے برش کا حکم

آج کے جدید دور میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ خنزیر یا دوسرے نجس جانوروں سے بنے برش کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، فقہاء کے دو اقوال پائے جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

امام جصاص حنفی لکھتے ہیں: فقہاء نے خنزیر کے بالوں سے نفع حاصل کرنے سے اختلاف کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد خنزیر کے بالوں سے نفع حاصل کرنا جائز سمجھتے ہیں جبکہ امام ابویوسف مکروہ ارو دوسری رویت میں مباح سمجھتے ہیں۔ جبکہ شوافع بالوں سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ [٣]

فقہاء کے خنزیر کے بالوں کے پاک ہونے پر دلائل

---

[١] محی الدین بن شرف ابوزکریا النووی، المجموع شرح المہذب، دار الفکر، بیروت، ج:٩، ص:٣٧

[٢] القرآن، ٢/ ١٩٥

[٣] الجصاص، احمد بن علی الحنفی، (دون سنۃ)، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت. ج:١، ص:١٥١

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (١)

کہہ دو کہ میں اس وحی میں جو مجھے پہنچی ہے کسی چیز کو کھانے والے پر حرام نہیں پاتا جو اسے کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے یا وہ ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، پھر جو بھوک سے بے اختیار ہو جائے ایسی حالت میں کہ نہ بغاوت کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے بارے میں امام جصاص فرماتے ہیں کہ:

یہ نص وارد ہوئی ہے خنزیر کے گوشت کے بارے میں نہ کے خنزیر کے بالوں کے بارے میں، کیونکہ ان کے اندر زندگی نہیں پائی جاتی، اس لیے ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ (٢)

اسی طرح امام احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ: جمہور علماء کے مطابق بال نجس العین نہیں کیونکہ یہاں صرف حرمت کا ذکر ہے۔ نہ کہ نجاست کا۔ نجاست اور حرمت میں بہت فرق ہے کیونکہ بعض اشیاء حرمت کے باوجود پاک ہوتی ہیں۔ جیسے کہ مٹی کھانا حرام ہے حالانکہ پاک ہے۔ (٣)

فقہاء کے نزدیک خنزیر کے بالوں کا نجس نہ ہونا

ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

وغير محمد لا ينجسه إفاده في البحر وذكر في الدر، إنه عند محمد طاهر لقرودة استعماله.(٤)

امام شامی کی اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد کے نزدیک خنزیر کے بال پلید نہیں۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

---

(١) القرآن، ٦/١٤٥

(٢) الجصاص، احمد بن علی الحنفی، (دون سنۃ)، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت. ج:١، ص:١٥٠

(٣) نعیمی، احمد یار خان، (١٩٧٤ء)، العطایا الاحمدیہ (فتاوی نعیمیہ)، نعیمی کتب خانہ اردو بازار، لاہور۔ ج:١، ص:٣٢

(٤) ابن عابدین، محمد امین، رد المختار علی الدر المختار، (١٩٩٢ء)،، دار الفکر، بیروت. ج:١، ص:٢٠٦

إن رجلا سئل البنی ﷺ عن الخزارة بشعره فقال: لابأس بذالک رواه ابن کویزر [1]

ایک آدمی نے آقائے کائنات ﷺ نے پوچھا کہ: خنزیر کے بالوں سے جراب وغیرہ بنانی جائز ہے یا نہیں؟تو آپ ﷺ نے فرمایا: مضائقہ نہیں، اس کے راوی ابن خویرزی ہیں۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ خنزیر کے بال شرعا پاک اور قابل استعمال ہیں، یہی وجہ ہے کہ بحر الرائق میں آتا ہے:

ورخص فی شعره للحرازین للضرورة [2]

اور اجازت دی گئی ہے، خنزیر کے بالوں سے جراب و دستانہ بنانے کی بوجہ ضرورت کے۔

پس ثابت ہوا کہ حنفی مسلک کے امام ثالث امام محمد کے نزدیک بوجہ ضرورت سور کے بالوں کو مطلق پاک مانا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بال پانی وغیرہ میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہ ہو گا، جیسا کہ اوپر کبیری کی روایت سے بیان ہوا۔ حیات الحیوان کی محو روایت سے بھی ثابت ہوا کہ خزارات کے لیے خنزیر کے بال استعمال کرنا جائز، لفظ خزارت کا لغوی معنی ہے، حرفت اور لفظ حرفت عام پیشے کو کہتے ہیں۔

امام احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ:

اور یہ اس معنی کے اعتبار سے عام ہے اس وقت کہ اس سے جراب و دستانے بنائیں جائیں، یا اس خنزیر کے بال سے برش بنائے جائیں، جب کہ کتب فقہاء اور حدیث پاک سے موزہ و دستانہ بنانا جائز ہوا تو قیاسا خنزیر کے بال سے برش بنانا اور استعمال کرنا بھی جائز ہے [3]

احناف میں امام ابو یوسفؒ نے سور کے بالوں کو ناجائز کہا۔ اس پر مفتی احمد یار خان نعیمیؒ فرماتے ہیں:
امام یوسفؒ اگرچہ حنفیوں کے امام ہیں مگر اس میں ان کی بات پر فتوی نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اشیاء کی پاکی پلیدی میں امام یوسف میں امام اعظم کا قول معتبر ہے۔ اور معاشرے اور میراث میں امام محمد کے مسلک پر فتویٰ ہے اور فیصلوں اور قضاء کی صورتوں میں امام یوسف صاحب کے قول پر فتویٰ خنزیر کے بالوں کی طہارت اور نجاست میں امام اعظم کا قول معتبر ہو گا مگر امام صاحب کی طرف سے ظاہرا خاموشی ہے۔ مگر باطنا امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، کیونکہ

---

[1] کمال الدین شافعی، محمد بن موسی، (دون سنۃ)، حیات الحیوان الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت. ج:۱، ص: ۴۲۶

[2] ابن نجم الحنفی، البحر الرائق کنز الرقائق، (۱۹۹۷ء)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان. ج:۱، ص: ۱۹۱

[3] ایضاً ص: ۳۴

آپ کے نزدیک صرف خنزیر کی کھال و گوشت و چربی وغیرہ حرام و پاک ہیں۔ پس امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہو گا۔[1]

یہی بات فتویٰ شامی میں ہے کہ:

قد جعل العلماء الفتوى على قول الإمام الأعظم في العبادات مطلقا (الخ) جميع مسائل روى الأرحام وفي قضاء الإشباء والنطائر، الفتوى على قول أبي يوسف فيما يتعلق بالقضاء[2]

علماء اسلام مطلقاعبادات میں امام اعظمؒ کے قول پر اشباہ و النظائر اور مسائل زوی الارحام میں امام محمد اور مسائل قضاء میں امام یوسف کے قول پر فتوی جاری کرتے ہیں، یہ مسئلہ چونکہ قضاء سے متعلق نہیں ہے۔اس لیے امام یوسف کے قول پر فتوی نہ ہو گا۔ پس ثابت ہوا خنزیر کے بال مفتابہ قول میں ناپاک نہیں۔

چنانچہ فقہاء کے اقوال کی روشنی میں ایسے برش جو خنزیر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں ان کا استعمال Cosmetic میں جائز ہے لیکن ان کو استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نتائج وسفارشات

جدید کاسمیٹکس کی اشیاء میں کے اندر نجس اشیاء کا استعمال بہت زیادہ ہے جیسے کہ خنزیر کے اجزاء سے ماخوذ Gelatin کا استعمال میں مختلف کریموں میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح نجس جانور کی چربی (جیسے کہ خنزیر کی چربی) یہ بھی کریموں میں استعمال ہوتی ہے۔اسی طرح خنزیر کے بالوں سے میک اپ کے برش وغیرہ بنائے جائے ہیں۔ان میں بعض مواد کا مکمل استحالہ کیا جانا اور بعض کا نہیں ہوتا۔ اس نجس مواد پر استحالہ کا بہت اثر ہے، جس کی وجہ سے وہ مواد پاک ہو جاتا ہے اوراس سے نفع حاصل جائز ہے اور یہ جواز شرعی قواعد کے پیش نظر ہے کیونکہ cosmetics کا سامان جو نجس مواد سے بنایا گیا تھا وہ کامل استحالہ کے بعد ایک نئی شکل میں بدل گیا اوراس میں حرام اشیاء کا اثر (رنگ، ذائقہ، بو) باقی نہ رہا۔ جس کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے اور نفع حاصل کرنا جائز ہے۔اگر نجس مواد کا کامل استحالہ نہ کیا جائے تو پھر اس کا استعمال شدید ضرورت اور حاجت کے ساتھ مشروط ہو گا اور یہ یقین ہو کہ اس سے نفع ہو گا تو اس صورت میں یہ جائز ہے۔اگر شدید ضرورت اور حاجت نہ ہو اور نجس اشیاء کا استحالہ کامل نہ ہو تو اس صورت میں ان اشیاء کا استعمال جائز نہیں، اس کے علاوہ اگر اس میں کامل کے بعد ضرر نہ ہو، تب جائز ہو گا۔

---

[1] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، (۱۹۹۲م)، دار لفکر، بیروت، ج:۱، ص:۷۱

[2] ایضاً

۱. استحالہ کے احکام میں مصلحت عامہ کی رعایت کو یقینی بنایا جائے کیونکہ شریعت مطہرہ میں مصلحت عامہ کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ فوڈ ٹیکنالوجی میں غیر معمولی ترقی کے ثمرات شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عامۃ الناس تک پہنچائے جائیں۔

۲. استحالہ کے متعلق ہر سطح پر آگاہی پھیلائی جائے تاکہ استحالہ کے متعلق پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے۔

متخصصینِ شریعہ کے لیے استحالہ کے احکام میں اجتہاد کرتے ہوئے شدید احتیاط کے پہلو کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے تاکہ حلال وحرام کے درمیان فرق واضح ہو سکے اور شبہات سے احتراز برتیں۔

☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

۱. القرآن الکریم.

۲. .ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، (۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م) دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان.

۳. ابراہیم مصطفی، احمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، (دون سنۃ) المعجم الوسیط، دار الدعوۃ.

۴. ابن العربی، محمد بن عبد اللہ ابو بکر، (۲۰۰۳م)، احکام القرآن، دار اکتب العملیہ، بیروت.

۵. ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید الاندلسی، (دون سنۃ)، المحلی بالاثار، دار الفکر، بیروت.

۶. ابن عابدین، محمد امین، (۱۹۹۲م) رد المختار علی الرد المختار شرح تنویر الابصار مع حاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت.

۷. ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی، (دون سنۃ) لسان العرب، دار صادر، بیروت.

۸. ابو عبد الشمس الدین محمد بن ابی البعلی الحنبلی، (۱۹۸۸م)، المطلع علی ابواب المقنع، المکتب الاسلامی، بیروت، التحقیق: زہیر الشاویش.

۹. ابو منصور، محمد بن احمد بن الازہری الھروی، (۲۰۰۱م)، تھذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

۱۰. الجصاص، احمد بن علی الحنفی، (دون سنۃ)، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

۱۱. الدمیاطی، ابو بکر ابن السید، محمد شطا (دون سنۃ) اعانۃ اللطالبین، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت

۱۲. الرازی، زین الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الحنفی، (۱۹۹۹م)، مختار الصحاح، المکتبۃ العصریۃ، دار النموذجیۃ، بیروت، صیدا.

۱۳. زحیلی، وھبۃ بن مصطفی، (دون سنۃ)، الفقہ الاسلامی وادلۃ، دار الفکر، سوریا، دمشق.

۱۴. الزیلعی، فخر الدین عثمان علی، احمد الدشلبی شہاب الدین، (۱۳۱۳ھ)، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشلبی، المطبعۃ الکبری الأمیریہ، بولاق، مصر.

۱۵. الشیرازی، ابراہیم بن علی بن یوسف، ابو اسحاق، (دون سنۃ) المھذب، دار الفکر، بیروت .

۱۶. علی محمد بن علی مھدی عثمان، الاستحالۃ واثرھا فی نطہیر النجاسۃ (دراستۃ فقہیۃ وتطبیقھا معاصرۃ، مجلۃ کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ والعربیۃ للبنین بالقاھرۃ.

۱۷. کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، (۱۹۸۶م)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

۱۸. کمال الدین شافعی، محمد بن موسی، (دون سنۃ)، حیات الحیوان الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

۱۹. محمد بن قدامۃ، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن، (۲۰۰۴م)، المغنی شرح مختصر الخرقی، دار الحدیث قاہرۃ.

۲۰. المغربی، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، (۱۹۹۲م)، مواھب الجلیل لشرح مختصر خلیل، دارالفکر، بیروت.

۲۱. منیر علی عبدالفتاواخرون، (دون سنۃ)، مجلۃ کلیۃ الطیبۃ الاسلامیۃ مالزیا المرد، ضوابط الاستحالۃ الشرعیۃ فی النجات المستھلکۃ (منتجات التجمیلا نموذجا): دراسۃ فقہیۃ تحلیلیۃ.

۲۲. نعیمی، احمد یار خان، (۱۹۷۴ء)، العطایا الاحمدیہ (فتاوی نعیمیہ)، نعیمی کتب خانہ اردو بازار، لاہور.

۲۳. النووی، محي الدین شرف زکریا (۱۹۹۷م) المجموع، دارالفکر، بیروت.

۲۴. النووی، محی الدین بن شرف ابوزکریا، (۲۰۰۳م)، روضۃ الطالبین، دار عالم الکتب، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ.

۲۵. النووی، محی الدین شرف ابوزکریا، (دون سنۃ)، کتاب المجموع شرح المذھب، مکتبۃ الارشاد، جدہ.

26. Pig fats in your cosmetics and hair products http://annadannfelt.com/ 2010/11/11 .

27. (Accessed on : 15-10-2021) .

28. "Juice Beauty Cosmetic Company" www.muslimconsumergroup.com/cosmetic

29. (Accessed on : 15-10-2021).

30. ایضاً http://www.islamset.com/arabic/abioethics/muharamat.html.

31. " Halal " : www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021).

32. " Halal " : www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021).

33. " Pig - food " : www.c-fatawra.gov (Accessed on : 5-12-2021).

34. www.hdcglobal.com/upload (Accessed on : 15-10-2021).

35. Sumita Baral . Lipstick health risks and dangerous learned by scientists: June 14, 2019. Available at www.latintimes.com (Accessed on 10-11-2021) .

36. "Insulin " : www.diabetes.co.uk/insulin : (Accessed on 15-10-2021).

وبائی اَمراض (Infectious diseases) میں اسلام کے احکام

☆شاہد رضا
☆☆ سلمیٰ شاہد

Abstract

Infectious diseases have remained a big challenge to humanity, particularly for its development and survival. In the age of globalization, because of transnational travelling infectious diseases have more chances to spread all over the world as compare to the past human history. Consequently, contagious disease has more scope to convert into pandemics. In this perspective because Islam is a complete code of life, therefore, it also provides hygienic guidelines regarding preventive measures of Infectious diseases particularly in case of epidemics and pandemic situation. Guideline for personal hygiene and hygienic practices introduced by the Prophet Hazrat Muhammad (ﷺ) more than 1400 years ago. According to Hadith cleanliness is a part of faith. Islam also introduces precautionary measures in case of Pandemics situation. In conditions where the health or life is threatened, Islam gives various concessions related to worship. The nature of study is qualitative and explores what is teaching of Islam for Infectious diseases and identify the preventive measures in the light of Quran and Sunnah. This study also gives some suggestions through which nations can meet the challenge of pandemic successfully.

Key Words: Infectious Diseases, Pandemic, Islamic preventive measures

وبائی امراض(Infectious Disease)کی تاریخ

اسلام ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطہ حیات پر مشتمل مذہب ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہر طرح کی رہنمائی کرتا ہے، اچھائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے۔ ایسے ہی اسلام مختلف امراض چاہے اس میں روزمرہ کی

☆ Librarian, Cosis, Minhaj University, Lahore
☆☆ Chairperson،Behavioral Science , Faculty of Humanities Minhaj University, Lahore

امراض ہوں یا وبائی امراض، ان کی نہ صرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ احتیاطی تدابیر بھی دیتا ہے۔ علاج کرانا اور دوا پینا انسان کے توکل میں کچھ کمی نہیں کرتا. بلکہ علاج کے حوالے سے احادیث کی کتب میں باقاعدہ طب(Medical) پر ابواب بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر شفا اور بیماریوں کے علاج کا ذکر بھی موجود ہے۔ لیکن ان امراض میں کچھ ایسی امراض بھی موجود ہیں۔ جو چھونے سے یا ہوا کے ذریعے دوسرے افراد میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ جیسے تپ دق(TB)، طاعون اور کرونا جیسی امراض کا تعلق ہے۔ جن میں ایک انسان کا دوسرے انسان سے چھونے اور اس کے منہ کے سامنے آنے سے پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور ان امراض میں بعض اوقات یہ بھی صورت حال ہو جاتی ہے کہ جن کے علاج کے لئے ابھی تک دوائیاں میسر نہیں ہوتی ہیں۔ ان کا علاج بعد میں تیار کیا جاتا ہے۔ جیسے کرونا اور ڈینگی ہیں۔ زیادہ علاقے کو متاثر کرنے والی بیماریوں کو وبائی امراض(Epidemics and Pandemics) کہا جاتا ہے۔ اگر تو یہ وبائی مرض پوری دُنیا میں پھیل جائے تو اس کو(Pandemic) کہتے ہیں۔ اگر یہ وبائی مرض ایک مخصوص علاقہ یا ملک تک محدود رہے تو اس کو(Epidemic) کہتے ہیں۔

عالمی وباؤں سے متعلق انسانی تاریخ میں یونان کے تاریخی شہر ایتھنز میں ۴۳۰۔۴۲۰ ق۔م میں آنے والی وبائی مرض کو قدیم ترین ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ دوسری بڑی عالمی وباء طاعون کی شکل میں رومی سلطنت میں ۱۶۵ء سے ۱۸۰ء کے دوران سامنے آئی، اسے انتونین کی وبا(Plague Antonine) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں یورپی خانہ بدوشوں پر چیچک(Smallpox) کی بیماری نے حملہ کیا جس سے جرمنی، روم اور یونان متاثر ہوئے۔ اس مرض میں تقریباً پچاس لاکھ لوگ مارے گئے۔ پھر ۲۵۰ء سے ۲۷۱ء کے دوران ایتھوپیا میں ایک بڑے طاعون کی شکل میں وبا پھیلی۔ اسی طرح یہ وبا شمالی افریقہ، روم اور مصر سے ہوتی ہوئی دیگر ممالک میں پھیلی۔ جس سے روزانہ تقریباً پانچ ہزار لوگ لقمہ اجل بنتے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی میں امریکہ کو طاعون کا سامنا کرنا پڑا جس سے تقریباً نوے فیصد آبادی اس سے متاثر ہوئی۔[1]

۱۶۴۱ء میں چین میں طاعون کا حملہ ہوا۔ اور اسی طرح ۱۶۶۵ء سے ۱۶۶۶ء کے دوران لندن کے لوگوں کو طاعون کی وبا لاحق ہوئی، اس سے ۱۵ فیصد آبادی ختم ہو گئی۔[2] ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۰ء کے دوران روس میں نزلے کی وبا پھیلی۔ انفلوئنزا نامی نزلے کی بیماری بطور ایک وبا کے پہلی مرتبہ سائبیریا اور قازقستان میں پیدا ہوئی۔ جو مسکو، گرین لینڈ

---

[1] .J.N.Hays,the Burdens of Diseas, (2009) ,Rutgers,University Press,Page:9-104, 3

[2] قادری، اخلاق احمد، (۲۰۰۸) تاریخ آفاتِ عالم، دعا پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ص ۵۴، ۲۵

اور پولینڈ سے ہوتی ہوئی پورے یورپ میں پھیل گئی۔ صرف ایک سال میں تقریباً دس لاکھ لوگ اس سے جاں بحق ہوئے۔

عہد نبوی ﷺ میں ہی ۴ ہجری کے دوران مدائن میں طاعون کی وبا پھیلی جس کے باعث بادشاہ شیرویہ کا انتقال ہوا تو اسی نسبت سے یہ مرض "طاعون شیرویہ" کو نام سے معروف ہے۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے مختلف احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ عہد فاروقی میں ایک بڑا طاعون پھیلا جس کو "طاعون عمواس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ براعظم ایشاء میں پہلا وبائی مرض "کالا طاعون" کے نام سے سامنے آیا جس کا دورانیہ ۱۳۴۶ء سے ۱۳۵۳ء تھا۔ ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۰ء کے دوران روس میں نزلے کی وبا پھیلی۔ جس سے صرف ایک سال میں تقریباً دس لاکھ افراد جاں بحق ہوئے۔ اس کو (Asiatic Flu یا Russian Flu) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

دُنیا میں اس سے پہلے کئی قسم کے کرونا وائرس آ چکے ہیں۔ جن کی سائنس دانوں نے سات نمایاں قسمیں دریافت کی ہیں۔ ان میں سے چار قسم کے کرونا مہلک نہیں ہیں، جبکہ تین خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک وائرس سارس (SARS-COV Severe acute respiratory syndrome) ہے۔ جو ۲۰۰۲-۲۰۰۴ کے دوران آیا جس سے دُنیا میں سنسنی پھیلی اور اس سے پونے آٹھ سو لوگ ہلاک ہوئے۔ اسی طرح ۲۰۱۲ء میں ایک کرونا وائرس آیا، اسے (MERS-COV Middle East respiratory syndrome) کہتے ہیں۔ اس وائرس سے چار سو کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ تین سال کے بعد اس وائرس کا جنوبی کوریا میں دوبارہ حملہ ہوا جس سے چھتیس افراد ہلاک ہوئے۔ ۲۰۱۸ء میں اس وائرس کا عرب ممالک میں حملہ دیکھا گیا۔ جس سے اکتالیس افراد ہلاک ہوئے۔ حالیہ کرونا کا حملہ دراصل کرونا وائرس کی نئی شکل ہے جسے Severe acute Respiratory syndrome SARS-COV-2 یا COVID-19 کا نام دیا گیا ہے۔ چین سے پھیلنے والی وبا کرونا وائرس (Corona virus) سے اب تک پوری دُنیا میں تقریباً تیس لاکھ سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَساراً﴾[۳]

"اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرمارہے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے تو صرف نقصان ہی میں اضافہ کر رہا ہے"

حدیث مبارکہ میں ہے۔

---

[۳] بنی اسرائیل، ۱۷:۸۲

عَنْ ابْنِ عَبَّاس، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ضَرَرَ وَلَا ضِرَار.[۴]

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ نقصان اٹھاؤ، نہ نقصان پہنچاؤ"

علاج کروانے کی ترغیب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

حضرت اسامہ عرض کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو علاج کے بارے میں سنا:

عَنْ أُسامة بْنِ شَرِيكٍ قَالَ قَالَتِ الْأَعْرَابُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَتَدَاوَى؟ قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ قَالَ دَوَاءً إِلَّا دَاءً وَاحِدًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا هو قَالَ الهرمُ.[۵]

"حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دیہاتیوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم علاج معالجہ نہ کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایاہاں اللہ کے بندو دوا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا تمام بیماریوں کے لیے شفاء یا دوا رکھی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ کون سی بیماری ہے؟ فرمایا بڑھاپا۔"

ایک اور حدیث میں ہے حضرت اسامہ عرض کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوها وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا منها فَقُلْتُ أَنْتَ سمعته يُحَدِّثُ سَعْدًا وَلَا يُنْكِرُهُ قَالَ نَعَمْ.[۶]

"حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون کی بیماری ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب اس جگہ طاعون کی بیماری پھوٹ نکلے جہاں تم رہتے ہو تو وہاں سے باہر نہ نکلو میں (حبیب بن ابو ثابت رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ کیا آپ

---

[۴] ابن ماجہ، محمد بن یزید، (۱۹۹۸) سنن، دار إحیاء الکتب العربیۃ، بیروت، حدیث: ۲۳۴۱

[۵] ترمذی، محمد بن عیسی (۲۰۰۶)، جامع، دار السلام، سعودی عرب، حدیث: ۲۰۳۸

[۶] بخاری، امام محمد بن اسماعیل (۲۰۰۷)، الصحیح، دار السلام، سعودی عرب، حدیث: ۵۳۹۶

(ابراہیم بن سعد) نے سنا کہ وہ (حضرت غاسامہ رضی اللہ عنہ) حضرت سعد سے روایت کرتے ہوں اور انہوں نے انکار نہ کیاہو؟انہوں نے کہاہاں۔"

طاعون (Plague) کے علاقے کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا مزید فرمان۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ طاعون کے مرض میں احتیاط پر فرمان رسول بیان کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ شهاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ عُمَرَ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ فَلَمَّا كَانَ بِسَرْغَ بلغه أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّأْمِ فأخبره عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ به بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عليه وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بها فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا منه.(۷)

"حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام کی طرف نکلے اور سرغ کے مقام پر پہنچے تو انہیں خبر پہنچی کہ شام میں وبا پھوٹ نکلی ہے پس حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی زمین میں اس کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب اس جگہ واقعہ ہو جائے جہاں تم رہتے ہو تو بیماری سے ڈرتے ہوئے وہاں سے نہ بھاگو۔"

طاعون (Plague) سے انتقال فرمانے والا شہید ہے:

طاعون ایسی مرض ہے جس میں فوت ہونے والے کو اسلام نے شہید کا درجہ دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْمَبْطُونُ شهيدٌ وَالْمَطْعُونُ شهيدٌ. (۸)

"دستوں سے مرنے والا شہید اور طاعون کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

حَدَّثَتْنِي حفصةُ بِنْتُ سِيرِينَ قَالَتْ قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَحْيَى بِمَ مَاتَ قُلْتُ مِنَ الطَّاعُونِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الطَّاعُونُ شهادة لِكُلِّ مُسْلِمٍ.(۹)

---

۷ بخاری، الصحیح، حدیث:۵۳۷۹

۸ ایضاً، حدیث:۵۴۰۱

"حضرت حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ (تمہارے بھائی) یحیٰی کی وفات کس بیماری سے ہوئی؟ میں نے کہا کہ طاعون سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔"

برصغیر میں طاعون کی وباء:

اس کی ابتدا جون ۱۸۹۴ء میں ہانگ کانگ سے ہوئی، دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا۔ برصغیر میں اس وبا کی ابتدا بمبئ سے ہوئی اور یہ پونا سے ہوتی ہوئی کلکتہ اور پھر کراچی میں پھیل گئی۔ ۱۸۹۶ء میں کلکتہ سے روانہ ہونے والا ایک بحری جہاز کراچی بندر گاہ پر لنگر انداز ہوا کسی کے علم میں نہیں تھا کہ اس جہاز پر چوہے بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جن میں طاعون کے پسو موجود ہیں۔ یہ چوہے کراچی کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ اگلے سال ان چوہوں کی وجہ سے پورا کراچی طاعون کی لپیٹ میں آگیا۔ برطانوی ڈاکٹروں اور راویتی مسلمان اور ہندو طب سے وابستہ افراد اس وباء پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے مگر وبا پھیلتی ہی گئی۔ متاثرہ افراد کو آبادی سے دور خیموں میں رکھا گیا اور ان کا علاج جاری رہا اس کے باوجود ہزاروں افراد طاعون میں مبتلا ہونے کے بعد دم توڑتے گئے۔ اس دوران پورے ہندوستان میں اس مرض سے دس ملین افراد ہلاک ہوئے۔

لاہور میں طاعون:

لاہور میں بھی ۱۹۲۴ء میں طاعون کی وبا پھیلی تھی. جس کے نتیجے میں کئی سو افراد ہلاک ہوئے تھے۔ جن میں زیادہ تر علاقے، گوالمنڈی، چونا منڈی، انار کلی، دھوبی منڈی، کمیٹی بازار، لوہاری منڈی، کوچہ چڑی ماراں، لنڈا بازار اور ان کے آس پاس کے محلہ جات شامل ہیں۔ جس کے باعث شہر سے باہر منٹو پارک اور ڈین پارک میں خیمے لگائے گئے۔ میڈیکل آفیسر بھی یہاں پر موجود رہے۔([۱۰])

کرونا وائرس (Corona virus)

رونا وائرس (Coronavirus) ایک وائرس گروپ ہے۔ جس کے جینوم کی مقدار تقریباً ۲۶ سے ۳۲ زوج قواعد تک ہوتی ہے۔ یہ وائرس ممالیہ جانوروں اور پرندوں میں مختلف معمولی اور غیر معمولی بیماریوں کا سبب بنتا ہے، مثلاً: گائے اور خنزیر کے لیے اسہال کا باعث ہے، اسی طرح انسانوں میں سانس پھولنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ عموماً اس کے اثرات

---

[۹] بخاری، الصحیح، حدیث: ۵۴۰۰

[۱۰] ظفر، مولانا ظفر علی خان، (۱۹۹۴)، روزنامہ زمیندار، لاہور، ۲۲ اپریل ۱۹۲۴ء

معمولی ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات کسی غیر معمولی صورت حال میں مہلک بھی ہو جاتے ہیں۔کرونا وائرس، جسے کووڈ (COVID-19) کا نام دیا گیا ہے،اس سے مراد ۲۰۱۹ میں کروناوائرس انفیکشن سے پیدا ہونے والا نمونیا ہے۔

وجہ تسمیہ:

کرونا coronaلاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تاج یا ہالہ کے ہوتے ہیں۔ چونکہ اس وائرس کی ظاہری شکل سورج کے ہالے یعنی کرونا کے مشابہ ہوتی ہے،اسی وجہ سے اس کا نام "کروناوائرس" رکھا گیا ہے۔

کروناوائرس کی علامات(Signs):

کروناوائرس کی عام علامات میں نظام تنفس کے مسائل (کھانسی، سانس پھولنا، سانس لینے میں دشواری)، نظام انہضام کے مسائل (الٹی، اسہال وغیرہ) اور کل بدنی علامات (جسے تھکاوٹ) شامل ہیں۔ شدید انفیکشن نمونیہ، سانس نہ آئے۔ یہاں تک کہ موت کا سبب بنے۔

تاریخ

عالمی ادارہ صحت کے ذریعہ نامزد کردہ Cov-2019 این-نامی کروناوائرس کی ایک نئی وبا ۳۱دسمبر ۲۰۱۹ء سے چین (ووہان) میں عام ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ وبائی مرض (Infectious disease) کی شکل میں پھیلی گئی ہے۔ یہ وائرس اس لیے خطرناک ہے کہ یہ انسان سے انسان کے درمیان میں پھیلنے کی صلاحیت رکھتاہے۔۲۵ جنوری ۲۰۲۰ء کو چین کے ۱۳ شہروں میں ایمرجنسی لگادی گئی ہے جبکہ وائرس کی شناخت یورپ سمیت کئی دوسرے ممالک میں بھی پھیل چکی ہے۔

اس کے اثرات پاکستان میں فروری ۲۰۲۰ء میں آنا شروع ہوئے جبکہ چین میں مقیم پاکستانی طالب علم جنوری ۲۰۲۰ میں اس کا شکار ہوئے۔

احتیاطی تدابیر(Precautions)

کرونا وائرس کی وبا کی مزید روک تھام کے لیے اسفار پر پابندی، قرنطینہ، کرفیو، تالابندی، اجتماعات اور تقریبوں کا التوایا منسوخی، عبادت گاہوں اور سیاحتی مقامات کو مقفل کردینے جیسے اقدامات کیے جارہے ہیں۔۱۲۴سے زائد ملکوں میں اسکولوں اور جامعات(Universites) کو بھی بند کردیا گیاہے جس کی وجہ سے تقریباً ۱۲۰کروڑ طلباء کی تعلیم متاثر ہوئی ہے۔

وبائی امراض میں قرنطینہ (Quarantine) ہونا:

ایسی امراض میں ڈاکٹرز اور جدید میڈیکل رپورٹس کے مطابق دوسرے افراد سے علیحدگی اختیار کی جاتی ہے تا کہ دوسرے افراد کو ایسی امراض سے بچایا جا سکے۔ یہ بات آج جدید ٹیکنالوجی کے دور میں ہو رہی ہے۔ جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا۔

عَنْ أَبِي هريرة قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا عَدْوَى وَلَا صَفَرَ وَلَا هامة فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّها الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُها الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيُجْرِبُها فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ وَعَنْ أَبِي سلمة سَمِعَ أَبَا هريرة بَعْدُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ. [11]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چھوت کی بیمار کوئی چیز نہیں نیز پیٹ کی بیماری اور اُلّو کا جاہلانہ تصور کوئی چیز نہیں پس ایک اعرابی عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! ان اونٹوں کا کیا حال ہے جو ریت میں ہرنوں کی طرح لیٹتے ہیں، پھر ان میں ایک خارشی اونٹ آملتا ہے اور سب کو خارشی کر دیتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر پہلے کو بیماری کس نے لگائی؟ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ بیمار اونٹ کو تندرست اونٹوں کے پاس نہ لے جاؤ۔"

ایک اور روایت میں طاعون کے مرض میں فرمایا کہ اس علاقے سے دوسرے علاقے میں مت جاؤ۔ یہی صورتِ حال آج اس کرونا (Cov-2019) کے مرض میں بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ عُمَرَ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ فَلَمَّا كَانَ بِسَرْغَ بلغه أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّأْمِ فأخبره عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ به بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عليه وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بها فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا منه. [12]

---

[11] ۔ بخاری، الصحیح، حدیث: ۵۴۳۷

[12] ۔ بخاری، الصحیح، حدیث: ۵۳۹۸

"حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام کی طرف نکلے اور سرغ کے مقام پر پہنچے تو انہیں خبر پہنچی کہ شام میں وبا پھوٹ نکلی ہے پس حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی زمین میں اس کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب اس جگہ واقعہ ہو جائے جہاں تم رہتے ہو تو بیماری سے ڈرتے ہوئے وہاں سے نہ بھاگو۔"

کرونا (Cov-2019) بھی چونکہ ایک وبائی مرض ہے۔ جیسے وبا (طاعون) کے علاقے سے مت بھاگو یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں مت جاؤ۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہیں اپنے آپ کو قرنطینہ (Quarantine) کر لیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اگر وبائی امراض کے علاقے میں ہو تو وہیں پر قیام کرے تاکہ مرض مزید دوسرے علاقے میں نہ پھیل سکے۔

سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ عَذَابٌ يبعثه اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَأَنَّ اللهَ جعله رحمة لِلْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بلده صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أنه لَا يُصِيبُه إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ له إِلَّا كَانَ له مِثْلُ أَجْرِ شهيد.[۱۳]

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے مجھے بتایا کہ وہ ایک عذاب ہے، جس پر اللہ چاہتا ہے بھیج دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اہل ایمان کے لیے رحمت بنایا ہے۔ کوئی مومن ایسا نہیں جو طاعون میں پھنس جائے لیکن اپنے شہر ہی میں صبر سے ٹھہرا رہے اور یہ سمجھے کہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے اس کے سوا کوئی تکلیف مجھے پہنچ نہیں سکتی۔ پس اسے شہید کے برابر اجر ملے گا۔"

کرونا (Corona) کے مرض میں انتقال فرمانے والے کا حکم:

کرونا (Cov-2019) کے مرض میں انتقال فرمانے والا مسلمان بھی طاعون کے مرض میں انتقال کی طرح شہید ہے کیونکہ دونوں امراض کا تعلق وبائی امراض سے ہے۔ اور ان امراض میں تشخیص بعد میں ہوتی ہے اور یہ دونوں پھیپھڑوں پر حملہ کرتیں ہیں۔

---

[۱۳] ۔ ایضاً، حدیث: ۳۲۸۷

حَدَّثَتْنِي حفصةُ بِنْتُ سِيرِينَ قَالَتْ قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَحْيَى بِمَ مَاتَ قُلْتُ مِنَ الطَّاعُونِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الطَّاعُونُ شهادة لِكُلِّ مُسْلِمٍ.[۱۴]

"حضرت حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ (تمہارے بھائی) یحییٰ کی وفات کس بیماری سے ہوئی؟ میں نے کہا کہ طاعون سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔"

وبائی امراض میں مسجدوں میں نماز باجماعت کا حکم:

آپ ﷺ نے شدید بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے مسجد میں نماز باجماعت کے لیے آنے سے منع فرمادیا تھا۔ جس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ کہ اذان میں گھر میں نماز پڑھنے کا اعلان کر دو۔ تو آج چونکہ ایک وبائی مرض ہے کہ جس سے انسانوں کے ملنے اور ایک جگہ پر اکٹھے ہونے سے اس وبا کے پھیلنے کے خطرات بہت زیادہ ہیں لہذا آج بھی نمازوں کا وہی حکم ہے کہ نمازیں اپنے اپنے گھروں میں پڑھو ہاں اگر گھر میں دو افراد یا زیادہ تعداد ہو تو جماعت کروائی جاسکتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يمنعه مِنْ اتباعه عُذْرٌ قَالُوا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ.[۱۵]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اذان کی آواز سنے اور اس کی تعمیل کرنے سے کوئی عذر مانع نہ ہو عرض کی گئی کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ خوف یا مرض۔"۔

امام بخاریؒ نے دو روایات بیان کرتے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حالات ایسے ہوں کہ جن سے انسان کو نقصان اٹھانا پڑے تو پھر نماز گھروں میں ہی ادا کی جائے گی۔

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي ليلة ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ ثُمَّ قَالَ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ ليلة ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ.[۱۶]

---

[۱۴]۔ بخاری، الصحیح، حدیث: ۵۴۰۰

[۱۵]، ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (۲۰۰۶)، السنن، دارالسلام، سعودی عرب۔ حدیث: ۴۵۷

"حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹھنڈی اور آندھی والی رات میں نماز کے لیے اذان کہی اور پھر کہا: "سنو کہ نماز اپنے گھروں میں پڑھ لو"۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات ٹھنڈی اور بارش والی ہوتی تو موذن کو یہ کہنے کا حکم فرماتے۔"

دوسری روایت میں تو آپ ﷺ کا ایک صحابی رسول کے لیے بطور تبرک اس کے گھر پر نماز کے لیے جگہ پر نماز ادا کرنا بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قومه وَهو أَعْمَى وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ يَا رَسُولَ اللهِ إنها تَكُونُ الظلمة وَالسَّيْلُ وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَصَلِّ يَا رَسُولَ اللهِ فِي بَيْتِي مَكَانًا أتخذه مُصَلًّى فَجَاءه رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى فيه رَسُولُ اللهِ ﷺ.[١٧]

"حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کرواتے اور وہ نابینا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! کبھی اندھیرا اور پانی بھی ہوتا ہے اور میں بینائی سے محروم ہوں، پس یارسول اللہ! آپ میرے غریب خانے میں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز کے لیے مقرر کرلوں۔ پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ انہوں نے گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی۔"

فقہاءِ کرام نے ایسے مریض کو بھی اس میں شمار کیا ہے جس سے لوگوں کو طبعی طور پر کراہت و نفرت ہوتی ہو، جیسے جذامی۔ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں کروناوائرس کے مریض کو بھی مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلے میں معذور سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر کسی شہر میں کروناوائرس پھیل جائے (العیاذ باللہ) تو جو لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں، وہ تو شرعاً مریض کے حکم میں ہیں۔ جیسا کہ الدر المختار و حاشیۂ ابن عابدین (رد المحتار) میں ہے۔

---

[١٦] بخاری، الصحیح، حدیث: ٦٣٥

[١٧] مسلم، امام مسلم بن حجاج (٢٠٠٧)، الصحیح، دارالسلام، سعودی عرب۔ حدیث: ٢٢١٨

مَطْلَبٌ حَالُ فُشُوِّ الطَّاعُونِ هل لِلصَّحِيحِ حُكْمُ الْمَرِيضِ: قَوْلُهُ وَمِثْلُهُ حَالُ فُشُوِّ الطَّاعُونِ.[۱۸]

"مطلب: طاعون کے پھیلنے کی حالت میں کیا تندرست شخص کے لئے بھی مریض کا حکم ہو گا۔ انہوں نے فرمایا اس کی مثال طاعون پھیلنے جیسی ہے"

مصافحہ (Handshake) کرنے کے بارے میں احتیاط:

عن الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ صمَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طمأنينة وَإِنَّ الْكَذِبَ ريبة.[۱۹]

حضرت انس بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے رسول اکرم ﷺ سے کیا بات یاد رکھی انہوں نے فرمایا میں نے آپ کا یہ ارشاد یاد رکھا شک وشبہ والی چیز چھوڑ کر بے شبہ چیز کو اختیار کرو بے شک سچ سکون ہے اور جھوٹ شک وشبہ ہے۔

مصافہ کرنا باعث فضیلت ہے۔ البتہ منہ سے سلام کرنا اور جواب دینا ضروری ہے۔ جیسے شدید بیمار کو تکلیف کے باعث باجماعت نماز ادا کرنے میں یہاں تک کہ صحت مند ہو جائے اور مسافر کو سفر میں فرض روزہ ترک کرنے کی رخصت ہے۔ ایسی مرض جس کے پھیلنے میں زیادہ خدشہ ہے۔ لہذا ہمیں مرض "کرونا" کے علاقے میں مصافہ سے احتیاط کرنی چاہیے۔

نماز گھر میں پڑھنے کی اجازت:

امام بخاریؒ نے اس حدیث اور نابینے صحابی رسول کی ترکِ جماعت کی اجازت کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بَاب الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ یعنی بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے"

---

[۱۸]۔ ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز (۲۰۰۳)، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت۔ ج ۱۱ ص ۴۳۵

[۱۹]۔ ترمذی، جامع، حدیث: ۲۵۱۸

"کرونا وائرس" کے پھیلنے کی وجہ سے طبیب حضرات کی ہدایات کے مطابق وقتی طور پر مساجد میں نماز باجماعت اور نماز جمعہ کو موقوف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں اگر نوجوان افراد احتیاطی تدابیر (ماسک اور ایک نیزے کے فاصلے) کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ عمر کے افراد احتیاطاً گھر پر ہی نمازیں ادا کریں۔

مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی اجازت:

شریعت نے بیماری کی صورت میں تین قسم کے لوگوں کو مسجد میں نہ آنے کی اجازت دی ہے۔

۱۔ جو شخص خود مریض ہو

۲۔ جو مریض کے علاج معالجہ میں مصروف ہو۔

۳۔ جس شخص سے دوسروں کو مرض لگ جانے کا خدشہ ہو۔

۱۔ جو شخص خود مریض ہو

اس قسم کی دلیل خود آپ ﷺ کے آخری ایام میں جب آپ ﷺ شدید بیمار تھے۔

عَنْ عائشة قَالَتْ لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَضه الَّذِي مَاتَ فيه أتاه بِلَالٌ يُوذِنه بِالصلاة فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ قُلْتُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِنْ يَقُمْ مَقَامَکَ يَبْكِي فَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءة فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ.[۲۰]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ فرمایا: ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ میں عرض گزار ہوئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل ہیں، اگر آپ کی جگہ پر کھڑے ہوئے تو رونے کے باعث قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ فرمایا: ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

۲۔ جو مریض کے علاج معالجہ میں مصروف ہو۔

اس قسم میں وہ شخص ہے۔ جو مریض کے علاج معالجہ میں مصروف ہو۔ جیسے۔ ہسپتالوں میں میڈیکل سٹاف اور گھر میں اگر کوئی فرد ہو تو وہ اس قاعدہ کے مطابق الگ نماز ادا کرے گا۔

حِفْظَ الْآدَمِيِّ أَفْضَلُ مِنْ حِفْظِ الْجَمَاعة.[۲۱]

---

[۲۰]۔ بخاری، الصحیح، حدیث: ۶۸۰

"آدمی کی حفاظت جماعت کی حفاظت سے افضل ہے۔"

۳۔ جس شخص سے دوسروں کو مرض لگ جانے کا خدشہ ہو۔

تیسرا وہ شخص ہے جس سے جماعت میں شامل ہونے سے دوسرے افراد میں مرض کے لاحق ہونے کا خدشہ ہو۔کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے۔التوقع القرب کالواقع (یعنی کسی چیز کا متوقع ہونا واقعہ کے قریب تر ہوتا ہے) اسی طرح ایک اور قاعدہ بھی ہے۔وما قارب الشيء أخذ حكمة [۲۲] (اور جو چیز جس کے قریب ہو تو اسی کے حکم میں ہو گی) اب کرونا جیسی مہلک بیماری کے لگ جانے کے قوی اندیشہ پر تو اجازت ہونی چاہیے۔کیونکہ اس مرض کے پھیلنے کی خبر بھی نہیں ہوتی ہے کہ یہ مرض کس شخص سے پھیلا ہے۔اصل میں اس کی علامات تین سے چار دنوں کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔دوسروں کو تکلیف نہ پہنچانے کا قاعدہ حدیث مبارکہ کی صورت میں موجود ہے۔

عن أبى سعيد الخدرى أن رسول الله ﷺ قال: لا ضَرَرَ ولا ضِرَارَ.[۲۳]

"حضرت اَبو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ (ابتداءً) کسی کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچانا"

ہاں اجر کے حوالے سے مایوس نہ ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرض اور سفر کی وجہ سے تکلیف اٹھانے والے کو بھی پورا اپورا اجر ملتا ہے۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

قَالَ له أَبُو بردة سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى مِرَارًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ له مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا.[۲۴]

"حضرت ابوبُردہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے متعدد مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب کوئی شخص بیمار پڑ جائے یا سفر کرے تو اس کے لئے اتنی عبادت ہی لکھی جاتی ہے جتنی وہ اقامت اور صحت میں کرتا تھا۔"

---

[۲۱]۔النووی، محیی الدین یحیی بن شرف، (۱۹۹۹)، المجموع شرح المهذب، دار الفکر، بیروت، ج۴، ص۲۰۵

[۲۲]النووی، لجموع شرح المھذب، ج۴، ص۲۰۵

[۲۳]۔القزوینی، سنن ابن ماجہ، حدیث:۲۳۴۰

[۲۴]۔بخاری، الصحیح، حدیث:۲۸۳۴

جمعہ کی نماز گھر پر ادا کرنے کا حکم:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر حالات ایسے ہوں کہ جس سے انسان کو تکلیف کا خدشہ ہو تو وہ نماز گھر پر ادا کر سکتا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لمؤذنه فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ إِذَا قُلْتَ أشهد أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قُلْ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا قَالَ فعله مَنْ هو خَيْرٌ مِنِّي إِنَّ الجمعة عزمة وَإِنِّي كرهتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالدَّحَضِ.[۲۵]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بارش کے روز اپنے مؤذن سے فرمایا کہ جب تم اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کہہ لو تو حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ نہ کہنا بلکہ صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ کہنا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو فرمایا: ایسا انہوں نے کیا جو مجھ سے بہتر تھے۔ بے شک جمعہ ضروری ہے لیکن میں نے ناپسند کیا کہ تمہیں باہر نکالوں تو کیچڑ اور پھسلن میں چلو۔" اس میں سد ذرائع (ایسا عمل جو فی نفسہ درست ہو لیکن وہ انجام کے اعتبار سے یقینی طور پر فساد کی طرف لے جائیں۔ ایسے عمل کی روک تھام کرنے کے لیے ممنوع قرار دینا سد ذرائع کہلاتا ہے) کا قاعدہ بھی نافذ ہو گا کیونکہ وبائی امراض کی صورت میں مرض کے زیادہ پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اور یہی اصول جمعہ کی نماز کے لئے بھی ہو گا۔ کہ جمعہ کی نماز ساقط ہو جائے گی اور لوگ ظہر کی نماز گھر میں ادا کریں گے۔ وبائی امراض میں بھی چونکہ انسانوں کے ملنے اور چھونے سے پھیلاو زیادہ ہو سکتا ہے اس لئے نماز جمعہ بھی گھروں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

نقل و حرکت (Lockdown) کے احکام:

حضور نبی اکرم ﷺ نے وبائی امراض سے نبٹنے کے لیے آج سے چودہ سو سال پہلے متعارف کروایا۔ چونکہ قرآن مجید میں بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا تعلق انسانی جان سے ہے۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التهلكةج وَاَحْسِنُوْاج اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[۲۶]

"اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بے شک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے"

---

[۲۵] ۔ ایضاً، الصحیح، حدیث: ۸۵۹

[۲۶] سورۃ البقرہ، ۲:۱۹۵

اس حکمِ خدا کی روشنی میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس علاقے میں گئے تو خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہو گا۔لہذا احتیاطی تدابیر کے متعلق فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أُسَامة بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الطَّاعُونُ آية الرِّجْزِ ابْتَلَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ به نَاسًا مِنْ عباده فَإِذَا سَمِعْتُمْ به فَلَا تَدْخُلُوا عليه وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بها فَلَا تَفِرُّوا منه هذا حَدِيثُ الْقَعْنَبِيِّ وقتيبة نَحْوه.[27]

"حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر مسلط کیا گیا تھا، یا فرمایا: بنو اسرائیل پر مسلط کیا گیا تھا، اگر کسی علاقہ میں طاعون آجائے تو تم وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو، اور اگر کسی جگہ طاعون ہو تو تم وہاں مت جاؤ۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس مسئلہ کو مزید تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ طاعون زدہ علاقے سے باہر آنے والے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایک شخص کا وہاں سے باہر جانے کا مقصد ہی طاعون سے بھاگنا ہے تو یہ شخص یقینی طور پر ممانعت میں شامل ہے۔

۲۔ تجارت وغیرہ کی غرض سے باہر جانا ہے تو وہ ممانعت میں شامل نہیں ہے، اسی قسم کے بارے میں امام نوویؒ نے اتفاق نقل کیا ہے کہ سب کے ہاں ایسا شخص باہر جا سکتا ہے۔

۳۔ انسان کسی کام کی غرض سے باہر نکلے اور ساتھ میں طاعون سے بچاؤ بھی شامل کر لے تو اس شخص کے بارے میں علمائے کرام کی مختلف آراء ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس صورت کے بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ کا موقف یہ بیان کیا ہے کہ ایسی صورت میں بھی طاعون زدہ علاقے سے باہر جانا جائز ہے۔[28]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

طاعون زدہ شہر کے لوگوں کو باہر جانے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ وہاں پر ظاہر صحت مند نظر آنے والے لوگوں کا متاثر ہونا بعید نہیں ہے۔ کیوں کہ شروع میں بیماریوں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، اور اگر یہ لوگ دوسری جگہ آمد و رفت کریں تو بیماری متعدی ہو سکتی ہے۔[29]

---

۲۷ بخاری، الصحیح، حدیث:۲۲۱۸

۲۸۔ العسقلانی، حافظ احمد بن حجر (۲۰۰۴)، فتح الباری، دار الدعیان للتراث قاہرہ، مصر. ج۱۰، ص:۱۹۹۰

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

طاعون زدہ شہر میں باہر سے لوگوں کا داخلہ اس لئے ممنوع ہے کہ مجاورت اور اختلاط ایسی بیماریوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ باہر ہیں اور صحت مند ہیں، ان کا اپنی صحت کا ناحق خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں۔(۳۰)

ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی اس وبا سے بھاگنا چاہتا ہو تو یہ منع ہے، لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے وبا زدہ علاقے کے رہائشی کو باہر جانا ہو اور اس کا یقین پختہ ہو کہ موت زندگی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، وہ کسی جگہ بھی بیماری اور وبا میں مبتلا کر سکتا ہے تو بوجہ ضرورت ایسے علاقے سے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح وبا زدہ علاقے میں اگر کسی کو کام ہو (مثلاً ڈاکٹرز اور میڈیکل ٹیمیں یا دیگر رضاکار خدمت کے لیے جائیں)

جس شہر میں وباء پھیلے وہیں قرنطینہ (Quarantine) ہونے کا حکم:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ وبائی مرض میں قرنطینہ کرنا چاہیے۔

سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخبرها نَبِيُّ اللهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ عَذَابًا يبعثه اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ فجعله اللهُ رحمة لِلْمُؤْمِنِينَ فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بلده صَابِرًا يَعْلَمُ أنه لَنْ يصيبه إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشهيد.(۳۱)

رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے بارے میں دریافت کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں بتایا کہ یہ ایک عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں پر چاہے بھیجتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے اسے رحمت بنادیا ہے پس کوئی بندہ ایسا نہیں کہ طاعون کی بیماری پھیلے اور وہ اپنے شہر میں صبر کر کے بیٹھا رہے، یہ جانتے ہوئے کہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دی ہے تو اس کے لئے شہید کے برابر ثواب ہے۔

گھر میں ہی قرنطینہ (Quarantine) کرنا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وبائی مرض میں اگر اپنے آپ کر گھر میں ہی رکھیں تو بہتر ہے۔

۲۹۔ الغزالی، محمد بن محمد (۲۰۰۳)، احیاعلوم الدین، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ص ۲۷۸

۳۰۔ الجوزی، ابن قیم، (۲۰۰۰) الطب النبوی، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، ص ۳۴

۳۱۔ مسلم، الصحیح، حدیث: ۵۴۰۲

سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ عَذَابًا يبعثه اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءِ، فجعله رحمة لِلْمُؤْمِنِينَ فَلَيْسَ مِنْ رَجُلٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بيته صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يصيبه إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشهيد.[۳۲]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے طاعون کے بارے میں دریافت کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاعون ایک عذاب تھا کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا بھیجتا اور اس امت کے لئے اسے رحمت کر دیا ہے تو جو شخص زمانہ طاعون میں اپنے گھر میں صبر کئے طلب ثواب کے لئے اس اعتقاد کے ساتھ ٹھہرا رہے کہ اسے وہی پہنچے گا جو خدا نے لکھ دیا ہے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

سماجی فاصلہ (Social Distancing) رکھنا:

جس شخص کے بارے میں خدشہ ہو کہ اسے نقصان پہنچ سکتا ہے، یا وہ کسی دوسرے کے لیے مضر بن سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے جمعہ اور نماز تنہا ادا کرنے کی رخصت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دین میں کسی قسم کی سختی نہیں ہے۔ ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[۳۳] "دین میں کوئی زبردستی نہیں"

اس کا مطلب ہے کہ اسلام نے انسانی جان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے احکام وتعلیمات ہی نہیں دیئے۔ بلکہ جہاں پر انسانی جان کو تکلیف ہو وہاں پر اس کو رخصت بھی دی ہے، جیسے بیمار قیام کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ اسی طرح اسلام نے انسانی جان کو وبائی امراض میں بھی تکلیف سے بچنے کے لیے اس علاقہ میں نہ جانے اور نہ ہی اس علاقہ سے دوسرے علاقہ میں جانے کی اجازت دی ہے بلکہ ایسی حالت میں فاصلہ رکھنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ تاکہ مریض کی وبائی مرض کسی اور کو نہ لگ سکے۔

أَنَّ أَبَا سلمة بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ حَدَّثه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا عَدْوَى وَيُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يُورِدُ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍ.[۳۴]

۳۲۔ حنبل، امام احمد(۲۰۰۲)، المسند، مکتب اسلامی، بیروت لبنان، حدیث:۲۴۹۴۳

۳۳سورۃ البقرۃ،۲:۲۵۶

۳۴۔ مسلم، الصحیح، حدیث:۲۲۲۱

”حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، اور وہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے۔“

حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔

عن حسين عن أبيه عن النبى ﷺ قال: لا تديموا النظر إلى المجذَّمين، وإذا كلمتموهم فليكن بينكم وبينهم قِيد رُمْحٍ.(۳۵)

حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے اور بنی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔کہ جذامی(مریض)پر نظر نہ جماؤ اور جب تم اس سے گفتگو کرو تو اس جذامی(Lepromatous)مریض اور اپنے درمیان ایک نیزے(Spear)(ایک میٹر)کا فاصلہ رکھو۔

ان احادیث مبارکہ میں(Isolation)کی ہدایات موجود ہیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا عَدْوَى وَلَا طيرة وَلَا هامة وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ.(۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ چھوت کی بیماری ہے نہ بدشگونی ہے نہ الو کا جاہلانہ تصور ہے اور نہ صفر کی جاہلانہ کارروائی کوئی چیز ہے اور کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

ماہر اطباء کے بقول کرونا وائرس میں مبتلا شخص پر اس بیماری کے آثار کچھ دنوں بعد ظاہر ہوتے ہیں؛ لہذا جو شخص ظاہری طور پر صحیح ہے اس سے بھی میل ملاپ کرنا، مصافحہ کرنا وغیرہ سے احتیاط کیا جائے۔

۳۵۔ حنبل، المسند، حدیث:۵۸۱

۳۶۔ بخاری، الصحیح، حدیث:۵۳۸۰

احتیاطی تدابیر:

کرونا (Corona) کی علامات ۲ سے ۱۴ دنوں کے درمیان سامنے آنے لگتی ہیں جن میں نزلہ، زکام، کھانسی، سر درد اور تیز بخار شامل ہیں۔ اس سے نمونیہ اور پھیپھڑوں میں سوجن پیدا ہوتی ہے۔ جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ جس کی احتیاطی تدابیر درج ذیل ہیں۔

۱۔ صابن سے بار بار ہاتھ دھوتے رہیں۔ اور دورانِ سفر (Sanitizer) رکھیں۔

۲۔ کھانا پکانے سے قبل اور بعد میں ہاتھوں کو اچھی طرح سے دھوئیں۔

۴۔ نزلہ اور زکام کے مریضوں سے دور رہیں۔

۵۔ پالتو جانوروں سے دور رہیں۔

۶۔ آنکھ، چہرے اور منہ کو مت چھوئیں۔

۷۔ وائرس میں مبتلا افراد اینٹی بائیوٹک (Antibiotic) ادویات کے استعمال سے گریز کریں۔

۸۔ وائرس میں مبتلا افراد کی استعمال شدہ چیزوں کے استعمال سے پرہیز کریں۔

۹۔ فلو وائرس میں مبتلا افراد رومال اور ماسک کا استعمال ضرور کریں۔

۱۰۔ اجتماعات کی جگہوں پر مت جائیں۔

۱۱۔ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کریں۔

۱۲۔ کسی سے گفتگو کرتے ہوئے کم از کم ایک میٹر کا فاصلہ رکھیں۔

۱۳۔ سامان کی ترسیل کی صورت میں ہاتھوں کو صابن سے دھوئیں یا (Sanitizer) کریں۔

۱۴۔ جب بھی گھر سے باہر نکلیں تو ماسک (Mask) پہن کر رکھیں۔

۱۵۔ نماز پنجگانہ کا ادا کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔[۳۷]

---

[۳۷] رضا، شاہد، سلمیٰ ناز، (۲۰۲۱)، کرونا اور وبائی امراض میں اسلام کے احکام، النور پبلیشرز، ٹاؤن شپ، لاہور۔ ص ۴۳

وظائف:

سورۃ فاتحہ کو قرآن میں شفا کی کنجی کہا گیا ہے لہذا اس کی تلاوت کریں۔(۳۸) اور تسبیح فاطمہ (سُبْحَانَ اللہ ۳۳ بار، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار اور اللہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار) پڑھیں۔ استغفار کی تسبیحات کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ المتطھرین﴾ (۳۹)

"بے شک اللہ بہت توبہ کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے"

﴿لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۴۰)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا"

حدیث مبارکہ میں ہے۔

اللهم، إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ البَرَصِ، وَالْجُنُونِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَیِّءِ الْأَسْقَامِ. (۴۱)

"اے اللہ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں برص سے جذام سے جنون سے اور بیماریوں سے"

خلاصہ کلام:

وبائی امراض چونکہ معاشرے میں مختلف ادوار میں آتیں رہیں ہیں اور آئندہ بھی یہ امراض رہیں گی۔ ہر مذہب نے اپنے پیروکار کو زندگی گزارنے کے اصول دیئے ہیں جن میں ان کا رہن سہن، معاملاتِ زندگی شامل ہیں۔ انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ مختلف امراض کا بھی ہونا ہوتا ہے۔ اسلام نے معاشرے میں ان امراض سے بچنے اور ان میں احتیاط اختیار کرنے میں بھی نہ صرف رہنمائی کی ہے بلکہ مختلف امراض میں علاج بھی تجویز کیے ہیں جیسا

---

[۳۸] سورۃ الفاتحہ ۱:۱تا۷

[۳۹] سورۃ البقرہ، ۲:۲۲۲

[۴۰] سورۃ الانبیاء، ۲۱:۸۷

[۴۱] ابن حبان، احمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي البستي، (۱۹۹۳)، الصحيح، مؤسسۃ الرسالۃ–بیروت، ج۳، ص ۳۹۵

کہ احادیث کی کتب میں طب پر موضوعات ہیں۔ تو اسی طرح اسلام نے وبائی امراض میں بھی احتیاط اختیار کرنے کی نہ صرف رہنمائی فرمائی ہے بلکہ سختی سے ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ عصر حاضر میں چونکہ کرونا جیسی وبائی مرض نے دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے تو ڈاکٹرز کی ہدایات کے مطابق اگر افراد عمل نہ کرتے تو اموات کا خدشہ کہیں زیادہ تھا۔ تو اس میں اسلام نے جو رہنمائی فرمائی تھی بلکل اس طرح ڈاکٹرز نے بھی ہدایات جاری کیں۔

☆☆☆☆☆

﴿مصادر و مراجع﴾

۱۔ قرآن مجید (منزل من اللہ)

۲۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (۲۰۰۶)، السنن، دار السلام، سعودی عرب

۳۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین، (۲۰۰۳)، الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر-بیروت

۴۔ النووی، أبوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف، (۱۹۹۹)، المجموع شرح المھذب، دار الفکر، بیروت

۵۔ ترمذی، امام محمد بن عیسی، (۲۰۰۶)، السنن، دار السلام، سعودی عرب

۶۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، (۲۰۰۷)، الصحیح، دار السلام، سعودی عرب

۷۔ ظفر، مولانا ظفر علی خان، (۲۲ اپریل ۱۹۲۴)، روزنامہ زمیندار، لاہور، ہندوستان

۸۔ التميمي، محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي، (۲۰۰۱)، صحیح ابن حبان، مؤسسة الرسالة-بیروت

۹۔ احمد بن حنبل، امام احمد (۲۰۰۲)، المسند، مکتب اسلامی، بیروت لبنان

۱۰۔ العسقلانی، حافظ احمد بن حجر، (۲۰۰۴)، فتح الباری، دار الدعیان للتشرات قاہرہ، مصر

۱۱۔ الغزالی، محمد بن محمد (۲۰۰۳)، احیاء علوم الدین، دار لکتب العلمیہ، بیروت

۱۲۔ الجوزی، ابن قیم (۲۰۰۰)، الطب النبوی، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت

۱۳۔ قادری، اخلاق احمد، (۲۰۰۸)، تاریخ آفاتِ عالم، دعا پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، پاکستان

۱۴۔ ماجہ، محمد بن یزید، (۱۹۹۸)، سنن، دار إحیاء الکتب العربیۃ، بیروت

۱۵۔ مسلم، امام مسلم بن حجاج، (۲۰۰۷)، الصحیح، دار السلام، سعودی عرب

۱۶۔ رضا، شاہد، (۲۰۲۱)، کرونا اور وبائی امراض میں اسلام کے احکام، النور پبلیشرز، لاہور، پاکستان

17. J.N.Hays, (2009), the Burdens of Diseas, Rutgers, University Press.

الاِتجاه الإسلامي في شعر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري

Islamic trend in the poetry of Shaykh Moʿīn Al-Dīn Chishtī Al-Ajmerī

☆ محمد إقبال

☆☆ الدكتور مسعود أحمد مجاهد

ABSTRACT

Khāwja Moʿīn al-Dīn Chishtī Ajmerī is a well-known Sufi and a great spiritual master of Chishtia school of thought in subcontinent. He is a poet of Persian and Arabic Literature of all the times. He was born in 537 A.H in Sajistān Near the era of (Kharasān). He spread light of guidance and eliminated the darkness of ignorance by preaching Islamic thoughts in subcontinent. He preached love, harmony and tolerance among the people. He served the cause of religion of Islam as an effective Sufi of subcontinent. This article will spread light on the Islamic thoughts and teachings that he mentioned in his Persian poetry. It will be established with references that he has also done precious and valuable discussions on Islamic conceptions and perceptions.

الكلمات المفتاحية: معين الدين الجشتي، الاتجاه الإسلامي، الإسلام، الشعر الفارسي.

لقد احتلَّ الشعر العربي والفارسي اتجاها دينيًّا وفكريا على مرور العصور كما أن الاتجاهات الإسلامية ظلت تدور حول كثير من الموضوعات بمرور الزمن عند الشعراء. وهذا الموضوع من أهم الموضوعات الذي يستطيع أن يجلب جيل العصر الراهن إلى الإسلام وأفكار الإسلام، لأن الشاعر يعبّر في شعره عن الاعتقادات والتقاليد الدينية حسب روح الإسلام، ويوضِّح أمام الناس بشعره مفهوم التوحيد والإيمان به، والإيمان بالرسالة

☆ الباحث بمرحلة الدكتوراة بجامعة المنهاج، لاهور

☆☆ الأستاذ المساعد، بالقسم العربي، جامعة المنهاج، لاهور

والأنبياء السابقين الذين جاءوا إلى هذا العالم لإبلاغ التوحيد إلى الناس، وغرس العقيدة السليمة الصحيحة لبناء شخصية الإنسان المسلم لكي يعيش حياته في المجتمع حسب القيم الإسلامية.

إن الإتجاه الإسلامي حالة أو تجربة روحية للإنسان الذي يؤدّي إلى الآخَرين أفكاره وتوجيهاته لنشر القيم النبيلة التي تربط المسلم إلى فهم الإسلام وأفكاره. ولا شك في أن الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري قدّم فكره إلى الناس من خلال تجربته الروحية وأفكاره الإسلامية، ورَوِيَ العاطشين من منهله الروحي، وربَّى مريديه ومتّبعيه تربيةً حسنةً في ضوء الفكر الإسلامي.

لقد كان الأدب العربي قبل مجيء الإسلام محتويا على الأغراض المعيّنة التي كانت خالية من الأقدار والقيم الإسلامية، وموضوعات الشعر العربي القديم كانت محتوية على المدح، والفخر، والهجاء، والخمر، والغزل، والرثاء وغيرها كما يذكر شوقي:

"إن موضوعات الشعر الجاهلي هي: الحماسة، والمراثي، والأدب، والنسيب، والهجاء، والأضياف، ومذمة النساء، والمدح، والنعاس وغيرها"(١)

وإن كان لكلِّ شيء أصوله وفروعه، فإن للاتجاه الإسلامي أصولا راسخة ومنفجرةً من الحضارة الإسلامية حيث ترقى وترعرع ونشأ ونما هذا النوع من الشعر في العصور المتقدّمة المختلفة، ونشر الشعراء والأدباء هذا الفنّ والجهة بين الناس كما يذكر شحدة:

"لقد قدّم الأدباء أدبا إسلاميا صافيا ينبض بالقيم والمعارف السامية ذات الأصول الثابتة"(٢)

يحظى الاتجاه الإسلامي اليوم بحيز كبير من اهتمامات الدارسين للتراث العربي والإسلامي سواء من العرب أم من العجم والغرب، ويحتل الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري الصدارة في هذا الاهتمام نظرا لما تقدّم شخصيته ومؤلفاته من صورة شاملة عن التصوف الإسلامي.

---

(١) شوقي، ضيف، (دون السنة)، تاريخ الأدب العربي، الناشر: دار المعارف، ص:١٩٥

(٢) شحدة، معالي، (٢٠١٥م)، الاتجاه الإسلامي في شعر أحمد محمد الصديق، رسالة ماجستير، الجامعة الإسلامية، غزة، فلسطين. ص:٩

ومما لا شك فيه بأن الإتجاه الإسلامي يتعلّق بالآداب الرفيعة والقيم المتفوقة وهي التي تحسّن الرجل وتزيّنه وترغد له الحياة.، وفيها بقاء الأجيال ورفعة الأمم. ولا ريب بأن الشعر العربي والشعر الفارسي مملوءان مثل هذه الآداب والاتجاهات الإسلامية. لقد ساهم شعراء العرب وغير العرب مساهمة عظيمة في ترويج الاتجاهات الإسلامية في مجتمعاتهم. وبدأ فن الاتجاه الإسلامي في الشعر العربي والفارسي منذ بداية الإسلام، وبدأ الشعراء ينظمون الأبيات في اللغة العربية والفارسية حسب ثقافتهم ووجّهوا الناس إلى دين الإسلام وأقداره بنظم أبياتهم وأفكارهم.

وعلى رأس الشعراء الذين نظموا الشعر عن الاتجاه الإسلامي: سيدنا عبد الله بن رواحة، وسيدنا حسان بن ثابت، وسيدنا أبو بكر الصديق، وسيدنا عمر بن الخطاب، سيدنا علي بن أبي طالب والسيدة عائشة رضي الله عنها وغيرهم كثيرون. لقد ارتقى هذا الفن بعد عصر صدر الإسلام في جميع العصور الإسلامية وظل يرتقي حتى الآن.

أما الأدب الفارسي يشتمل على الآداب الإسلامية ويعبّر عن الأفكار الإسلامية منذ بدايته، كما أن الصوفية والأولياء الذين هم معلّمو اللغة الفارسية، حاولوا بنشر الإسلام وأقداره وأفكاره بنظم الأبيات، وعلى رأسهم: الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري رحمه الله، وله ديوان شعري، وطبع هذا الديوان من الهند.

فيما يلي من الصفحات سأذكر معنى الاتجاه لغة واصطلاحا، ثم أذكر بعد ذلك ترجمة الشاعر ونظائر الاتجاه الإسلامي من شعره وخلاصة البحث أخيرا إن شاء الله تعالى.

مفهوم الاتجاه الإسلامي لغة:

مما لا شك فيه بأن الإتجاه الإسلامي يتعلّق بالآداب الرفيعة والقيم المتفوقة وهي التي تحسّن الرجل وتريّنه وترغد له الحياة. نذكر فيما يلي معنى ومفهوم الاتجاه، فالاتجاه كما يذكر الإفريقي:

''اتجهت إليك أتجه أي توجهت، لأن أصل التاء فيهما واو ووجه إليه كذا أرسله ووجهته في حاجة ووجهت وجهي لله وتوجهت نحوك وإليك. والتجاه: الوجه الذي تقصده''(٣)

يذكر الفيروز آبادي معنى الاتجاه:

''اتجهت إليك أتجه ووجهت إليك توجيها توجهت وبنو وجيهة بطن وأوجهه جعله وجيها ووجهتك عند الناس أجهك''(٤)

يذكر وفا معنى الاتجاه قائلا:

''الاتجاه واتجه له رأي أي سنح، وهو من باب افتعل، صارت الواو ياء لكسر ما قبلها، وأبدلت منها التاء وأدغمت''(٥)

مفهوم الاتجاه الإسلامي اصطلاحا:

ذكر السوافيري معنى الاتجاه اصطلاحا:

''هي مجموعة مبادئ وأسس فنية يدعو إليها النقاد ويلتزم بها الكتّاب والشعراء في إنتاجهم، تربط الأدب في شكله ومضمونه بمطالب العصر وتياراته الفكرية''(٦)

يذكر سيد قطب معنى الاتجاه الإسلامي:

''إن الأدب والاتجاه الإسلامي هو التعبير الناشئ عن امتلاء النفس بالمشاعر الإسلامية''(٧)

يذكر الباشا عن الاتجاه الإسلامي:

---

(٣) الإفريقي، ابن منظور محمد بن مكرم بن منظور، (دون السنة)، لسان العرب، دار صادر، بيروت، لبنان. ج١٣، ص:٥٥٦-٥٥٧

(٤) الفيروز آبادي، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان. ص: ١٦٢٠.

(٥) وفا، علي، (١٤٣١هـ)، الاتجاه الإسلامي في أدب علي الطنطاوي، الرياض، السعودية، ص ٨٦.

(٦) السوافيري، كامل، (١٩٧٣م)، الاتجاهات الفنية في الشعر الفلسطيني المعاصر، مكتبة الأنجلو المصرية، القاهرة، مصر. ص.٢١٠.

(٧) سيد قطب، (دون السنة) النقد الأدبي أصوله ومناهجه، دار الشروق، القاهرة، مصر. ص٩

''الأدب والاتجاه الإسلامي هو التعبير الفني الهادف عن وقع الحياة والكون والإنسان على وجدان الأديب تعبيرا ينبع من التصور الإسلامي للخالق عزّ وجل ومخلوقاته، ولا يجافي القيم الإسلامية''[٨]

يقول قطب:

''هو الفن الذي يرسم صورة الوجود من زاوية التصور الإسلامي لهذا الوجود''[٩]

يحدّثنا بريغش عن الاتجاه الإسلامي:

''إن الأدب الإسلامي هو التعبير الفني الجميل للأديب المسلم عن تجربته في الحياة من خلال التصور الإسلامي''[١٠]

التعريف بالشيخ معين الدين الجشتي:

يُعد الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري أحد الشخصيات البارزة الدينية والإصلاحية في تاريخ الإسلامي والحركة الصوفية في الهند، وعمل جميع حياته لإصلاح الناس، ولنشر روح السلوك والتزكية وترويجها بين الناس.

ولد الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري رابع عشر من رجب سنة ٥٣٧هـ في سجستان البلد المعروف في أطراف خراسان والنسبة إليها سجزي، والأجميري نسبة إلى أجمير مدينة في شمال غرب الهند في ولاية راجستان، وينتمي نسبه إلى علي بن موسى الرضا.[١١]

إذًا فإن منزلة الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري في تاريخ التصوف الإسلامي في شبه القارة الهندية فريدة من نواح معينة. لقد جاء الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري إلى هذه المدينة سنة ٥٨٧هـ وعاش فيها مدة حياته داعيا إلى الله تعالى ومربّيًا ومدافعًا عن العقائد الحقة ومخالفا للعقائد الباطلة. لقد اشتهر الشيخ معين الدين

---

(٨) الباشا، رأفت، (دون السنة) نحو مذهب إسلامي في الأدب والنقد، دار الأدب الإسلامي، القاهرة، مصر. ص٩٢.

(٩) قطب، محمد، (١٩٧٣م) منهج الفن الإسلامي، دار الشروق، بيروت، لبنان. ص٦.

(١٠) بريغش، محمد حسن، (١٩٩٢م) الأدب الإسلامي أصوله ومناهجه، دار البشير، عمان. ص١٠٧.

(١١) الجشتي، معين الدين، (١٣٦٣هـ)، الديوان، كتابخانة تخصصي أدبيات، الهند. ص ٤

الجشتي بأسماء وألقاب أطلقها عليه مريدوه ومحبوه حينما رأوا فيه من مجامع الخير ومحامد الخصال، فمن ألقابه سلطان العارفين، وارث الأنبياء والمرسلين، قطب الأقطاب، إمام الشريعة والطريقة وغيرها. توفي الشيخ معين الدين الأجميري في أجمير (الهند) حتى صار مزاره مرجع الخلائق.(١٢)

وللشيخ معين الدين الجشتي الأجميري علاقة وطيدة بالتصوف الإسلامي منذ بداية حياته، وخير دليل على هذا الاهتمام ما يظهر ويترشح من مؤلّفاته، ووعظه، وعقيدته، كما أن أفكاره يصعب أن يحصر له أحد من الباحثين والدارسين. لقد ترك الشيخ معين الدين الجشتي آثارا رائعة، وأفكارا متفوّقة في مجال التصوف الإسلامي في شكل مؤلفاته وشعره.

عندما نطّلع على حياة الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري نعرف مكانته العلمية بأنه أخذ مختلف صنوف العلم، وتفقّه على أيدي كثير من العلماء في عصره، كما أنه قام بالسياحة في بلاد كثيرة، وتلمّذَ على أيدي كبار العلماء في عصره، وصحب كبار مشايخ الصوفية في عصره.(١٣)

بدأ الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري يسير إلى الطريق الروحاني بخطوات واسعة ثابتة، وبدأ يطلع على أسرار الحياة الصوفية، وقد تكشّفتْ أمامه عدد من الخفايا الكونية، كما أنه اقتبس من القرآن والحديث وآثار الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين اقتباسا كثيرا أثناء نظم الشعر الفارسي كما أنه استخدم النظائر والفنون من أدباء العرب والفرس ونهل من منهلهم. وإنه ساهم لتقديم الأفكار عن الاتجاهات الإسلامية في المجتمع الذي عاش فيه، وهو يعدّ رائد الصوفية.

تصانيفه:

عندما نمعن النظر في حياة الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري نعرف بأنه كان شاعرا روحيا موهوبا، لا سيّما في اللغة الفارسية، لأن هذه اللغة الغنيَّة كانت شائعة آنذاك في الهند، ولهذا أنه كتب كثيرا من كتبه في هذه اللغة أعني اللغة الفارسية واللغة العربية، ولها قدرة عند أهل العلم، منها: (١) أنيس الأرواح، (٢) دليل العارفين،

---

(١٢) الجشتي، معين الدين، (١٣٦٣هـ)، الديوان، كتابخانة تخصصي أدبيات، الهند. ص ٧

(١٣) الجشتي، معين الدين، (١٣٦٣هـ)، الديوان، كتابخانة تخصصي أدبيات، الهند. ص٥

(٣) حديث المعارف، (٤) رسالة آداب دم زدن، (٥) رسالة در تصوف، (٦) رسالة وجودية، (٧) كشف الأسرار، (٨) گنج الأسرار، (٩) مكاتيب، (١٠) الديوان الشعري وغيرها من الكتب المختلفة في شكل المخطوطات التي توجد في مكتبات الهند.(١٤)

ولا ننكر من هذه الحقيقة المؤلمة بأن أكثر كتبه ما شاعتْ ولم يقم أحد من العلماء أن يقوم بطباعتها، ومخطوطات هذه الكتب توجد في المكتبات المختلفة بالهند.

نظم شعره:

يقول إكرام عن نظم الشعر للشيخ الأجميري:

''كثير من الناس لا يعرفون بأنه كان شاعرا عظيما ويبلغُ عدد أبياته أكثر من سبعة آلاف بيت''(١٥)

يحدّثنا أحمد عن المشايخ الجشتية:

''لقد قام المشايخ الجشتية لتزكية نفوس الناس وتربيتهم تربية حسنة وقام بنشر الإسلام في شبه القارة''(١٦)

يقول الكاظمي عن الشيخ معين الدين الجشتي:

''كان الشيخ معين الدين مصلحا عظيما وشاعرا كبيرا وتترشّح أفكاره من أبياته''(١٧)

يقول محسن عن الشيخ معين الدين الجشتي:

''كان الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري شاعرا بارعا وعنده قدرة تامة لنظم الشعر، وتوجد أبياته المنظومة في شكل الديوان''(١٨)

---

(١٤) الجشتي، معين الدين، (١٣٦٣هـ)، الديوان، كتابخانة تخصصي أدبيات، الهند. ص ٧

(١٥) إكرام، محمد، آبِ كوثر، (٢٠٠٦م)، إدارة ثقافتِ إسلامية، لاهور، باكستان. ص٢٠٨

(١٦) أحمد، محمد، (٢٠٠٥م)، تعارف معارف فريدية، فكر و نظر، ج٤٤، شمارة، ١، وزارة الأوقاف، لاهور، باكستان. ص١٣١

(١٧) الكاظمي، آفاق أحمد، (٢٠١٤م)، حياة الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري، مكتبة جمال، لاهور، باكستان. ص٧٨

وشعره منتشر في دواوين مختلفة، وتوجد هذه الدواوين في شكل المخطوطات في المكتباب المختلفة في الهند.(١٩)

إن المفاهيم التي ذكرها الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري في كتبه تدور حول التوحيد، والرسالة، والنصيحة لمريديه، وهو يأمر مريديه بالمعروف وينهاهم عن المنكر، كما تدل على هذا شواهد كثيرة من ملفوظاته وعظاته، وهو يذكر ويبيّن أحيانا مقام الإنسان أمام الناس، ويذكر أحيانا محبة الله تعالى ومحبة رسوله.

إن كل لفظة وسطر من ديوانه الشعري هي مملوءة بالموعظة الحسنة، وتدل على العشق الإلهي، وهو يوضّح أيضا خلال نظم شعره محبة الرسول، ويدفع مريديه إلى الصلوات المفروضة، يعلّمهم كيف يناجي العبد ربه؟ وما هي لوازم المناجاة للعبد للقربة من الرب؟ ولا شك في أنه كان صوفيا عظيما وشاعرا بارعا ولم يكتب على مثل هذا الموضوع من جهة الاتجاه الإسلامي في شعره.

أخلاقه:

إن الإسلام يعطي الناس أمنا وسلما، وهذا نور الحضارة الإسلامية، الذي نوّر جميع العالم بنوره، وهدى الناس بهدايته، فمن اعتنقه فاز في الدنيا والآخرة.

وكانت تُعقَد الحفلات الدينية والعلمية والروحية العديدة في العديد من الأماكن في الهند في عصر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري، والهدف منها: إصلاح الناس، والأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر، وتقويم الناس، وترويج الاتجاه الإسلامي المتمثل في أداء الصلواتِ وممارسة السلوك والتزكية، والابتعاد عن العالَم الماديِّ الزائف.(٢٠)

يقول چراغ الجشتي عن أخلاقه:

---

(١٨) محسن، محمد، (٢٠٠٧م)، ديوان الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري، مطبعة اشتياق اے مشتاق، لاهور، باكستان. ص ٥٢

(١٩) تصوف بر صغیر میں، (١٩٩٢ء)، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، انڈیا۔ ص ٩٣،٧٦، ٥٢

(٢٠) برني، ضياء الدين، تاريخ فيروز شاهي، تحقيق: سر سيد أحمد خان، كلكتا، الجمعية الآسيوية، ١٨٦٢م. ص ٢٤٣-٢٤٧

’’كان الشيخ معين الدين الجشتي يرجّح خدمة الناس وإعانتهم ومساعدتهم، وكان يتكلّم مع الناس بالأخلاق الحسنة‘‘[٢١]

يقول يوسف سليم الجشتي عن إسهامات الصوفية:

’’لقد أسهم الصوفية إسهامات جليلة لنشر الإسلام بين الناس، وأسّس المجتمع الإسلامي في الهند‘‘[٢٢]

لقد نشأ الاتجاه الإسلامي في الأدب الفارسي منذ تطور اللغة الفارسية في شبه القارة، كما بدأ الشعراء ينظمون الأبيات المختلفة المملوءة بالقيم الإسلامية والاتجاهات الإسلامية. وكتب كثير من الشعراء الأبيات الكثيرة في اللغة الفارسية منهم: الشيخ سعد الشيرازي، والشيخ روز بهان، والشيخ معين الدين الجشتي الأجميري، والشيخ بابا فريد الدين كنج شكر، والشيخ نظام الدين أولياء الشهير بـ’’محبوب إلهي‘‘والشيخ أمير خسرو، والشيخ فريد الدين عطار، والعلامة محمد إقبال وغير هؤلاء الرجال الأفذاذ الذين نظموا الشعر في اللغة الفارسية وأسهموا إسهامات كثيرة المحتوية على الاتجاهات الإسلامية خاصة وعامة في شبه القارة وغيرها.

الاتجاه الإسلامي في شعر الشيخ معين الدين الجشتي:

لا شك في أن الأوليا والعلماء خدموا الإسلام والمسلمين ونشروا الإسلام في جميع أنحاء العالم بعد الصحابة والتابعين، وقاموا لإصلاح المسلمين وغير المسلمين في مختلف جهات العالم. ومن أبرز المشايخ والأولياء الشيخ معين الملة والدين السيد معين الدين الجشتي الأجميري الذي نهل العلوم والفنون من منهل القرآن والسنة ونشر هذه العلوم لإصلاح أحوال الناس، ولا شك في أن الهنادكة الكثيرين اعتنقوا الإسلام على يديه.

عندما ننظر في شعر الشيخ معين الدين الجشتي نجد أن شعره يروّج الأفكار والأقدار الإسلامية، ويمكن لنا في ظلها فهمُ نشاطاته الدينية والاجتماعية والإصلاحية، وعلى رأسها: الاهتمام بأداء الصلوات، والواجبات، والأذكار، والمواظبة عليها بكل نشاط وتحمّس، والالتزام بأحكام الشريعة الإسلامية وضوابطها، وعدم اختيار الحياة

(٢١) چراغ، محمد علي، (٢٠١٤م)، شرح ديوان خواجه معين الدين الجشتي، أريب ببلي كيشنز، ديار گنج، دهلي، الهند. ص٣٧

(٢٢) سليم، يوسف، (دون السنة)، تاريخ تصوف، دار الكتاب، لاهور، باكستان

الرهبانية، والعزلة والانقطاع عن الناس، وعدم إظهار الكرامات والخوارق، واختيار السبل المشروعة لكسب الرزق، وتفريج الكرب المكروبين، وقضاء حاجة المساكين، وإطعام الجائعين، والتسامح مع غير المسلمين، واحترام حريتهم الدينية والفكرية. في هذه المقالة العلمية نريد أن نعرّف شعر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري ونستخرج منها الآداب والاتجاهات الإسلامية كي نتمثل بها في حياتنا ونعتزّ بها على الأمم.

يُعد الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري أحد الشخصيات البارزة الدينية والإصلاحية في التاريخ الإسلامي والحركة الصوفية في الهند، وعمل جميع حياته لإصلاح الناس، ولنشر روح السلوك والتزكية وترويجها بين الناس. وله تأثير عظيم عند الناس في المجتمع الهندي، وما زالت ولا تزال رسالته ودعوتُه عن الإنسان والمحبة والإحسان والتزكية تتردد أصداؤها في المجتمع الهندي. وبسبب إسهاماته الإصلاحية والدعوية أنه لُقّبَ بـ''غريب نواز'' معناه: معطي الفقراء ومعين الغرباء.(٢٣)

أذكر الآن الاتجاه الإسلامي في شعر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري.

الإيمان بالله وتوحيده

إن من العقائد الإسلامية الأساسية هي توحيد الله تعالى في ذاته وفي صفاته، والعقيدة الإسلامية هي أساس للإيمان. ولا يكمل إيمان الرجل إلا بإظهار توحيد الله تعالى مع اللسان والقلب. وقد ذكر الله سبحانه وتعالى عن الإيمان والإسلام في القرآن الكريم. والقرآن الكريم مملوء بالعقائد الإسلامية

والقرآن الكريم مليء بالآيات القرآنية الكريمة تتحدث عن صفات الله تعالى. ومنها: الآية الكريمة التي تجمع بعض الصفات الإلهية كقوله تعالى:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(٢٤)

---

(٢٣) الجشتي، معين الدين، (١٣٦٣هـ)، الديوان، كتابخانة تخصصي أدبيات، الهند. ص ٧

(٢٤) سورة الحشر، ٢٣/٥٩

إن الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري له صلة وثيقة مع القرآن الكريم وهو أحيانا ينظم الشعر حسب التعاليم الإسلامية وأحيانا تنفجر عقائد الإسلام من أبياته، وأنه قد ذكر في شعره أبياتا كثيرة عن صفات الله تعالى وهو يدعو الله بالصفات لأن لله تعالى تسعة وتسعون اسما،ولهذا هو ينظم الشعر يدعو الله تعالى بالصفات الإلهية.

اول آخر وظاهر وباطن همه اوست که همو بود وهمو هست وهمو خواهد بود(٢٥)

ترجمة البيت: إنه هو الأول والآخر والظاهر والباطن جميعا، وكان هو، والآن هو ويكون هو دائما.

هذا البيت يشير إلى الآية الكريمة:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(٢٦)

التوحيد هو إفراد الله عز وجل بما يستحقه ويختص به من الربوبية والألوهية والأسماء والصفات، فالتوحيد هو إفراده بالعبادة ونفيها عما سواه، كما قال الله تعالى في القرآن الكريم:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾(٢٧)

وشاعرنا الشهير الخواجه معين الدين الجشتي هو يوجّه توجيهاتنا إلى هذه الآية السابقة التي مرّت آنفة وهو يعتقد بأن الله هو واحد، ووحيد، ليس مثله، ولا مثال له، ولا يقدر أحد أن يفنيه، وهو يشير قائلا عن ذات الله تعالى وتوحيده:

حمدیکه خود رقم زده بر صفحه قدم کانرا هیچ حادثه ممکن نگشته بک(٢٨)

ترجمة البيت: الحمد؛ أنه حمد نفسه لهذا العالَم، ولا يليق لأحد أن يحمده حسب حمده، ولا يقدر أحد أن يفنيه من هذا الكون.

---

(٢٥) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ١٦٠

(٢٦) سورة الحديد، ٣/٥٧

(٢٧) سورة الأنبياء، ٢٢/٢١

(٢٨) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٢٢٦

في هذا البيت يتأكد الشيخ معين الدين الجشتي أن الله تعالى هو من الأزل، ولا حد لحمده وثناءه، ولا يليق لأحد أن يفنيه من هذا الكون.

مسؤولية الرزق على الله لجميع الخلق:

إنَّ لكلِّ كائنٍ حيٍّ احتياجاتٍ من أجل استمرار حياته، أو بتعبيرٍ آخر إنَّ النشاطات الحياتية تتطلب مواداً تولدُ الطاقةَ يجب أن تصل إلى الكائن الحيِّ دائماً. إنَّ نظامَ الرزق في عالم الخَلق ، وكيفية إعدادهِ، ثم كيفية وضعهِ في متناول كلِّ موجود، وكذلك الاستفادة منها، نظامٌ جميل ودقيقٌ للغاية، ومليءٌ بالأسرار أحياناً، حيث يختفي فيه جمع من الآيات المهمّة لتوحيد اللّٰه وعلمه وقدرته، لهذا استند عليه القرآن الكريم مراراً في مختلف الآيات. قال تعالى في القرآن الكريم:

﴿أَوَلَمْ يَرَوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ ويَقْدِرُ انَّ فِى ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤمِنُونَ﴾(٢٩)

وقال تعالى في مقام آخر:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾(٣٠)

وقال تعالى:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِى الأَرْضِ إِلَّا عَلىَ اللَّهِ رِزقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَها كُلٌّ فِى كِتَابٍ مُبِينٍ﴾(٣١)

وقال تعالى:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزقُكُمْ مِّنَ السَّمواتِ والأرْضِ قُلِ اللَّهُ وإنَّا أَو إِيَّاكُمْ لَعَلىَ هُدىً أو فِى ضَلالٍ مُّبْينٍ﴾(٣٢)

---

(٢٩) سورة الروم، ٣٧/٣٠

(٣٠) سورة الذاريات. ٥٨/٥١

(٣١) سورة هود، ٦/١١

والرزق كما ذكره الراغب في كتابه ''المفردات'' يعني البذل والعطاء المستمر، دنيوياً كان أو أخرويًا، كما يُقال للحظ والنصيب رزقًا، وكذلك للمواد الغذائية التي تصل إلى جوف الإنسان.[٣٣]

يقول ابن منظور في لسان العرب عن تعريف الرزق:

''الرزق نوعان: ظاهرة للأبدان كالأقوات، وباطنة للقلوب والنفوس، كأنواع المعارف والعلوم''[٣٤]

يقول الشيخ معين الدين الجشتي عن حصول الرزق من الله تعالى:

بگذرز فکر روزی ورزاق راشناس بنگر چگونہ رزق تو دلخواہ می رسد[٣٥]

ترجمة البيت: لا تتفكرْ عن القوت، واعرِف عن الرزاق، ثم أنت تُرزقُ حسب ضرورياتك.

في هذا البيت يقول الشيخ معين الدين أن الرازق الحقيقي هو الله تعالى، وهو يعرف عن ضروريات الناس وحوائجهم، ويتيقّن بأن الله تعالى يعطي الرزق لجميع الإنسانية وحتى للدواب وحشرات الأرض.

المداومة والمواظبة على ذكر الله:

إن المسلم يجب له أن يذكر الله في حياته كل الأحيان عندما يأكل أو يشرب، والمسلم يذكر الله حين يصبح ويمسي. وقد علّم رسول الله الأدعية المختلفة لأمته منذ الصباح إلى المساء، ومن المساء إلى الصباح لكي يشتغل الناس في ذكر الله. وهذا يدل على أهمية ومداومة ذكر الله تعالى. إن الله سبحانه وتعالى أولى اهتمامًا كبيرًا للذكر بعد الصلاة المفروضة، كما قال في القرآن الكريم:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ﴾[٣٦]

---

(٣٢) سورة سبأ، ٢٤/٣٤

(٣٣) راغب الأصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد، (دون السنة)، المفردات في غريب القرآن، دار المعرفة، لبنان. ص ١٩٤

(٣٤) ابن منظور الأفريقي، محمد بن مكرم بن منظور، (دون السنة)، لسان العرب، دار صادر، بيروت. ١١٥/١٠

(٣٥) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ١٦٨

إن الله تبارك وتعالى أكد أهمية الذكر بعد فروغ العبد من الصلاة، لأنه يريد سبحانه أن يأخذ العبد ثمرة صلاته ويعرف أنه كان في الصلاة يقف أمام المولى عز وجل وكله أمل أن يتقبل الله صلاته.

يقول الشيخ معين الدين الجشتي عن مداومة ومواظبة ذكر الله تعالى:

''ربود جان ودلم را جمالِ نامِ خدا نواخت تشنه لبان راز لالِ نامِ خدا''(٣٧)

ترجمة البيت: إن جمال اسم الله أخذ عني نفسي وقلبي، وحلوة اسم الله تعالى رَوِيَتْ شِفَاهِي.

في هذا البيت قد وضّح لنا الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري طرقا مختلفة إلى مجالسة الله سبحانه هو مجالسة أسمائه ليلا ونهارا، وأوصانا بترك الدنيا والحظوظ النفسانية لكي نصل إلى مقام أعلى. وهكذا أن أبياته تدلّ على حقيقة التوحيد، وحرقة نار العشق والخوف والوجل من يوم القيامة، وبيّن مقام الإنسان وقدره، كما أنه يرشد مريديه بترك الدنيا ويعظهم بتمسّك الأخلاق العالية.

القنوط من رحمة الله لا يجوز:

إن القنوط واليأس ليس من صفات المؤمنين، ولا يليق لمسلم أن يقنط وييئس من رحمة الله تعالى، لأن رحمه وسعت على كل شيء، وهو أرحم الراحمين. إن اليأْس والقنوط من صفات الكافر والضال.

قال الله تعالى:

﴿قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾(٣٨)

وقال تعالى في مقام آخر:

﴿إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾(٣٩)

---

(٣٦) سورة النساء، ١٠٣/٤

(٣٧) الجشتي، معين الدين الأجميري، (دون السنة)، إشراف: مسلم أحمد النظامي، كتب خانة نذيرية، دهلي، الهند. ص ١٧

(٣٨) سورة الحجر، ٥٦/١٥

ويذكر الإمام عبد الرحمن السعدي عن القنوط واليأس:

''يخبر تعالى عن طبيعة الإنسان، أنه جاهل ظالم بأنَّ الله إذا أذاقه منه رحمة كالصحة والرزق، والأولاد، ونحو ذلك، ثم نزعها منه، فإنه يستسلم لليأس، وينقاد للقنوط.''(٤٠)

يقول الإمام ابن عطية الأندلسي عن اليأس:

''اليأْس من رحمة الله وتفريجه، من صفات الكافرين''(٤١)

يقول الإمام ابن عطية في مقام آخر:

''اليأْس من رحمة الله، وتفريجه من صفات الكافرين. إذ فيه إمَّا التكذيب بالربوبية، وإمَّا الجهل بصفات الله تعالى''(٤٢)

يقول الإمام البغوي عن القنوط واليأس:

''إذا هم يقنطون، ييأسون من رحمة الله، وهذا خلاف وصف المؤمن فإنه يشكر الله عند النعمة، ويرجو ربه عند الشدة.''(٤٣)

يقول الإمام قال الشوكاني عن اليأس والقنوط قائلا:

''﴿وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ من مرض، أو فقر، ﴿كَانَ يَئُوسًا﴾ شديد اليأْس من رحمة الله، وإن فاز بالمطلوب الدنيوي، وظفر بالمقصود نسي المعبود، وإن فاته شيء من ذلك استولى عليه الأسف، وغلب عليه القنوط، وكلتا الخصلتين قبيحة مذمومة.''(٤٤)

---

(٣٩) سورة يوسف، ٨٧/١٢

(٤٠) سعدي، عبد الرحمن بن ناصر، (٢٠٠٠م)، تفسير السعدي، مؤسسة الرسالة، بيروت. ٣٧٨/١

(٤١) ابن عطية، أبو محمد عبد الحق بن غالب، (١٩٩٣م)، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، دار الكتب العلمية، بيروت. ٢٧٤/٣

(٤٢) ابن عطية، المحرر الوجيز، ٢٧٤/٣

(٤٣) أبو محمد الحسين بن مسعود، (دون السنة)، معالم التنزيل، دار المعرفة، بيروت. ٥٧٩/٣

إن الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري هو يمنع مريديه عن اليأس والقنوط لأن هذه الخصلة قبيحة جدا، وإلى ذلك هو يشير في أبياته:

اے تشنہ بوادی عصیاں مبر امید کامواج بحر رحمت اللہ می رسد (۴۵)

لا تيأس في وادي الذنب عاطشا وقانطًا، سيأتي أمواج رحمة الرب إليك.

في هذا البيت يذكر الشيخ معين الدين الجشتي عن رحمة الله تعالى، ويقول: إن رحمة الله سوف يصل إلى المذنبين ولا يليق لمسلم أن ييأس من رحمة الله لأجل ذنوبه، بل يجب على المذنب أن يتيقّن على رحمة الله جميع الأحيان.

الصلاة على النبي ﷺ:

إن الصلاة والسلام على النبي هو أمر عظيم لكل مسلم. فقال تعالى:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(۴۶)

بما يدل على أن فضل الصلاة على النبي عظيم. لقد ورد كثير من الفوائد والبركات للذي يصلي ويسلم على النبي، كما جاء في الحديث النبوي الشريف:

''من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا''(۴۷)

فينال المسلم أجر وثواب طاعة الله سبحانه، ويقتدي به في الصلاة على النبي، كما أن في الصلاة على النبي تعظيماً له صلى الله عليه وسلم، وتكميلاً للإيمان، وزيادةً في الحسنات، وتكفيراً للسيئات، والفوائد التي نَجنيها من

(۴۴) شوكاني، محمد بن علي بن محمد، (دون السنة)، فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، دار الفكر، بيروت، لبنان. ۲۵۳/۳

(۴۵) الجشتي، معين الدين الأجميري، (۲۰۰۷م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ۱۶۸

(۴۶) سورة الأحزاب، ۳۳/ ۵۶

(۴۷) مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج، (دون السنة)، الصحيح، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ۱/۲۸۸، الرقم:۳۸۴

الصلاة على النبي ﷺ أكثرها فوائد دينيّة تتعلق بمضاعفة الأجر والثواب، والأحاديث المرغبة فيها كثيرة ، منها قوله ﷺ:

''أولى الناس بي يوم القيامة أكثرُهم عليَّ صلاة''(٤٨)

وعن حسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ:

''البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي''(٤٩)

يقول الإمام النووي في كتابه الأذكار عن الصلاة والتسليم على النبي ﷺ:

''إذا صلّى أحد على النبي ﷺ فليجمع بين الصلاة والتسليم، ولا يقتصر على أحدهما، فلا يقل: صلّى الله عليه فقط ولا عليه السّلام فقط.''(٥٠)

إن الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري يحرّض مريديه على الصلاة والسلام على النبي ﷺ وهو يقول:

مرا ز دیدہ و دل ہر زماں درود و مادم نثار روضہ پر نور صد رو بدر دو عالم(٥١)

ترجمة البيت: إنني أصلي وأسلم من قلبي عليك صلاة وسلاما في جميع اللحظة، يفدي الشمس والقمر وجميع العالَم على روضته.

ويقول في مقام آخر:

معین چہ تحفہ فرستد بغیر اَشک ز دیدہ کند درود پیالے رواں بسوئے تو ہر دم(٥٢)

---

(٤٨) الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى، (دون السنة)، السنن، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ٢/٣٥٤، الرقم/٤٨٤

(٤٩) الترمذي، السنن، ٥/٥٥١، الرقم/٣٥٤٦

(٥٠) النووي، يحي بن شرف، (١٩٨٤م)، الأذكار، دار الكتاب العربي، بيروت. ص٩٣

(٥١) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٢٣٢

(٥٢) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٢٣٤

ترجمة البيت: معين! ماذا يقدّم ويعرض في حضرتك تحفة وعطية بدون العبرات، إنه هو يصلي ويسلّم عليك في كل لحظة.

في هذين البيتين يذكر الشيخ معين الدين أني أصلي وأسلم وسلاما جميع اللحظات، ولا أنسى من الصلاة والسلام عليك يا رسول الله.

المحبة لرسول الله ﷺ ومتابعته:

إن محبة النبي هي سعادة في الدنيا والآخرة، وسبب النجاة في الآخرة، والمحبة لرسول الله هي واجبة على كل مسلم قطعًا، فالرسول ﷺ يستحق المحبة العظيمة بعد محبة الله -عزوجل- كيف لا وهو من أرانا الله به طريق الخير من طريق الشر، كيف لا وهو من عرفنا بالله عزوجل، كيف لا وهو من بسببه اهتدينا إلى الإسلام، أفيكون أحد أعظم محبة بعد الله منه؟

والأدلة على ثبوت وجوبها كثيرة، ومن ذلك قول الله سبحانه الذي جمع في آية واحدة كل محبوبات الدنيا، وكل متعلقات القلوب، وكل مطامع النفوس ووضعها في كفةٍ، وحب الله، وحب رسوله في كفةٍ:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾[٥٣]

يقول القاضي عياض رحمه الله:

''فكفى بهذا حضًّا وتنبيهًا ودلالة وحجة على إلزام محبته، ووجوب فرضها، وعظم خطرها، واستحقاقه لها صلى الله عليه وسلم؛ إذ قرّع تعالى من كان ماله وأهله وولده أحب إليه من الله ورسوله، وأوعدهم بقوله تعالى: ﴿فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾، ثم

(٥٣) سورة التوبة، ٩/٢٤

فسّقهم بتمام الآية فقال: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾، وأعلمهم أنهم ممن ضل ولم يهده الله عز وجل. فهذه آية عظيمة تبين أهمية ووجوب هذه المحبة.''(٥٣)

وقد ذكر الله تعالى في كلامه المجيد متصلا حبه في اتباع رسول الله قائلا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾(٥٥)

هذه الأدلة العظيمة تؤكد على وجوب محبة النبي ﷺ؛ إذ لا نزاع في أن محبة الله واجبة، وأن اتباع النبي ومحبته طريق إلى محبة الله. والآيات أكثر من أن تحصر في هذا المقام. وأما أحاديثه ﷺ فصريحة في الدلالة على وجوب هذه المحبة.

عن أنس قال قال رسول الله ﷺ:

''لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.''(٥٦)

فهذا الحديث من أوضح الأدلة على وجوب محبة الرسول ﷺ لأن المؤمن لا يستحق اسم الإيمان الكامل، ولا يدخل في عداد الناجين؛ حتى يكون الرسول ﷺ أحبَّ إليه من والده وولده والناس أجمعين، ومعنى ذلك ومن لوازمه أن تكون أوامر الرسول ﷺ ونواهيه مقدمة على كل الأوامر والنواهي، فالحب القلبي يَستلزم الاتباع والانقياد في الظاهر.

وهكذا قد ورد قصة عمر بن الخطاب ﷺ؛ فقد كان مع النبي ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ، وَاللَّهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْآنَ يَا عُمَرُ. (٥٧)

---

(٥٤) قاضي عياض، أبو الفضل القاضي عياض بن موسى، (١٩٨٨م)، الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت. ١٨/٢

(٥٥) سورة آل عمران: ٣١

(٥٦) البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، يمامة، بيروت. ١٤/١، الرقم/١٥

(٥٧) بخاري، الصحيح، ٢٤٤٥/٦، الرقم/٦٢٥٧

يقول الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري عن محبة رسول الله ومتابعته:

عروج جان معینی بر اوج اَو اَدنی بجز متابعت مصطفی نمی بینم(٥٨)

ترجمة البيت: لا يحصل النفس المعيني عروجا ورفعةً دون متابعة رسول الله.

في هذا البيت يذكر الشيخ معين الدين الجشتي أن حب رسول الله ومتابعته علامة للفوز والظفر في الدنيا والآخرة، لأن حب رسول الله إيمان كامل، ولا يكمل إيمان المسلم بدون حب رسول الله.

شفاعة الرسول ﷺ للمذنبين:

إن الشفاعة أعظم نعمة من نعم الله تعالى على حبيبه المصطفى ﷺ ويدخل المذنبون الجنة بسببها، وثبت بالنصوص القطعية أن الأنبياء الكرام عليهم السلام والصالحين العظام يشفعون يوم القيامة بينما النبي ﷺ يتولى منصب الشفاعة الكبرى التي عبّرها القرآن الكريم عنها "بالمقام المحمود" وهذا من أبرز مميزات وخصائص النبي ﷺ.

يقول الإمام الراغب الأصفهاني عن مفهوم الشفاعة:

الشَّفَاعَةُ الانْضِمَامُ إِلى آخَرَ نَاصِرًا لَهُ وَسَائِلاً عَنْهُ وَأَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِي انْضِمَامِ مَنْ هُوَ أَعْلَى حُرْمَةً وَمَرْتَبَةً إِلَى مَنْ هُوَ أَدْنَى.(٥٩)

أي الشفاعة انضمام من هو أعلى مرتبة ومنزلة إلى من هو أدنى حيث يطلب الأدنى المساعدة من الأعلى، وبناء عليه يساعد الأعلى الأدنى.

المفهوم الحقيقي للشفاعة

إن الله تعالى منح عباده المقربين الإذن للشفاعة للآخرين حيث يشفعون للمذنبين عند ربهم بأمره يوم القيامة ويقبل الله تعالى هذه الشفاعة فيغفر ذنوب المذنبين ويدخلهم الجنة.

---

(٥٨) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٢٤٨

(٥٩) راغب الأصفهاني، المفردات في غريب القرآن، ص٢٦٣.

يتولّى النبي ﷺ منصب الشفاعة الكبرى يوم القيامة، فتلك من خصائص نبوته ﷺ ويبيّن ذلك قوله تعالى: ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا﴾(٦٠). والمقام المحمود هو مقام الشفاعة.

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما حيث يقول:

إِنَّ النَّاسَ يَصِيْرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُوْلُونَ: يَافُلاَنُ، اشْفَعْ، يَا فُلاَنُ، اشْفَعْ، حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ.(٦١).

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما حيث قال النبي ﷺ:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِىَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِى وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. وَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ، فَبَيْنَاهُمْ كَذَالِكَ اسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. وَزَادَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِى ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ: فَيَشْفَعُ لِيُقْضَى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي حَتَّى يَأْخُذَ بِحَلَقَةِ الْبَابِ فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا، يَحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ.(٦٢).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي قَوْلِهِ ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا﴾(٦٣). سُئِلَ عَنْهَا، فَقَالَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ.(٦٤).

وعن كعب بن مالك رضي الله عنه حيث قال النبي ﷺ:

يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَنَا وَأُمَّتِي عَلَى تَلٍّ، وَيَكْسُوْنِي رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى حُلَّةً خَضْرَاءَ ثُمَّ يُؤْذَنُ لِي، فَأَقُوْلُ: مَا شَاءَ اللهُ أَنْ أَقُوْلَ: فَذٰكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ(٦٥).

---

(٦٠) بنى إسرائيل، ١٧/٧٩.

(٦١) بخاري، الصحيح، ٤/١٧٤٨، الرقم/٤٤٤١، ونسائي، السنن الكبرى، ٤/١٧٤٨، الرقم/١١٢٩٥

(٦٢) بخاري، الصحيح، ٢/٥٣٦، الرقم/١٤٠٥، بيهقي، شعب الإيمان، ٣/٢٦٩، الرقم/٣٥٠٩

(٦٣) بني إسرائيل، ١٧/٧٩.

(٦٤) ترمذي، السنن، ٥/٣٠٣، الرقم/٣١٣٧

(٦٥) أحمد بن حنبل، المسند، ٣/٤٥٦، الرقم/١٥٨٢١، ابن حبان، الصحيح، ١٤/٣٩٩، الرقم/٦٤٧٩

وعن سلمان ﷺ:

تُعْطَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَرَّ عَشَرَ سِنِيْنَ، ثُمَّ تُدْنَى مِنْ جَمَاجِمِ النَّاسِ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ، قَالَ: فَيَأْتُوْنَ النَّبِيَّ ﷺ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَنْتَ الَّذِى فَتَحَ اللهُ بِكَ، وَغَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. وَقَدْ تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّنَا. فَيَقُوْلُ: أَنَا صَاحِبُكُمْ، فَيَخْرُجُ يَحُوْشُ النَّاسَ حَتَّى يَنْتَهِىَ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَأْخُذَ بِحَلَقَةٍ فِى الْبَابِ مِنْ ذَهَبٍ، فَيَقْرَعَ الْبَابَ، فَيُقَالُ: مَنْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: مُحَمَّدٌ، فَيُفْتَحُ لَهُ، فَيَجِيْءُ حَتَّى يَقُوْمَ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ فَيَسْجُدَ. فَيُنَادِي: اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَذٰلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ(٦٦).

عن عبد الله بن مسعود ﷺ قال:

ثُمَّ يَأْذَنُ اللهُ ﷻ فِي الشَّفَاعَةِ، فَيَقُوْمُ رُوْحُ الْقُدُسِ جِبْرِيْلُ، ثُمَّ يَقُوْمُ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللهِ، ثُمَّ يَقُوْمُ عِيْسٰى أَوْ مُوْسٰى. قَالَ أَبُو الزَّعْرَاء: لاَ أَدْرِي أَيُّهُمَ؟ قَالَ: ثُمَّ يَقُوْمُ نَبِيُّكُمْ ﷺ رَابِعًا، فَيَشْفَعُ لاَ يَشْفَعُ لِأَحدٍ بَعْدَهٗ أَكْثَرَ مِمَّا يَشْفَعُ، وَهُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِي قَالَ اللهُ: ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا﴾(٦٧).(٦٨).

وذكر المفسّرون عدّة معانٍ للمقام المحمود، منها: الشفاعة ولواء الحمد وجوار الله تعالى يوم القيامة أو مقام عام يتمّ فيه الثناء.

إن النبي ﷺ رحيم بأمّته حيث يخرج المذنبين من جهنم ويدخلهم الجنة.

عن أبي موسى الأشعري حيث قال النبي ﷺ:

خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ؟ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعَمُّ وَأَكْفَى. أَتَرَوْنَهَا لِلْمُتَّقِيْنَ؟ لَا، وَلَكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ الْخَطَّائِيْنَ الْمُتَلَوِّثِيْنَ.(٦٩).

---

(٦٦) طبراني، المعجم الكبير، ٦/٢٤٧، الرقم/٦١١٧، ابن أبي شيبة، المصنف، ٦/٣٠٨، الرقم/٣١٦٧٥

(٦٧) بني إسرائيل، ١٧/٧٩.

(٦٨) طيالسي، المسند، ١/٥١، الرقم/٣٨٩

(٦٩) ابن ماجه، السنن، ٢/١٤٤١، الرقم/٤٣١١

وعن أبي هريرة ﷺ حيث قال النبي ﷺ:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ، فَأُرِيْدُ إِنْ شَاءَ اللهُ أَنْ أَخْتَبِىءَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ(٧٠).

وعن أبي هريرة ﷺ حيث قال النبي ﷺ:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ(٧١).

كان سيدنا معين الدين الجشتي الأجميري عالما بارعا وأنه اقتبس قبسا من أقباس رسول الله ﷺ، وأنشد البيت عن الشفاعة المحمدية وهو يقول:

یارسول اللہ شفاعت از تو میدارم اُمید باوجود صدہزاراں جرم در روز حساب (٧٢)

ترجمة البيت: يا رسول الله، أنا أعترف بذنوبي، وأن ذنوبي هي دون الحساب، ولكن آمل أنك تشفعني يوم القيامة.

وفي مقام آخر يقول:

بعذر خواہی مابر کشای لب بشفاعت کہ دل پُرست زدرود لب تو حقہ مریم (٧٣)

ترجمة البيت: يا شافع المذنبين، اشفع لنا لذنوبنا يوم القيامة، وقلبي مملوء بالصلاة عليك.

هذه الأبيات تؤكّد وتؤيد العقيدة الإسلامية بأن نبينا محمد يشفع للمذنبين يوم القيامة. لذا يرجو شيخنا معين الدين الأجميري شفاعة رسول الله ﷺ.

---

(٧٠) بخاري، الصحيح، ٢٧١٨/٦، الرقم/٧٠٣٦، ومسلم، الصحيح، ١٨٨/١، الرقم/١٩٨، وأحمد بن حنبل، المسند، ٣٨١/٢، الرقم/٨٩٤٦.

(٧١) مسلم، الصحيح، ١٧٨٢/٤، الرقم/٢٢٧٨، وأبوداود، السنن، ٢١٨/٤، الرقم/٤٦٧٣، وأحمد بن حنبل، المسند، ٥٤٠/٢، الرقم/١٠٩٨٥.

(٧٢) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ١٠٢

(٧٣) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٢٣٤

فضيلة ذكر الله:

يعدّ ذكر الله تعالى من أبرز الأمور التي تدل على قرب العبد من ربه ومحبته له، وأمر الله تعالى عباده بذكره وجعله باباً لرضاه، حيث قال في كتابه الكريم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْراً كَثِيراً﴾[۷۴]

فالذكر سكينةٌ للنفس وطمأنينةٌ للقلب، به تنفرج الكروب وتُحلّ العقد، ويؤدي إلى محبة الله عز وجل. وقال تعالى في مقام آخر:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[۷۵]

وقال تعالى في مقام آخر:

﴿وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾[۷۶]

لقد جاءت الأحاديث الكثيرة عن رسول الله ﷺ في فضيلة الذكر وأنه قال ﷺ:

''مَن استَيقظَ مِن اللَّيلِ وأيقظَ امرأتَهُ فصلَّيا ركعتَينِ جميعًا كُتِبا مِن الذَّاكرينَ اللَّهَ كثيرًا والذَّاكراتِ.''[۷۷]

وذكر الله هو سبب نقاء القلب وتكفير الذنوب كما جاء في الحديث والآثار. عن أبي الدرداء رضي الله عنه: قال:

''لكل شيء جلاء، وإن جلاء القلوب ذكر الله عز وجل.''[۷۸]

وشيخنا معين الدين الجشتي الأجميري يشير إلى فضيلة ذكر الله تعالى قائلا:

---

(۷۴) سورة الأحزاب: ٤١

(۷۵) سورة الجمعة، ١٠/٦٢

(۷۶) سورة الأحزاب: ٣٥

(۷۷) أبو داود، سليمان بن الأشعث، (دون السنة)، السنن، دار الفكر، بيروت. ٧٠/٢، الرقم/١٤٥١

(۷۸) بيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين، (١٤١٠هـ)، شعب الإيمان، دار الكتب العلمية، بيروت. ٣٩٦/١، الرقم/٥٢٣

بر دل غافل کجا تابد فروغ مہر دوست مہبط آں نور نبود جز دل آگاہ ما[٧٩]

ترجمة البيت: من يغفل عن ذكر وفكر المحبوب لا ينظر المحبوب إليه، النور ينزل على قلب الذي يذكره.

في هذا البيت يذكر الشيخ معين الدين أن قلب المسلم يذكر الله ولا ينساه قط، لأن المحبوب الحقيقي هو الله، ويجب على المسلم أن لا يغفل عن ذكر الله، كما قال تعالى:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى﴾[٨٠]

هذه الأية تدلّ على من يعرض عن ذكر الله، سوف هو يواجه مشاكل كثيرة في حياته، ولذا المسلم لا يغفل عن ذكر الله قط في جميع الأوقات.

كل شيء خُلِق من نور المصطفى:

إن الله تعالى قادر على كل شيء، وعنده قدرة حقيقة أن يخلق أي شيء، وكل شيء في يده. قد بدأ الجدل والمشاجرة عن أول خلق بين الناس، بعض الناس يقولون: إن اللوح والقلم خُلق أولًا، وبعضهم يقولون: إن حقيقة المحمدية خُلق أولًا، وأنا أقدّم الأدلة من الحديث النبوي الشريف عن كون محمد خلقا أولًا.

> ''يحدّثنا عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر رضي الله عنه قال: سألت رسول الله عن أول شيء خلقه الله تعالى فقال: هو نور نبيك يا جابر خلقه الله، ثم خلق فيه كل خير، وخلق بعده كل شيء، وحين خلقه أقامه قدامه من مقام القرب اثني عشر ألف شنة، ثم جعله أربعه أقسام، فخلق العرش والكرسي من قسم، وحملة العرش وخرنة الكرسي من قسم، وأقام القسم الرابع من مقام الحب اثني عشر ألف، ثم جعله أربعة أقسام، فخلق القلم من قسم، واللوح من قسم، والجنة من قسم، ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثني عشر ألف سنة جعله أربعة أجزاء، فخلق الملائكة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والكواكب من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعة أجزاء، فخلق العقل من جزء، والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء، وأقام الجزء الرابع

(٧٩) الجشتي، معين الدين الأجميري، (٢٠٠٧م)، شبير برادرز، لاهور، باكستان. ص ٩٧

(٨٠) سورة طه، ١٢٤/٢٠

في مقام الحياء اثني عشر ألف سنة، ثم نظر الله عز وجل إليه فترشّح النور عرقا، فقطر منه مائة ألف وأربعة قطرة من نور، فخلق الله من كل قطرة روح نبي، أو روح رسول، ثم تنفست أرواح الأنبياء، فخلق الله من أنفاسهم الأولياء والشهداء والسعداء والمطيعين إلى يوم القيامة.....الخ،،(٨١)

فثبت لدينا أن سيدنا ومولانا محمد ﷺ أول مخلوق في العالم أي أول روح مخلوقة، وآدم عليه السلام أول شبحية مخلوقة، إذ أن آدم عليه السلام مظهر من مظاهره صلى الله عليه وآله وسلم، ولا بد للجوهر أن يتقدمه مظهر، فكان آدم عليه السلام متقدّما بالظهور في عالم التصوير والتدبير، وسيدنا محمد صلى الله عليه وآله وسلم مقدّما في عالم الأمر والتقدير، لأنه حقيقة الحقائق، وسراج المشارق في كل المغارب.

خلاصة البحث:

بعد دراستنا لشعر الشيخ معين الدين الجشتي الأجميري حول الإتجاه الإسلامي نجد أن الشيخ معين الدين الأجميري مملوء بالمواعظ والأفكار العظيمة والإشارات البليغة، الاهتمام بأداء الصلوات، والواجبات، والأذكار، والمواظبة عليها بكل نشاط وتحمّس، والصلوات والتسليمات على سيدنا محمد صلى الله عليه وآله وسلم، والالتزام بأحكام الشريعة الإسلامية وضوابطها، وعدم اختيار الحياة الرهبانية، والعزلة والانقطاع عن الناس، وعدم إظهار الكرامات والخوارق، واختيار السبل المشروعة لكسب الرزق، وتفريج الكرب المكروبين، وقضاء حاجة المساكين، وإطعام الجائعين، والتسامح مع غير المسلمين، واحترام حريتهم الدينية والفكرية. ونرجو من الله تعالى أن يجعل هذه الاتجاهات والمعلومات مفيدة لنا والقرّاء الكرام.

☆☆☆☆☆

(٨١) صنعاني، أبو بكر عبد الرزاق بن همام، (٢٠٠٥م)، المصنف (الجزء المفقود)، مؤسسة الشرف، لاهور، باكستان. ص ٦٤-٦٥

المجاز المرسل

تعريفه وعلاقاته وفوائده

☆ حافظ عبد الرشيد

☆☆ الدكتور فيض الله البغدادي

ABSTRACT

In this article, the most important topic of “transmitted metaphor” المجاز المرسل is discussed. This article explains about transmitted metaphor its definition, history, types and applications and also its relations with Holy Quran and Hadiths. Finally, the benefits of transmitted metaphor are also explained. The reader can knows and judges that how it is important to know about transmitted metaphor to create eloquence, fluency, charm and attractiveness in the conversation.

Keywords: Quran, Metaphirical, Resemblance, eloquence, Imagery

التمهيد:

قد تنوعت صور الكلام عند العرب، فتكلّموا اعتبارًا بالحقيقة اللغوية للفظ تارة، وبالحقيقة المعنوية تارة أخرى، وكذلك قد استعملوا اللفظ، وأرادوا معناه المنحصر المرادُ به على قرينة تمنع حمله على المعنى الوضعي، فقالوا: رأيت الأسد يتكلّم، أي: رجلا شجاعًا، ورعت الماشية الغيث، أي: النبات، ولفلان عليّ يد، أي: النعمة، وسمّوا هذا الضرب من الكلام مجازًا، متّسعين في الكلام، مدلّلين على كثرة معاني الألفاظ لما فيه من الدقة في التعبير، وحصول السّرور للنفس به، والأريحية لها، حتى أتوا فيه بكل معنى رائق وزيّنوا به خطبهم ودواوينهم.

☆ الباحث بمرحلة الدكتوراة بجامعة المنهاج، لاهور

☆☆ الأستاذ المساعد بالقسم العربي، جامعة المنهاج، لاهور

فالمجاز عندهم – في مفهومه العام – مشتقّ من جاز يجوز على وزن قال، معتل العين، وجاز الشيء يجوزه إذا تعداه، وسبب تسميته نقل معناه من معناه الأصلي، واستعماله على معنى غيره مناسب له.

هذا؛ وقد أطلق معنى المجاز عند المتقدّمين – كما يظهر من تعريفه اللغويّ – وكانوا يطلقونه على المجاز المرسل والمجاز المفرد بالاستعارة، والمجاز المركب المرسل، والمجاز المركب بالاستعارة، والمجاز العقلي أي: إسناد الفعل أو ما في معناه (وهو المصدر، واسم الفاعل، واسم المفعول، والصفة المشبهة واسم التفضيل والظرف) إلى ما ليس له حقيقة. وسوف نذكر في السّطور التالية، معنى المجاز بمعناه العام، والمجاز المرسل في إطلاقه الخاص، وما قيل في الفرق بين المجاز المرسل والاستعارة وغير ذلك من المباحث التي لها صلة بالمجاز. نسأله الله التوفيق وما التوفيق إلا بالله.

المجاز المرسل لغة:

المرسل مادته ر س ل. الرَّسَلُ، مُحَرَّكَةً: الْقَطِيعُ مِن كُلِّ شَيْءٍ،جمعه: أَرْسَالٌ، هَكَذَا فِي الْمُحْكَمِ، وَفِي الْمِصْباحِ: ويُسْتَعْمَلُ فِي النَّاسِ تَشْبِيهًا. قُلتُ: وَمِنْه الحديثُ: أنَّ النَّاسَ دَخَلُوا عليهِ بَعْدَ مَوْتِهِ أَرْسالًا يُصَلُّونَ عَلَيْهِ، أَيْ: أَفْواجاً، وفِرَقاً مُتَقَطِّعَةً، يَتْلُو بعضُهم بَعْضًا.

والمرسل من الإرسال: معناه: الإِطْلاقُ، والتَّخْلِيَةُ، والإِرْسالُ أَيْضا: الإِهْمالُ، وَهُوَ قَرِيبٌ مِن الإِطْلاقِ والتَّخْلِيَةِ.[1]

تاريخ المجاز المرسل:

يبدو أنّ السّكاكي (المتوفى سنة ٦٢٦هـ) هو أوّل من أطلق هذه التّسمية عليه.[2] وإن كان من سبقه قد أدرك الفرق بين الاستعارة وهذا النوع من المجاز، ولكنّه لم ينصّ عليه إلا من خلال علاقة غير المشابهة كما هي الحال عند عبد القاهر.[3]

ثم الخطيب القزويني (المتوفى ٧٣٩هـ) تابع السّكاكي في التّسمية والتّعريف معًا، فقال عنه:

---

(١) زبيدي، أبو الفيض، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني، (دون السنة)، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية. ٢٩/ ٦٨ وما بعدها.

(٢) سكاكي، أبو يعقوب، يوسف بن أبي بكر بن محمد الخوارزمي، (١٩٨٧م)، مفتاح العلوم، ضبط وتعليق: نعيم زرزور، دار الكتب العلمية، بيروت. ص٤١٤ وما بعدها.

(٣) عبد القاهر الجرجاني، أسرار البلاغة، ص ٣٠٤.

"وهو ما كانت العلاقة بين ما استعمل فيه، وما وضع له ملابسة غير التّشبيه، كاليد إذا استعملت في النّعمة، لأنّ من شأنها أن تصدر عن الجارحة، ومنها تصل إلى المقصود بها، ويشترط أن يكون في الكلام إشارة إلى المولي لها، فلا يقال: اتسعت اليد في البلد، أو اقتنيت يدا، كما يقال: اتسعت النّعمة في البلد، أو اقتنيت نعمة، وإنّما يقال: جلّت يده عندي، وكثرت أياديه لدي ونحو ذلك."[٤]

وفي هذا التعريف تبدو العلاقة بين الاستعمال الحقيقي والمعنى المجازيّ، وتظهر الفروق المميزة بين الاستعارة والمجاز المرسل. فبالنّسبة لليد، وهي وإن كانت جارحة لا تتصرّف إلا بأمر من الإنسان نفسه. كلّ صادر عنها بعلاقة ومناسبة غير المشابهة لدى الاستعمال المجازي. لهذا فقد كان اختيار علاقة غير المشابهة للمجاز المرسل، وعلاقة المشابهة للاستعارة، اختيار موفّق لدى التّفريق بينهما، فكما كانت الملابسة بين اليد والنّعمة واضحة في غير المشابهة بين الحقيقتين.

فحقيقة المجاز المرسل جاءت على أساس عدم ارتباطه بعنصر المشابهة في ملابسته للمعنى بغير التّشبيه، وتسميته جاءت لخلوّه من القيود وسلامته من الحدود. ولمّا كانت الاستعارة مقيّدة بادعاء أنّ المشبه من جنس المشبه به، كان المجاز المرسل مطلقًا من هذا القيد، وحرا من هذا الارتباط، فهو طليق مرسل وكفى.

تعريف المجاز المفرد المرسل:

المجاز المفرد المرسل: "هو الكلمة المستعملة قصدًا في غير معناها الأصليّ لملاحظة علاقة غير (المشابهة) مع قرينة دالّة على عدم إرادة المعنى الوضعي."[٥]

وقال حامد عوني عنه: "هو الكلمة المستعملة في غير المعنى الذي وضعت له لعلاقة غير المشابهة، مع قرينة مانعة من إرادة المعنى الموضوع له."

كما في قولنا: "رعت الإبل الغيث" ففي "الغيث" مجاز مرسل؛ لأنّه كلمة نقلت من معناها الأصليّ وهو: "الماء" إلى معنى آخر وهو: "النّبات" بقرينة "الرّعي" فإن الغيث لا يرعى، وليست له العلاقة بين النّبات والماء

---

[٤] القزويني، الإيضاح، ص٢٨٠، ٣٩٧

[٥] أحمد بن إبراهيم بن مصطفى الهاشمي، (دون السنة)، جواهر البلاغة في المعاني والبيان والبديع، المكتبة العصرية، بيروت. ص٢٥٢.

المشابهة كما ترى، إنّما العلاقة بينهما هي: أنّ أحدهما سبب في الآخر، ولا شكّ أنّ الغيث سبب في النّبات، وكفى هذه السببية علاقة تصحّح استعمال الغيث في النّبات.

وسمّي مجازًا مرسلًا؛ لأنه أرسل أي: أطلق عن التّقييد بعلاقة واحدة، وأنّ له عدة علاقات سيأتي بيانها بعد، أو لأنه أرسل عن دعوى الاتّحاد المعتبرة في الاستعارة، إذ ليست العلاقة بين المعنيين في المجاز المرسل المشابهة حتّى يدعى اتّحادهما.[٦]

الفرق بين المجاز المرسل والاستعاره:

قال الإمام الزركشي: وَيُسَمَّى الْمَجَازُ الَّذِي عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةُ اسْتِعَارَةً، فَالِاسْتِعَارَةُ أَخَصُّ مِنَ الْمَجَازِ، وَخَصَّ الْإِمَامُ الِاسْتِعَارَةَ بِالْمُتَشَابِهِ الْمَعْنَوِيِّ لَا الصُّورِيِّ وَتَبِعَهُ الْهِنْدِيُّ، وَحَكَى عَبْدُ اللَّطِيفِ الْبَغْدَادِيُّ عَنْ بَعْضِهِمْ: أَنَّ الْمَجَازَ وَالِاسْتِعَارَةَ مُتَرَادِفَانِ، وَادَّعَى بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَجَازَ مُنْحَصِرٌ فِي الْمُشَابَهَةِ[٧].

وفي اللفظ الآخر: الاستعارة قائمة على التّشبيه (مشبه ومشبه به) محذوف أحد طرفيه إمّا المشبه أو المشبه به. والمجاز المرسل لا يعتمد إطلاقًا على التّشبيه بل يرسل لغاية تعميق الأثر وتقوية المعنى ولا علاقة مشابهة فيه.

كما قال الله تعالى في القرآن: ﴿يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ﴾[٨] في الآية مجاز مرسل بكلمة (أصابعهم) ذكر كل الأصابع وأراد الجزء من الإصبع لكن أرسله لغاية لعلاقة هي (كلية)، لأنه ذكر الكل فعرفت أنا مدى تأذي المشركين من القرآن وحقدهم عليه. إذن المجاز المرسل: لفظ استعمل في غير معناه الحقيقي ولا علاقة مشابهة بين اللفظ والمعنى الذي استخدم له. يعني (جزء من الإصبع تغلق به الأذن) لا يشبه (بجميع الأصابع) والقرينة التي جعلتنا نفهم أنّه جزء من الإصبع هو قوله: (في آذانهم)، فالأذن لا تتّسع إلا لجزء من الإصبع.

ويرى الأصوليّون أنّ هذه العلاقاتِ تحتاج إلى القرينة التي ينصبها المتكلّم كعلامة صارفة عن المعنى الحقيقيّ، أو عن المنطق اللغويّ الأصليّ. فعن طريق هذه القرائن والعلاقات الهادية إلى المعنى المراد أو المعنى المجازيّ يتمّ الانتقال بالذّهن إلى الأمرِ المجهول من الأمر المعلوم.

---

[٦] حامد عوني، (دون السنة)، المنهاج الواضح للبلاغة، المكتبة الأزهرية للتراث، ١٣٣/١.

[٧] الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين، محمد بن عبد الله بن بهادر، (١٩٩٤م)، البحر المحيط في أصول الفقه، دار الكتاب. ٧١/٣

[٨] سورة البقرة، ١٩/٢

علاقات المجاز المفرد المرسل:

تقدّم أنّ المجاز إمّا مرسل وإمّا استعارة، وكلّ واحد منهما إمّا مفرد أو مركّب. ذكر البلاغيّون والأصوليّون أنواعًا للعلاقات في المجاز المفرد المرسل. فمنهم من يحصرها في خمسة وعشرين علاقة، ومنهم من يجعلها أقلّ، ومنهم من يجعلها أكثر. السّبب في هذا أن البلاغيّين قد أغاروا في جملة من الأصناف على علم المعاني كما نذهب إليه جزء لا يتجزأ من علم النّحو العربي. فإذا رأينا جملة من البلاغيّين قد بحثوا في المجاز اللغويّ المرسل، وعدّدوا أصنافه، أشتاتًا من مفردات علم المعاني، فهذا ما لا يتّفق مع منهجنا.

لقد أطنب الإمام الزركشي في ذكر جملة من الأصناف العديد للمجاز اللغويّ المرسل، وادّعى ورودها في كتاب الله.[(٩)]

وقد عدّ التفتازانيّ استعمال أدوات الاستفهام في غير الاستفهام من المجاز.[(١٠)]

وقد عدّ الإمام السّيوطيّ خروج الخبر إلى الإنشاء، والإنشاء إلى الخبر من المجاز، وأشار إلى أنّ بعضهم يرى التّقديم والتأخير والالتفات والتّغليب من المجاز.[(١١)]

هذه بعض معالم التّوسّع في علاقة المجاز اللغويّ المرسل عند جملة من البلاغيّين المتقدّمين.

وقال أحمد الهاشمي: للمجاز المفرد المرسل علاقات كثيرة. ثم ذكر ثماني عشرة علاقة[(١٢)]

يقول الدكتور أحمد مطلوب:

"ونحن حينما نعيد تصنيف المجاز ينبغي أن ندخل فيه هذه المسائل، لأنّها شديدة الصّلة به، بل لأنها ألوان بديعة من فنونه، ونرى أن تدخل في المجاز المرسل، لأنّه واسع الخطو فسيح المدى، وله علاقات كثيرة يمكن التّوسّع فيها."[(١٣)]

---

(٩) الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين، (١٩٥٧م)، البرهان في علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعرفة، بيروت. ٢/٢٥٦- ٢٩٩.

(١٠) التفتازاني، سعد الدين، مسعود بن عمر، (١٩١٢م)، المطول في شرح تلخيص مفتاح العلوم، مطبعة أحمد كامل. ص٢٣٥.

(١١) السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، (١٩٧٤م)، الإتقان في علوم القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب. ١٣٥/٣ وما بعدها.

(١٢) أحمد بن إبراهيم بن مصطفى الهاشمي، (دون السنة)، جواهر البلاغة في المعاني والبيان والبديع: ٢٥٢– ٢٥٤.

(١٣) أحمد بن مطلوب (الدكتور)، (١٩٧٥م)، فنون بلاغية، دار البحوث العلمية، الكويت.

وكتب حامد عوني أيضًا:

"للمجاز المرسل علاقات عدة." ثم ذكر ثماني عشرة علاقة"[١٤]

فمن علاقات المجاز المفرد المرسل نذكر ما يلي:

١. السببية: بأن يستعمل السبب في المسبب، نحو: (رعت الماشية الغيث) أي النبات، إذ الغيث سبب النبات، والقرينة (رعت).

٢. المسببية: بأن يستعمل المسبب في السبب، نحو: ﴿وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾[١٥] أي: مطرًا، إذ المطر سبب الرّزق، والقرينة: الإنزال من السّماء.

٣. الجزئيّة: بأن يستعمل الجزء في الكلّ، قال تعالى: ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾[١٦] أي: إنسان مؤمن، والقرينة: التّحرير. وقال رسول الله a: (لا يدخل الجنّه لحم نبت من سحت)[١٧] لأن المقصود باللحم الإنسان فذكر الجزء وأراد الكل.

٤. الكلية، بأن يستعمل الكل في الجزء، قال تعالى: ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[١٨]، عبر بالجزء عن الكل؛ لأن المراد الصلاة، والركوع جزء منها.

ومثال ذلك أيضًا: قوله سبحانه وتعالى في الحديث القدسي: (قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين...)[١٩]، فهذا تعبير بالكلّ عن الجزء.

---

[١٤] حامد عوني، المنهاج الواضح للبلاغة، ص ١٣٤ – ١٣٩.

[١٥] سورة الغافر، ٤٠/١٣

[١٦] سورة النساء، ٤/٩٢

[١٧] أحمد بن حنبل، المسند، ٣/٣٢١، الرقم/١٤٤٨١

[١٨] سورة البقرة، ٢/٤٣

[١٩] مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج، (دون السنة)، دار إحياء التراث العربي، بيروت. ١/٢٩٦، الرقم: ٣٨

٥. اعتبار ما كان: بأن يستعمل اللفظ الذي وضع للماضي في الحال، قال تعالى: ﴿وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ﴾[٢٠] فإنّهم كانوا يتامى، وإذا بلغوا الرّشد الذي يصحّ معه إعطاء أموالهم زال عنهم اليُتم.

٦. اعتبار ما يكون: بأن يستعمل اللفظ الذي وضع للمستقبل في الحال، قال تعالى: ﴿إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا﴾[٢١] أي: عصيرًا يؤول أمره إلى الخمر، إذ هو حال العصر لا يكون خمرًا، ويسمّى (المجاز بالأَول).

٧. الحاليّة: بأن يستعمل الحالّ في المحلّ، كقولهم: (أرى سوادًا من بعيد)، فإن المراد الذات، والسّواد حالّ.

٨. المحلّية: بأن يستعمل المحل ويراد الحالّ، قال تعالى: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾[٢٢] فإنّ المراد أهلها، إذ القرية لا تسأل. قال رسول الله a عن جبل أحد: (أحد جبل يحبّنا ونحبه) فذكر المكان وأراد الحالين به وهم أهل المدينة.[٢٣]

٩. المضادة: بأن يسمّى الشّيء باسم ضدّه، كقوله تعالى: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾[٢٤] فقد أطلق على الجزاء سيّئة مع أنّه عدل؛ لكونها ضدّها.

١٠. اللازمية: بأن يستعمل اللازم في الملزوم، كإطلاق "المس" على الجماع.

١١. الملزومية: بأن يستعمل الملزوم في اللازم، نحو: (جلست في القمر) أي: في ضوئه.

١٢. الآلية: بأن يستعمل الآلة في المسبب منها، قال تعالى: ﴿وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾.[٢٥] بمعنى الذّكر الحسن، فإنّ اللسان آلة للذكر، والقرينة: أنّ اللسان لا يبقى، ولا ينفع الميّت بمجرّده.

---

(٢٠) سورة النساء، ٢/٤

(٢١) سورة يوسف، ٣٦/١٢

(٢٢) سورة يوسف، ٨/١٢

(٢٣) البخاري، أبو عبد الله محمد بن اسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، بيروت. ٥٣٩/٢، الرقم/١٤١١

(٢٤) سورة الشورى، ٤٠/٤٢

(٢٥) سورة الشعراء، ٨٤/٢٦

١٣.المقيدية: بأن يستعمل المقيّد في المطلق، نحو: (مشفر زيد مجروح) فإن (المشفر) في اللغة: شفة البعير، فاستعمل في مطلق الشّفة، ثم نقل إلى شفة الإنسان وهو زيد.

١٤.المطلقية: بأن يستعمل المطلق في المقيّد، نحو: ﴿تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ [٢٦] أي: رقبة مؤمنة.

١٥.العمومية: بأن يستعمل العامّ في الخاصّ، قال تعالى: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ [٢٧] والمراد: عبد الله بن مسعود رضي الله عنهما.

١٦.الخصوصية: بأن يستعمل الخاصّ في العامّ، نحو: (جاءت قريش) فإنّ المراد القبيلة، مع أنّ قريش عَلَم لجدّهم.

١٧.المجاز بالمشارفة: وهو كالمجاز بالأوّل إلا أنّ الفرق بينهما كون (الأوّل) أعمّ من القريب والبعيد، و(المشارفة) لخصوص القريب، قال ﷺ: (من قتل قتيلا له عليه بينة، فله سلبه) [٢٨] فإن القتيل لا يُقتل، وإنما المراد المشرف على القتل ومثله: (إذا مات الميّت فدعوه) [٢٩]

١٨.البدلية: بأن يستعمل البدل في المبدل منه. كتسمية الأداء بالقضاء في قوله تعالى: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ﴾ [٣٠] أي: أديتم.كقولنا: تيمّمنا بماء المزن حتى فقدناه فقمنا للتراب، والمراد: توضّينا، فإنّ التيمّم بدل عن الوضوء، والوضوء مبدل منه، فاستعمل البدل في المبدل منه.

١٩.المبدلية: بأن يستعمل المبدل منه في البدل،كتسمية الدية بالدم،فكانوا يقولون:(أكل فلان دم فلان) يريدون الدية، فإن الدم مبدل منه.

٢٠.المجاورة: بأن يستعمل الجار في المجاور، كقولهم: (كلمت الجدار) أي: الجالس بجنبه.

---

[٢٦] سورة المائدة، ٨٩/٥

[٢٧] سورة آل عمران، ١٧٣/٣

[٢٨] أبو داود، سليمان بن الأشعث، (دون السنة)، السنن، دار الفكر، بيروت. ٣٥٠/٤، الرقم: ٢٧١٧

[٢٩] الطيالسي، سليمان بن داود، (دون السنة)، المسند، دار المعرفة، بيروت. ٦٠/٣، الرقم: ١٥٤٩

[٣٠] سورة النساء، ١٠٣/٤

٢١. إطلاق المصدر على اسم الفاعل: كقولنا: "رجل عدل" أي: عادل.

وقوله: ولما بدا سيرٌ ذهبت لنحوه لاستبرء الأخبار من أهل كوفان فالمراد بالسير: السائر.

٢٢. إطلاق المصدر على اسم المفعول: كقوله تعالى: ﴿هَذَا خَلْقُ اللهِ﴾ (٣١) أي: مخلوقه.

٢٣. إطلاق اسم الفاعل على المصدر: قال تعالى: ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ (٣٢) أي: تكذيب. وقولنا: "قم قائما" أي: قياما.

٢٤. إطلاق اسم الفاعل على اسم المفعول: قال تعالى: ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ (٣٣) أي: لا معصوم.

٢٥. إطلاق اسم المفعول على اسم الفاعل: قال تعالى: ﴿حِجَابًا مَسْتُورًا﴾ (٣٤) أي ساترًا.

٢٦. إطلاق اسم المفعول على المصدر: كقوله تعالى: ﴿بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ﴾ (٣٥) أي: الفتنة.

ولا يخفى أن في بعض الأمثلة مناقشة، كما أنّ العلاقة لا تنحصر فيما ذكروا، بل كلّما استحسنه الطبع جاز استعماله.

تعريف المجاز المركب المرسل:

وقال عبد الرّحمن بن حسن حبنكة عنه: هو لفظ مركّب يستعمل بهيئته التركيبية في غير المعنى الذي وُضِعَتْ له صيغة جملته في اصطلاح التّخاطب، لعلاقة غير المشابهة، مع قرينة مانعة من إرادة المعنى الأصليّ.

ويكون هذا المجاز في قسمين: القسم الأول: المركّبات الخبرية.القسم الثاني: المركّبات الإنشائيّة (٣٦).

(٣١) سورة لقمان، ١١/٣١

(٣٢) سورة الواقعة، ٢/٥٦

(٣٣) سورة هود، ٤٣/١١

(٣٤) سورة الإسراء، ٤٥/١٧

(٣٥) سورة القلم، ٦/٦٨

(٣٦) عبد الرحمن بن حسن حبنكة الميداني الدمشقي، البلاغة العربية، ٢/ ٢٨٩.

فمن أهم علاقاته:

التحسّر: كقوله: ذهب الصّبا وتولّت الأيّامُ... فإنه خبر أريد منه إنشاء التّحسّر على ما فات من شبابه.

إظهار الضّعف: قال تعالى: ﴿إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي...﴾ [٣٧] إظهارًا للضّعف.

إظهار السّرور: قال تعالى: ﴿قَالَ يَا بُشْرَى هَذَا غُلَامٌ﴾ [٣٨].

الدّعاء: كقوله: هداك الله للسبيل السويّ.

إظهار عدم الاعتماد: قال تعالى: ﴿هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ﴾ [٣٩]

فوائد المجاز المرسل وأسراره:

وقال ابن جني في الخصائص: "إنما يقع المجاز ويعدل إليه عن الحقيقة لثلاثة معان: وهي الاتساع والتّوكيد والتّشبيه." وضرب لذلك مثالا بقوله تعالى: ﴿وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا﴾ [٤٠]

وفيه المبررات الثلاثة: أمّا الاتساع: فكأنه زاد في أسماء الجهات. وأمّا التشبيه: فلأنّه شبه الرّحمة بما يجوز دخوله من المحال فلذلك وضعها في موضعه..وأمّا التّوكيد: فلأنه أخبر عن العرض بما يخبر به عنه الجوهر [٤١]

وقال جلال الدين السيوطي في المزهر: "والمجاز إمّا لأجل اللفظ أو المعنى أو لأجلهما فالذي لأجل اللفظ إمّا لأجل جوهره بأن تكون الحقيقة ثقيلة على اللسان، إما لثقل الوزن أو تنافر التّركيب أو ثقل الحروف،... والذي لأجل المعنى إمّا لعظمة في المجاز أو حقارة أو لبيان في المجاز، أو اللطف فيه: أمّا العظمة فكالمجلس، وأمّا الحقارة

---

[٣٧] سورة مريم، ٤/١٩

[٣٨] سورة يوسف، ١٩/١٢

[٣٩] سورة يوسف، ٦٤/١٢

[٤٠] سورة الأنبياء، ٧٥/٢١

[٤١] ابن جني، أبو الفتح عثمان بن جني الموصلي، الخصائص، ٤٤٢/٢، ٤٤٣.

فكقضاء الحاجة بدلا عن التّغوّط، وأمّا زيادة البيان: فإمّا لتقوية حال المذكور كالأسد الشّجاع، أو للذّكر وهو المجاز في التأكيد."[٤٢]

فلا يجوز العدول عن الحقيقة إلى المجاز إلّا إذا كان هناك ما يدعو إلى ذلك. إنّ للمجاز المرسل على أنواعه وأقسامه فوائد كثيرة. أهمها:

كلام المجاز أبلغ من الحقيقة:

وقال ابن رشيق القيرواني:''المجاز في كثير من الكلام أبلغ من الحقيقة، وأحسن موقعًا في القلوب والأسماع، وما عدا الحقائق من جميع الألفاظ. العرب كثيرا ما تستعمل المجاز، وتعدّه من مفاخر كلامها، فإنه دليل الفصاحة ورأس البلاغة وبه بانت لغتها عن سائر اللغات''[٤٣]

وقال يحي بن حمزة العلوي اليمني في الطّراز: "اعلم أنّ أرباب البلاغة وجهابذة أهل الصناعة مطبقون على أنّ المجاز فى الاستعمال أبلغ من الحقيقة، وأنه يلطف الكلام ويكسبه حلاوة، ويكسوه رشاقة، والعلم فيه كقوله تعالى: ﴿فَاصْدَعْ بِما تُؤْمَرُ﴾[٤٤] وقوله تعالى: ﴿وَداعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِراجًا مُنِيرًا﴾[٤٥] فلو استعمل الحقائق في هذه المواضع، لم تعط ما أعطى المجاز من البلاغة."[٤٦]

تكثير الفصاحة:

"إن فهم المعنى منه يتوقّف على قرينة، وفي ذلك غموض يحوج إلى حركة الذهن، فيحصل من الفهم شبيه بلذّة الكسب."[٤٧]

---

[٤٢] السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، ١٤١٨هـ)، المزهر في علوم اللغة وأنواعها، ٢٨٦/١.

[٤٣] القيرواني، أبو علي الحسن بن رشيق القيرواني، (١٤٠١هـ)، العمدة في محاسن الشعر وآدابه ونقده، ٨٧/١.

[٤٤] سورة الحجر، ٩٤/١٥

[٤٥] سورة الأحزاب، ٤٦/٣٣

[٤٦] يحيى بن حمزة، يحيى بن حمزة بن علي الحسيني العلوي، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز، ٦/٢.

[٤٧] عبد الكريم النملة، عبد الكريم بن علي بن محمد،(١٤٢٠هـ)، المهذب في علم أصول الفقه المقارن، ١١٧٠/٣.

وقال في الطّراز: "أنت إذا قلت: رأيت أسدًا فى سلاحه، وبحرًا فى برديه، كان أكثر تأكيدًا ووقعًا في النّفوس من قولك: رأيت رجلا كريمًا أو شجاعًا لما يحصل في ذلك من المكانة والمبالغة بذكر المجاز دون الحقيقة."[٤٨]

إيراد المعنى في صورة دقيقة مقربة إلى الذّهن:

وقال ابن الأثير عنه:

"إثبات الغرض المقصود في نفس السّامع بالتّخييل والتصوير حتى يكاد ينظر إليه عيانًا. إنّ حقيقة قولنا: زيد أسد. هي قولنا: زيد شجاع. لكن فرق بين القولين في التصوير والتّخييل وإثبات الغرض المقصود في نفس السّامع: لأنّ قولنا: زيد شجاع لا يتخيّل منه السّامع سوى أنّه رجل جريء مقدام، فإذا قلنا: زيد أسد يخيل عند ذلك صورة الأسد وهيئته وما عنده من البطش والقوّة ودق الفرائس، وهذا لا نزاع فيه. وأعجب ما في العبارة المجازية أنها تنقل السّامع عن خلقه الطبيعيّ في بعض الأحوال حتّى إنها ليسمح بها البخيل ويشجع بها الجبان ويحكم بها الطائش المتسرّع ويجد المخاطب بها عند سماعها نشوة كنشوة الخمر حتّى إذا قطع عنه ذلك الكلام أفاق وندم على ما كان منه من بذل مال أو ترك عقوبة أو إقدام على أمر مجهول وهذا هو فحوى السّحر الحلال المستغنى عن إلقاء العصا والحبال."[٤٩]

لأجل التّعظيم والتّبجيل:

وقال يحى بن حمزة في الطّراز: "كما يقال: سلام على الحضرة العالية والمجلس الكريم، فيعدل عن اللقب الصّريح إلى المجاز تعظيمًا لحال المخاطب، وتشريفًا لذكر اسمه عن أن يخاطب بلقبه فيقال: سلام على فلان."[٥٠]

---

[٤٨] يحيى بن حمزة، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز، ٤٥/١.

[٤٩] ابن الأثير، أبو الفتح ضياء الدين نصر الله بن محمد، المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر، ٧٨/١.

[٥٠] يحيى بن حمزة، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز، ٤٥/١.

لأجل التّنزّه عن ذكر الحقيقة:

وقال عنه في الطّراز: "كما يعبر عن قضاء الوطر من النّساء بالوطء، وعن الاستطابة بالغائط، ويترك لفظ الحقيقة استحقارًا له، وتنزّهًا عن التّلفظ به لما فيه من البشاعة والغلظ وقد نزّه تعالى كتابه الكريم وخطابه الشّريف عن مثل هذه الأمور، وعدل إلى المجازات الرّشيقة لما ذكرناه فقال تعالى:

﴿أَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَ﴾ (٥١) كناية عن الوطء. وقال تعالى:﴿كانا يَأْكُلانِ الطَّعامَ﴾ (٥٢) كنّى به عن قضاء الحاجة لما فى لفظ الحقيقة من الرّكّة والسّماجة. (٥٣)

أخفّ على اللسان:

أن تكون لفظة الحقيقه ثقيلة على اللسان، فيعدل عنها إلى ما هو أخفّ منها كما عدلوا عن لفظ ''الخنفقيق'' اسم للداهية. (٥٤)

الاختصار والإيجاز في الكلام:

كقوله تعالى: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ (٥٥)، وقولنا: رأيت أسداً يخطب. (٥٦)

أصلح للتّعبير به:

''أن يكون لفظ المجاز أصلح للتّعبير به عن الحقيقة مثل أن يكون المجاز أصلح للسّجع ورعاية الوزن والقافية دون لفظ الحقيقة'' (٥٧)

---

(٥١) سورة النساء، ٤/٤٣

(٥٢) سورة المائدة، ٥/٧٥

(٥٣) يحيى بن حمزة، ، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز، ١/٤٥.

(٥٤) عبد الكريم النملة، المهذب في علم أصول الفقه المقارن، ٣/١١٧٠.

(٥٥) سورة مريم، ١٩/٤

(٥٦) عبد الكريم النملة، المهذب في علم أصول الفقه المقارن، ٣/١١٧١.

وقد علمنا فيما ذكر أعلاه تعريف المجاز المرسل وعلاقاته وفوائده.

خلاصة الكلام:

وفي الجملة نقول: المجاز مفعل واشتقاقه من الجواز كما سبق، وهو التّعدّي من قولهم: جزت موضع كذا، إذا تعديته، وسموه مجازا لأنهم جازوا به وضعه الأصلي، والمكان الذي وضع فيه أصلا، ومن جملة أسراره أنه ضرب من التّوسّع في أساليب اللغة، وأنه أمد ميدانا، وأشد افتنانا، وأوسع سعة، وأبعد غورا، وهو يعطيك الكثير من المعاني حتى تخرج من الصدفة الواحدة عدة من الدرر، وتجني من الغصن الواحد أنواعًا من الثّمر.

☆☆☆☆☆

(٥٧) عبد الكريم النملة، المهذب في علم أصول الفقه المقارن، ١١٧١/٣.

﴿المصادر والمراجع﴾

١. القرآن الكريم

٢. أحمد بن إبراهيم بن مصطفى الهاشمي، (دون السنة)، جواهر البلاغة في المعاني والبيان والبديع، المكتبة العصرية، بيروت

٣. أحمد بن حنبل، أبو عبد الله، (المسند)، المسند، مؤسسة قرطبة، مصر.

٤. زبيدي، أبو الفيض، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني، (دون السنة)، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية

٥. سكاكي، أبو يعقوب، يوسف بن أبي بكر بن محمد الخوارزمي، (١٩٨٧م)، مفتاح العلوم، ضبط وتعليق: نعيم زرزور، دار الكتب العلمية، بيروت

٦. حامد عوني، (دون السنة)، المنهاج الواضح للبلاغة، المكتبة الأزهرية للتراث

٧. الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين، محمد بن عبد الله بن بهادر، (١٩٩٤م)، البحر المحيط في أصول الفقه، دار الكتاب

٨. الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين، (١٩٥٧م)، البرهان في علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعرفة، بيروت

٩. التفتازاني، سعد الدين، مسعود بن عمر، (١٩١٢م)، المطول في شرح تلخيص مفتاح العلوم، مطبعة أحمد كامل

١٠. السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، (١٩٧٤م)، الإتقان في علوم القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب

١١. أحمد بن إبراهيم بن مصطفى الهاشمي، (دون السنة)، جواهر البلاغة في المعاني والبيان والبديع

١٢. أحمد بن مطلوب (الدكتور)، (١٩٧٥م)، فنون بلاغية، دار البحوث العلمية، الكويت

١٣. مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج، (دون السنة)، دار إحياء التراث العربي، بيروت

١٤. البخاري، أبو عبد الله محمد بن اسماعيل، (١٩٨٧م)، الصحيح، دار ابن كثير، بيروت

١٥. أبو داود، سليمان بن الأشعث، (دون السنة)، السنن، دار الفكر، بيروت

١٦. الطيالسي، سليمان بن داود، (دون السنة)، المسند، دار المعرفة، بيروت

١٧. السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، ١٤١٨هـ)، المزهر في علوم اللغة وأنواعها

١٨. القيرواني، أبو علي الحسن بن رشيق القيرواني، (١٤٠١هـ)، العمدة في محاسن الشعر وآدابه ونقده

١٩. يحيى بن حمزة، يحيى بن حمزة بن علي الحسيني العلوي، الطراز لأسرار البلاغة وعلوم حقائق الإعجاز

٢٠. عبد الكريم النملة، عبد الكريم بن علي بن محمد،(١٤٢٠هـ)، المهذب في علم أصول الفقه المقارن

٢١. ابن الأثير، أبو الفتح ضياء الدين نصر الله بن محمد، المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر

اسلامی اوقاف کی شرعی حیثیت اور وقف پراپرٹی ایکٹ ۲۰۲۰ کا جائزہ

☆ Muhammad Asif Akbar

☆☆ Dr. Malik Kamran

ABSTRACT

The term Waqf literally means “to stop something”. The term means to dedicate or donate something (Property) in the possession of Allah Almighty in such a way that its benefit reaches the Humanity. The Auqaf(Endowments) were formally started during the period of the Holy Prophet HazraMuhammad (PBUH), He (PBUH) also himself dedicated (Waqf) some of his lands and encouraged the Companions (R.A) to do the same. Many of His Companions (R.A) dedicated their properties in the name of Allah Almighty. Later on, during the period of Umayyad Caliphate, the Abbasid Caliphate and the Ottoman Caliphate, so many properties were dedicated (Waqf) to facilitate the Human Beings, Therefore, a separate department of Auqaf came into existence. The Punjab Waqf Properties Ordinance, 1979 An Ordinance to provide for the proper management and Administration of Waqf properties in the Province of the Punjab. Recently, The Punjab Assembly has passed the law related to the money laundering and terror financing watchdog. These include the Punjab Waqf Properties Amendment Bill 2020. The main purpose of this study is to define the “Waqf Property” and review the legal status of the Waqf Property Act 2020; the historical background of Islamic Auqaf (Endowments), and describing the reactions of famous Religious Scholars and their concerns about the Act, literature reviewed, Conclusion and the recommendations and suggestions were presented at the end.

Keywords: The Punjab Waqf Properties Ordinance, 1979,The Punjab Waqf Properties (Amendment) Act 2020, Waqf Status in Islam,History of Waqf Properties in Islam

---

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور

سامنے آئی ہیں جن کی بنیاد پر موجودہ معاشی ضروریات کو پورا کیا جارہا ہے۔وقف کی عام فہم تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے راستے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس طور سے دے دینا کہ اس کی اصل بچا کر رکھی جائے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع خرچ کیا جائے" وقف کہلاتا ہے۔یہ ایک بہت ہی پسندیدہ نیکی ہے، اس سلسلے کی قرآن و احادیث کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ رہنمائی موجود ہے۔ مساجد، مدارس اور خانقاہیں اس کی سب بڑی مثالیں ہیں۔ وقف کا سلسلہ خود ذات رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمایا، صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق عہد نبوی میں اور بعد کے دور میں اوقاف کو قائم فرمایا بلکہ بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیا۔ مسلمانوں کی قومی تاریخ ایسے اوقاف کی تفصیل سے بھری ہوئی ہے جنہیں ان کے بانیوں نے ولولہ انگیز طریقے سے قائم فرمایا اور جو صدیوں تک ان کے بانیوں کی دریا دلی اور فیاضی کی داستان سرائی کے ساتھ ساتھ ہر خاص وعام کے لیے نفع کا باعث بنی۔

وقف کا لغوی معنی:۔

وقف کا لغوی معنی **الحبس والكف والمنع** یعنی روکنے ،رکنے اور ٹھہرنے کے ہیں۔وقف یقف باب وعد یعد سے مصدر ہے۔ اس کی جمع وقوف اور اوقاف دونوں طرح آتی ہے۔ یہ لازم اور متعدی دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ آئمہ لغت نے ہر دو لحاظ سے وقف کے لغوی معنی بیان کیے ہیں، ان میں سے چند کے اقوال پیش ہیں۔

خلیل بن احمد الفراہیدی کتاب العین میں وقف لکھتے ہیں:

الوقف مصدر قولک،وقفت الدابة وقفت الكلمة وقفًا-وهذا مجاوز، فاذا كان لازمًا قلت، وقفت وقوفًا. فإذا وقفت الرجل على كلمة قلت- وقفته توقيفًا، ولا يقال، أوقفت الافى قولهم أوقفت عن الأمر اذا أقلعت عنه (1)

ابو منظور الازھری نے معجم تہذیب اللغه میں وقف کے لغوی معنی بھی اسی طرح بیان کیے ہیں۔(۲)

---

1 الفراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، منشورات دار الھجرۃ، ایران، ۵/ ۲۲۳ ۱۴۰۵ھ

لفظ" **وقف** "مصدر ہے اس کی جمع" **اوقاف** " ہے۔موجودہ لفظ تاریخ اسلام میں جس مفہوم اور مقصد کے لیے عام استعمال کیا جاتا ہے، قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ اور قدیم ادب عربی میں اس کا اس مفہوم میں استعمال کہیں نظر نہ آتا۔ لیکن فقط لغوی تناظر یعنی " ٹھہرنے، اور رکنے " میں استعمال ہوا ہے۔ صاحب لسان العرب وقف کی لغوی حوالے سے تحریر فرماتے ہے۔

وقف (جمعها) الاوقاف خلاف الجلوس وقف بالمكان ويقال وقفت الدابة، تقف وقوفًا،ووقفتها أنا وقفًا،ووقف الدابة جعلها تقف([۲])

"لفظ "وقف" کی جمع اوقاف اور وقوف ہیں، جو کہ بیٹھنے کے برعکس ہے، وہ جگہ پر کھڑا ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ جانور کھڑا ہو گیا، وہ کھڑا ہو گیا، اور میں نے اسے روک دیا، اور جانور رک گیا اور اس نے اسے کھڑا کر دیا وغیرہ"

علامہ وہبہ الزحیلی تحریر فرماتے ہیں:

الوقف التحبيس و التسبيل بمعنى واحد، وهو لغة: الحبس عن التصرف ، يقال وقف كذا اى حسبه--- ومنه الموقف لحبس الناس فيه للحساب ، ثم اشتهر اطلاق كلمة الوقف على اسم المفعول وهو الموقوف ويعبر عن الوقف با لحبس ، ([۳])

لفظ وقف (تحبیس) اور (تسبیل) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں اس کے معنی کسی چیز کو تصرف سے روکنا اور باقی رکھنا ہے، جیسے **وقفت كذا** یعنی میں نے اس شئے کو روک دیا، پھر کلمہ وقف کا اطلاق شئ موقوف (یعنی کسی چیز کو روک دینا) پر کیا جاتا ہے، کیونکہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ہدایہ شریف میں وقف کی لغوی معنی یوں بیان کیے گئے ہیں:

الوقف يعني الوقوف،حبس، والنهي ([٤])

"وقف کا لغوی معنی کھڑا کرنا، ٹھہرانا، اور منع کرنے کے ہے۔"

---

۲ ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۸م، ۱۵/ ۳۷۴

۳ الزحیلی، الدکتور وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالاشاعت، کراچی، ۵/ ۵۳۶

۴ احسن الہدایہ شرح الہدایہ، مترجم مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، باب کتاب الوقف، ۷/ ۲۸۰

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وقفوهم انهم مسؤلون (٥)

ترجمہ: اور ٹھہراؤ کہ ان سے کچھ پوچھنا ہے۔

اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں بھی اس لفظ کا لغوی استعمال ملتا ہے مثال کے طور پر فرمان نبوی ہے:

لويعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه من الاثم لكان ان يقف اربعين خير اله (٦)

ترجمہ: اگر نمازی سے آگے سے گذرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہو گا، تو وہ چالیس سال تک کھڑے رہ کر انتظار کرتا۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں یعنی عہد نبوی ﷺ یا عہد ابی بکرؓ تک وقف بطور ٹھہرنے، رکنے وغیرہ تک ہی برقرار رہا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں بہت سارے اداروں میں اصلاح کا کام شروع ہوا تب وقف کا بطور خاص اصطلاحی معانی میں استعمال کا آغاز ہوا۔

وقف کا اصطلاحی مفہوم

وقف کو انگریزی میں Endowment کہا جاتا ہے۔

Merriam Webster Online Dictionary کے مطابق وقف کی تعریف یوں ہے۔

"An Islamic endowment of property to be held in trust and used for a charitable or religious purpose" (٧)

"جائیداد کا اسلامی وقف امانت میں رکھا جائے اور اسے خیراتی یا مذہبی مقصد کے لیے استعمال کیا جائے"

فقہائے کرام سے وقف کی مختلف تعریفیں منقول ہیں۔ اس کی اصطلاحی تعبیر میں آئمہ وفقہاء کا اختلاف ہیں ۔جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اصولی اختلاف وغیرہ جن کی وضاحت کی جائے گی۔

بقول شمس الائمہ السرخسی اصطلاحی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

---

٥ الصف ٦١: ٢٤

٦ صحیح بخاری جلد اول: کتاب الصلاۃ (نماز کا بیان): رقم الحدیث: ٥١٠

7 Dated 14 December 2021, 08:20 https://www.merriam-webster.com/dictionary/waqf

هو حبس المملوک عن التملیک من الغیر (۸)

"کسی شئے کو محفوظ کرنے اور کسی دوسرے فرد کی ملکیت میں جانے سے بچانے کے ہیں"

اس اصطلاح میں مزید وسعت پیداء ہوئی اور اس سے درج ذیل اشیاء مراد ٹھہرائی جانے لگی۔

وہ اراضی جو مسلمان باقاعدہ جنگ میں کامیابی اور غلبے کے ذریعے حاصل کریں، یا ایسی زمین جس کے مالکان مسلمانوں کے ساتھ خراج ادا کرنے کی شرط پر مصالحت اختیار کرلیں۔ ایسی تمام زمینیں سرکاری بیت المال یا مسلم حکومت کی ملکیت ہوتی ہیں اور وقف عام بھی کسی فرد یا افراد کی جانب سے کسی چیز کا فی سبیل اللہ نیک مقاصد اور رفاہ عامہ کے لیے وقف کیا جانا۔

احناف کے نزدیک وقف:

فقہائے کرام کے ہاں وقف کی تعریفیں مختلف انداز میں منقول ہیں:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کی تعریف یوں ہے۔

هوحبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العاري (۹)

"وقف کی سی شئے کو وقف کنندہ کی ملکیت میں روک دینا اور اس کے فوائد و (ثمرات) کو صدقہ کر دینا ہے، جیسے عاریتالی ہوئی شئے ہو"

امام ابو حنیفہؒ کی یہ تعریف اس اصول پر مبنی ہے کہ وقف کرنے سے شیئے موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، لیکن اس کی منفعت کا صدقہ ضروری ہے۔

صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک وقف کی تعریف:

حبس العين على حكم ملک الله تعالىٰ على وجه تعود منفعة إلى العباد (۱۰)

۸ السرخسی، محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسی، المبسوط، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۰۶ھ، ۱۱/ ۴۸۰

۹ المرغینانی: ہدایہ شریف، کتاب الوقف، ا: ۶۱۲

۱۰ المرغینانی، برھان الدین ابوالحسن المرغینانی، ھدایہ مع فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، ۵/ ۴۱۸

"کسی شئے کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اس طرح روکنا کہ اس چیز کا فائدہ بندوں تک پہنچے"

یہ تعریف اس اصول پر مبنی ہے کہ وقف شدہ شئ حکما ملکیت اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ صاحبین امام ابو حنیفہؒ کے اس موقف پر کھل کر تنقید کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کو صاحب ہدایہ نے یوں بیان کیاہے۔

قال أبوخنيفة يزول ملک الواقف عن الوقف إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلقة بموته فيقول إذا مت فقد وقفت داري على كذا، وقال أبويوسف لا يزول ملكه بمجرد القول، وقال محمد لا يزول حتىٰ يجعل للوقف وليا ويسلمه إليه-(۱۱)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شئے موقوف سے واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی یہ کہ حاکم اس کے خروج کا فیصلہ کردے یا واقف اسے اپنی موت سے معلق کرتے ہوئے یوں کہے کہ جب میں مر جاوں تو میرا گھر فلاں کے لیے وقف ہے۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ وقف کرتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک واقف کسی کو متولی بناکر شئے موقوف اس کے حوالے نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

گویا امام محمدؒ کے خیال میں امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بے اصل ہونے کی بنا پر محض تحکم (ذاتی رائے) کی حیثیت رکھتاہے۔ امام محمدؒ نے اسی بناپر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذکورہ قول کو اہمیت نہ دی اور اس سے مسائل متفرع نہ کیے۔ امام صاحب کی یہ رائے چونکہ جمہور فقہاء کرام کے اور خود آئمہ فقہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے، اس لیے اسے مرجوع سمجھنا چاہیئے(۱۲)

لہٰذا آئمہ کرامؒ کی اکثریت کے نزدیک کسی شئے کو وقف کردینے سے وہ شئے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العز کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ اور اپنی بقاتک اسی حالت میں برقرار رہتی ہے، مفوضہ افراد کے لیے استفادہ کا باعث بنی رہتی ہے۔ وقف شدہ چیزوں کو اس کے سابقہ مالک نہ تو فروخت کرسکتاہے اور نہ ہی اسے ہبہ کرسکتا اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اس پر اپنی ملکیت جتلا سکتاہے۔ احناف کے ہاں مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

۱۱ احسن الہدایہ شرح الہدایہ، مترجم مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، باب کتاب الوقف، ۷/ ۲۸۱

۱۲ فتاویٰ عالمگیری اُردو ترجمہ مولانا سید امیر علی، ادارہ نشریات اسلام، لاہور، ۱/ ۲۶۲

شافعیہ کے نزدیک وقف:

امام شافعیؒ نے وقف کی تعریف ایک اور نہج سے فرمائی ہے، فرماتے ہے

العطايا التي تتم بكلام المعطى دون ان يقبضهاالمعطى([۱۳])

ترجمہ: وقف ان عطیات میں سے ہے کہ جو معطی کے محض کہنے سے مکمل ہو جاتے ہے، ان پر کسی کا قبضہ ضروری نہیں ہوتا۔

گویا امام شافعیؒ کے نزدیک بھی "موقوفہ" شئے پر کسی انسان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے اس کی صحت کے لیے قبضہ کی شرط ضروری نہیں۔

علامہ مناویؒ شافعی وقف کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

حبس مال يمكن الا نتقاع به مع بقاء عينه بقطع التصرف فى رقبته وتصرف منافعه الى البر تقربا الى الله تعالىٰ([۱۴])

"ایسا مال جس کے عین کو باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع کیا جاسکے اسے اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس طرح روک دینا کہ اس کے عین اور اس کی ذات میں تصرف نہ کیا جاسکے لیکن اس کے منافع وجوہ خیر میں صرف کیے جائیں"۔

مالکیہ کے مطابق وقف :

فقہ مالکیہ کے نزدیک وقف کی تعریف یوں بیان کی گئی:

علامہ دردیرؒ مالکی وقف کے حوالے سے تحریر کرتے ہے۔

وهو (الوقف) جعل منفعه مملوک ولو بأجرة أو غله لمستحق بصيغة مدة ما يراه المحبس([۱۵])

۱۳ الشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام، دارالمعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۱، ۵۱/ ۴

۱۴ بدائع الصنائع، کتاب الوقف والصدقۃ فصل في شرائط جواز الوقف وبعضها یرجع إلی الواقف مکتبہ زکریا ٦/ ۲۱۹

"وقف یہ ہے کہ کسی مملوک چیز کی منفعت یا اس کی آمدنی کسی مستحق کے لیے ایک مدت تک مخصوص کر دی جائے، مدت کی تعیین کا اختیار واقف کو ہے"۔

حنابلہ کے نزدیک وقف:۔

فقہ حنبلی کے معتبر ترین علامہ ابن قدامہ وقف کی تعریف میں یوں رقم طراز ہوئے جو کہ امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی متفقہ تعریف ہوئی:

هو تحبيس الأصل وتسبيل الثمرة ([١٦])

ترجمہ: اصل شئ کو محفوظ رکھنا اور اس کے منافع کو تقسیم کرنا وقف ہے۔

وقف کی تاریخ:۔

وقف کا سلسلہ خود ذات رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمایا اور بلا تخصیص اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یکساں ذوق و شوق قائم رہا۔ مسلمانون کی قومی تاریخ ایسے اوقاف کی تفصیل سے بھری ہوئی ہے جنہیں ان کے بانیوں نے ولولہ انگیز طریقے سے قائم فرمایا اور جو صدیوں تک ان کے بانیوں کی دریا دلی اور فیاضی کی داستان سرائی کے ساتھ ساتھ ہر خاص و عام کے لیے نفع کا باعث بنی۔ اوقاف کی اس تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

عہد نبوی میں مساجد کے علاوہ بھی بہت سی اشیاء وقف کی گئیں۔ ان تمام اشیاء کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔

إن رسول الله ﷺ جعل سبع حيطان له بالمدينة صدقة على بنى المطلب وبنى هاشم([١٧])

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے سات باغ بنی عبد المطلب اور بنی ہاشم کے لیے وقف کر دیئے تھے۔

---

١٥ الدردیر، احمد بن محمد الدردیر، شرح الصغیر، مصر، دار المعارف، ١٣٩٢ھ، ٤/ ٩٧

١٦ معجم الفقہ الحنبلی، ٢: ١٠٥٤: ابن قدامہ، المغنی، الریاض، دار الکتب، الطبعۃ الثالثۃ ١٩٩٧ء، ٨/ ٨٤١

١٧ البیہقی، احمد بن حسین بن علی البیہقی: رقم الحدیث: ٥٣٧٤

مدینہ منورہ میں حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کا ایک باغ تھا، جو مسجد نبوی ﷺ کے بالکل سامنے واقع تھا؛ اس باغ کا نام ''بیر حاء'' تھا؛ نبی اکرم ﷺ اکثر یہاں تشریف لاتے، اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے تھے۔ایک دن حضوراکرم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا یہ عزیز باغ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے وقف کر دیا۔(۱۸)

حضرت عمر فاروقؓ کا اپنی زمینوں کو وقف کرنا ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۷ ہجری میں جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا، تو نبی اکرم ﷺ نے یہ علاقہ مختلف صحابہ کرامؓ، بالخصوص مہاجرین میں تقسیم فرما دیا، تاکہ یہ حضرات، جو انتہائی تنگی و ترشی سے گذر بسر کر رہے تھے، قدرے فارغ البالی سے وقت گذار سکیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی دربار نبوی ﷺ سے ایک ایسا ہی قطعہ زمین میسر آیا۔ بعض دیگر روایات میں ہے کہ انہوں نے کچھ اراضی یہاں خرید بھی فرمائی تھی، اس طرح یہاں ان کی کافی مملوک زمین ہو گئی۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کی: یارسول اللہ مجھے خیبر میں جو زمین ملی ہے، میں آج تک اس سے عمدہ جائیداد کا مالک نہیں ہو، تو آپ مجھے اس کے متعلق حکم دیتے ہیں۔ نبی رحمت و نے اس پر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو محفوظ رکھو اور صدقہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شرط کے ساتھ اس زمین کو وقف کر دیا، کہ اس کی اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جاسکے گا اور نہ ہی ہبہ اور نہ ہی اس سے وراثت کا سلسلہ چلے گا، یہ زمین فقرا، قریبی رشتے داروں، غلاموں، راہ خدا، مہمانوں اور مسافروں کے لیے صدقہ ہو گی؛ جو شخص اس جائیداد کا متولی (منصرم) ہو گا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اس سے معروف طریقے کے مطابق خود کھائے یا کسی غیر مالدار دوست کو کھلائے۔(۱۹)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی دستاویز وقف میں جو الفاظ استعمال فرمائے یہ الفاظ آج تک ''قانون وقف'' کی اساس کے طور پر غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں اطتدائی زمانہ اسلام سے ہی دنیا بھر کی دستاویزات وقف انہی الفاظ پر مشتمل ہوتی رہی ہیں۔ اسی لیے ''وقف'' کے الفاظ کے انتخاب و استعمال کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے اور اسے بھی بلاشبہ 'اولیات عمر'' میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

---

۱۸ بخاری، الجامع الصحیح، جلد اول کتاب الزکوۃ رقم الحدیث:۱۳۷۶

۱۹ البخاری، الجامع الصحیح، ۲/ ۱۹۵

بئر رومہ کا وقف:

اس کا پس منظر یہ تھا کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے تو انہیں پانی پینے کے حصول میں سخت دشواری پیش آئی۔ مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی غربت کے باعث ''حصول آب'' میں تنگی محسوس کرتی تھی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے بئر رومہ خریدنے اور مسلمانوں کے لیے وقف کرنے کی، صحابہ کرامؓ کو ترغیب دلائی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے یہ کنواں تیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بئر رومہ کے علاوہ بھی متعدد کنویں خرید کر یا کھدوا کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمائے، ان میں بئر سائب، بئر عامر اور بئر اریس قابل ذکر ہیں۔ بئر اریس وہی کنواں ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کی وہ بابرکت انگوٹھی، جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں کی زینت بن چکی تھی، حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور تلاش بسیار کے باوجود بھی دستیاب نہ ہوئی تھی۔(۲۰)

صحابہ کرام کا وقف:

نبی کریم ﷺ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے بے شمار جائیدادیں اور باغات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے وقف کیے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

لقد بلغی ان اکثر من ثمانین رجلا من اصحاب رسول اللہ ﷺ من الانصار تصدقو ا صدقات محرمات موقوفات (۲۱)

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تقریبا اسی انصار صحابہ کرامؓ نے اپنی جائیدادیں بطور وقف کیں۔

عہد نبوی میں مسجد نبوی نمازیوں کی وسعت سے تنگ نظر آنے لگی، اس پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قریبی زمین خرید کر مسجد کے لیے وقف کر نیکی ترغیب دلائی، جس پر حضرت عثمانؓ نے قریبی قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف فرمایا۔(۲۲)

۲۰ سنن نسائی، کتاب الاحباس، رقم الحدیث: ۳۶۳۶

۲۱ بیہقی، احمد بن حسین، معرفۃ السنن الآثار، قاہرہ، دارالوفاء، ۹/ ۴۱

غزوہ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کو سخت تنگی کا سامنا تھا، ایک تو اس لیے کہ یہ سخت گرمی کا موسم اور دور دراز کا سفر تھا اور دوسرے اس بنا پر کہ اس موقع پر مقابلہ دنیا کی ایک بڑی طاقت سے تھا، مگر لشکر اسلام کے پاس سامان رسد تک موجود نہ تھا، اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے عام چندے کا اعلان فرمایا، جس میں ہر صحابی نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس موقع پر سامان رسد کے لیے تین سو اونٹ بمع سازوسامان، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے، جس پر نبی اکرم ﷺ نے اس قدر مسرور ہو کے فرمایا: "آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرے ان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا" (۲۳)

امام شافعیؒ بعض مستند ذرائع سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں، کہ حضرت علیؓ نےؒ (ینبوع) میں واقع اپنی جائیداد کو "وقف" عام کیا ہوا تھا۔ینبوع جزیرہ عرب کے مغربی ساحل پر واقع ایک خوشحال بستی ہے، جو اپنے نخلستان کے باعث مشہور ہے، یہاں حضرت علیؓ کی ملکیت میں باغ کے علاوہ زرعی زمین اور چشمے بھی تھے۔ انہوں نے یہ تمام جائیداد اللہ کے راستے میں وقف فرمادی۔(۲۴)

امام شافعیؒ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ حاکم مدینہ کو "آل ابی رافع" سے صدقے (وقف) کی ایک دستاویز ہاتھ لگی، جب اسے کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا:

هذه الأراضي سيدنا علي لبني هاشم وبني مطلب وبعض العائلات الأخرى وقف بها.

"یہ جائیداد حضرت علیؓ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لیے صدقہ (وقف) کی ہے، اور بعض دیگر خاندانوں کے لیے۔(۲۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حالانکہ بنو ہاشم پر فرضی صدہ (زکوٰۃ) حرام ہے، اسی طرح حضرت علیؓ نے یہ سراحت بھی نہیں فرمائی کہ ان کا یہ وقف فقرا کے لیے ہے یا مالداروں کے لیے ہے۔ جبکہ بنو ہاشم میں دونوں طرح کے

---

۲۲ بخاری، الجامع الصحیح، باب بَابُ إِذَا وَقَفَ أَرْضًا أَوْ بِئْرًا وَاشْتَرَطَ لِنَفْسِهِ مِثْلَ دِلاَءِ الْمُسْلِمِينَ، رقم الحدیث:۲۷۷۸

۲۳ الخطیب، امام ولی الدین، مشکوۃ شریف۔ باب مناقب سیدنا عثمانؓ۔ رقم الحدیث ۶۸۳

۲۴ الشافعی، کتاب الام، دارالمعرفۃ، بیروت، ۴:۵۳

۲۵ ایضا:۴:۵۵

لوگ تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنی زندگی میں آل ہاشم کے لیے ایک وقف قائم کیا تھا اور یہ کہ وہ زندگی بھر اپنے اس وقف کی متولیہ اور منتظمہ رہیں۔ البتہ انہوں نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ان کا یہ وقف کہاں اور کس نام سے واقع تھا۔(۲۶)

مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام نے ایک وقف قائم کیا تھا، مگر ان کے اس وقف کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ امام بخاریؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے مکانات اپنی ان بیٹیوں کے لیے وقف فرما دیے تھے جنہیں کسی وجہ سے ان کے سسرال سے نکلنا پڑے، ان مکانوں میں انہیں بغیر تکلیف کے ٹھکانہ اور رہائش دی جائے۔ پھر جب ان کی ان کے خاوند کے ساتھ مصالحت ہو جائے تو پھر انہیں یہاں رہنے کا کوئی حق نہ ہو۔(۲۷)

ہر وہ چیز وقف کر دی جاتی ہے وہ اصل ملکیت اللہ تعالیٰ میں آجاتی ہے، بندے منفعت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس کو آگے منتقل نہیں کیا جا سکتا، جیسے گھر وقف کیا تو اس کو با حفاظت رکھا جائے گا البتہ اس کی سکونت کی سہولت یا کرایہ پر دے کر آمدن رفاہ عامہ پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ مسجد کے ساتھ ملحق گھر یا دوکان کو کرایہ پر دے کر امام صاحب کو تنخواہ یا مسجد کے معاملات میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اوقاف کے حوالے سے معاملات واضح ہے کہ یہ اللہ کی ملکیت ہوتی ہے جس کو منتقل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کو بیچا جا سکتا ہے۔

پنجاب وقف پراپرٹی ایکٹ ۲۰۲۰ تعارف:۔

صوبہ پنجاب میں وقف املاک کا مناسب انتظام و انصرام فراہم کرنے کے لیے 1979 کا وقف پراپرٹی ایکٹ ورکنگ کر رہا تھا۔ لیکن ستمبر ۲۰۲۰ء میں وفاقی حکومت اور حکومت پنجاب نے وقف پراپرٹیز آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں ترامیم کے لیے پنجاب وقف پراپرٹیز (ترمیمی) ایکٹ ۲۰۲۰ء پنجاب اسمبلی سے پاس کروا کر گورنر پنجاب کی منظوری سے نافذ کیا ہے۔ حکومتی ترجمان کے مطابق ترامیم FATF (فنانشل ایکشن ٹاسک فورس) کی ہدایت اور ضروریات کے پیش نظر کی گئیں ہیں۔ FATF کے مقاصد میں دہشت گردی کے سد باب کے لیے منی لاڈرنگ کو روکنا ہے۔(۲۸)

---

۲۶ الشافعی، کتاب الام، دار المعرفۃ، بیروت، ۵۳:۴

۲۷ البخاری، الجامع الصحیح، ۲/۱۹۶

۲۸ ایڈووکیٹ، میاں خالد حبیب الٰہی وقف پراپرٹیز آرڈیننس ۱۹۷۹ میں ترامیم مزارات، مساجد اور دینی مدارس وغیرہ پر حکومتی شب خون، ماہنامہ بین المذاہب، لاہور، اپریل ۲۰۲۱

قانون کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

1۔اینٹی منی لانڈرنگ (منتقلی رقوم)

2۔اینٹی ٹیررازم (انسداد دہشت گردی)

3۔اوقاف کنٹرول پالیسی

اس کے تیسرے جزء میں پنجاب وقف املاک بورڈ۱۹۷۹ء کو منسوخ کرکے دارالحکومت وقف املاک ایکٹ ۲۰۲۰ء منظور کیا گیاہے جس کے مطابق:

1۔وفاق کے زیر اہتمام علاقوں میں مساجد و امام بارگاہوں کے لیے وقف زمین چیف کمشنر کے پاس رجسٹرڈ ہو گی اور اس کا انتظام و انصرام حکومتی نگرانی میں چلے گا۔

2۔حکومت کو وقف املاک پر قائم تعمیرات کی منی ٹریل (آمدن وخرچ) معلوم کرنے اور آڈٹ (احتساب) کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔

3۔وقف زمین پر قائم تمام مساجد، امام بارگاہیں اور مدارس وفاق کے کنٹرول میں ہوں گے۔

4۔وقف املاک پر قائم عمارتوں کے منتظم منی لانڈرنگ میں ملوث پائے گئے تو حکومت ان کا انتظام سنبھال لے گی۔

5۔قانون کی خلاف ورزی پر ڈھائی کروڑ جرمانہ اور پانچ سال تک سزا ہو سکے گی۔

6۔حکومت چیف کمشنر کے ذریعے وقف املاک کے لیے منتظم اعلیٰ تعینات کرے گی۔

7۔منتظم اعلیٰ کسی خطاب، لیکچر یا خطبے کو روکنے کی ہدایات دے سکے گا۔

8۔منتظم اعلیٰ قومی خودمختاری کو نقصان پہنچانے والے کسی بھی معاملے کو روک سکے گا۔

9۔خطبے یا تقریر کی شکایت کی صورت میں چھ ماہ تک قید رکھا جا سکتا ہے، جس کے لیے وارننگ کی ضرورت نہ ہو گی۔ چھ ماہ تک اس کی ضمانت ہو گی نہ عدالت مداخلت کر سکے گی۔ جرم ثابت نہ ہوا تو چھ ماہ بعد رہائی ملے گی مگر اس حبس بے جا پر سوال نہیں کیا جا سکے گا۔

10۔مسجد اور مدرسے کو چلانے والی انجمن کے تمام عہدیداروں کی مکمل ویریفیکیشن (تصدیق) ہو گی اور ان کا ٹیکس ریکارڈ بھی چیک کیا جائے گا۔

11۔ مسجد اور مدرسے کو زمین یا فنڈ دینے والا اپنی منی ٹریل بھی دے گا کہ اس نے یہ رقم کہاں سے حاصل کی۔

12۔ مسجد اور مدرسہ کی انتظامیہ کسی وقت اخراجات، فنڈنگ کرنے والوں کی تفصیل یا منی ٹریل نہ دے سکے گی تو وہ عمارت حکومت کے قبضے میں چلی جائے گی۔ (۲۹)

ڈائریکٹر جنرل اوقاف و مذہبی امور ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے حکومتی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ: (FATF) کی نشاندہی پر، وقف، ٹرسٹ اور سوسائٹیز کی رجسٹریشن کے قواعد وضوابط کو مزید موثر بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے لیے مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سمیت دیگر این جی اوز کی کسی سرکاری ادارہ سے ''رجسٹریشن'' لازمی ٹھہری۔ پنجاب سمیت دیگر تمام صوبوں نے ایک مشترکہ کاوش سے، وقف پراپرٹیز آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے موجودہ قوانین میں ضروری ترامیم کے لیے مسودہ قانون صوبائی اسمبلیوں کے رُوبرو پیش کرتے ہوئے، منظوری حاصل کی، جس کے مطابق، ''وقف پراپرٹیز کی شق نمبر (۱)۴(ترمیمی) ایکٹ ۲۰۲۰'' کے تحت، تمام وقف پراپرٹیز، جو محکمہ اوقاف کی تحویل میں نہیں ہیں، اور ان کا انتظام و انصرام پرائیویٹ طور پر کیا جاتا ہے، کی اندر تین ماہ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف کے پاس، بوساطت منیجر اوقاف رجسٹریشن لازم ہے، جس کے بعد چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب کے احکام کے مطابق، وقف پراپرٹیز کے یہ منتظمین ہی، اپنے وقف کے، سرکاری طور پر ''منیجر'' مقرر ہو جائیں گے۔ ایکٹ مذکور کی شق نمبر ۴ اور ۱۱ کے تحت، اندر معیاد ۹۰ روز، رجسٹریشن نہ کروانے والے کو مالی جرمانہ اور قید کی سزا ہو سکتی ہے۔ (۳۰)

وقف املاک ایکٹ ۲۰۲۰ء پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں پیش کیا گیا اور پارلیمانی روایات اور طے شدہ طریقہ کار کے برعکس بڑی عجلت سے پاس کر لیا گیا اور اسے ایکٹ بنا دیا گیا۔ اس حوالے سے ملک کے نامور اور جید علماء کرام حکومت کے اس قانون کو ماننے سے انکاری ہے۔ ان کے موقف کے مطابق یہ سب عالمی سازش فیٹف کے تحت کروایا جارہا ہے، جو ناقابل قبول عمل ہے۔

سیاسی و مذہبی جماعتوں کی آل پارٹیز کانفرنس میں ملک کی چالیس سے زائد مذہبی، سیاسی جماعتوں اور رفاعی اداروں کی آل پارٹیز کانفرنس کے مشترکہ اعلامیہ میں وقف پراپرٹیز ترمیمی ایکٹ ۲۰۲۰ء وقف بل کو مداخلت فی الدین

۲۹ زاہد الراشدی، مولانا، مساجد و مدارس اور وقف اداروں کے بارے میں نیا قانون، ماہنامہ بین المذاہب، لاہور، اپریل ۲۰۲۱

۳۰ بخاری، ڈاکٹر طاہر رضا، فیٹف اور اوقاف:، ۹۲ نیوز، ۰۸، جنوری، ۲۰۲۱

قرار دیتے ہوئے مسترد کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ حکومت وقت سے پر زور مطالبہ کیا گیا کہ بیرونی دباو ایف اے ٹی ایف کے تحت نافذ کیے گئے قانون کو فی الفور کالعدم قرار دیا جائے۔([۳۱])

چند مشہور علماء کرام کے تحفظات حسب ذیل ہیں:

جامعہ بنوریہ کی جانب سے پریس ریلیز "اسلام آباد وقف املاک بل ۲۰۲۰ء" کو تمام مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور اہل تشیع) حضرات کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اسلام کے خلاف بیرونی دباو کے تحت مزید سختیاں کی جارہی ہے۔ جو کہ ناقابل قبول عمل ہے۔([۳۲])

مفتی منیب الرحمٰن (سابق چیئرمین، رویت ہلال کمیٹی پاکستان)

مفتی صاحب نے حکومتی اس اقدام کو یکسر طور مسترد کر دیا اور اس ایکٹ قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا۔([۳۳])

مفتی تقی عثمانی (سابق جسٹس، ممتاز عالم دین)

مفتی تقی عثمانی نے اپنے ٹوئٹر پر بیان جاری کرتے ہوئے لکھا کہ وقف املاک بل جو قومی اسمبلی نے جلدی میں پاس کیا ہے، اس کے کئی حصے شریعت کے بالکل خلاف ہیں اور کئی حصے آئین سے متصادم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ قوانین وقف املاک کے اصل مقاصد کے لئے مضر اور کرپشن کا نیا دروازہ ہے۔ سینیٹ کے ارکان اور صدر مملکت اسے منظور کرنے سے پہلے علماء اور اسلامی نظریاتی کونسل سے ضرور رجوع کریں۔([۳۴])

مولانا محمد حنیف جالندھری (جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

ہم اپنے دین، اپنی قوم، اپنے ملک، اپنی نسل نو اور اپنے مستقبل کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے اور اس ملک و قوم کو کدھر لے جانا چاہ رہے ہیں اگر کوئی اس ملک کا خیر خواہ ہے ...... کسی میں ذرا بھی خدا خوفی موجود ہے...... کسی میں ذرا بھی

---

۳۱ اسلام ٹائمز: ۳۱ مئی ۲۰۲۱

۳۲ جامعہ بنوریہ، ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۱ : آفیشل ویب سائٹ: 10:30Am

۳۳ مفتی منیب الرحمن، زاویہ نظر، روزنامہ دنیا نیوز ۲۲ اکتوبر ۲۰۲۰

۳۴ انٹرویو: سماء نیوز، ۲۷ ستمبر، ۲۰۲۰

احساس کی کوئی رمق باقی ہے تو خدار!!اس بل کو واپس لیجیے ......اس کو واپس کروانے میں کردار ادا کیجیے......اس تلوار کو ......اس شکنجے کو اپنے مستقبل سے ہٹا لیجیے...... نہیں تو یاد رکھیے۔ لمحوں نے خطا کی تو صدیوں نے سزا پائی" (۳۵)

سینیٹر سراج الحق (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

سینیٹر سراج الحق نے وقف املاک بل کو خلاف شریعت وآئین قرار دیتے ہوئے چیئرمین سینٹ کو خط لکھا اور اس خط میں متنازع بل کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ سینیٹر سراج الحق اپنے خط میں وقف ایکٹ کے اثرات ونتائج کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں "فیٹف کے نام پر منظور کردہ وقف املاک سے متعلق موجودہ قانون مساجد، دینی مدارس اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے قائم دیگر اداروں پر غیر ضروری قواعد وضوابط لاگو کرکے ان اداروں کے لیے املاک وقف کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، جو کہ سراسر ایک اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کے منافی اور بنیادی انسانی حقوق سے متصادم ہے جبکہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ (ا) کے مطابق اسلام کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ وقف، اسلامی تعلیمات میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ وقف خالصتاً اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ موجودہ ایکٹ جو کہ ایف اے ٹی ایف کے نام پر منظور کیا گیا ہے، موجودہ قانون میں وقف کے اسلامی تصور کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔(۳۶)

مولانا زاہد الراشدی (معروف عالم، بانی شریعہ اکیڈمی)

" قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ پہلے درجہ میں اسلام آباد میں اور وہاں یہ تجربہ کامیاب ہونے کے بعد ملک بھر میں اس قانون کا دائرہ پھیلایا گیا تو پورے ملک میں مساجد ومدارس اور وقف اداروں کا بنیادی ڈھانچہ یکسر تبدیل ہو کر رہ جائے گا، اور سرکاری یا پرائیویٹ ہر قسم کے اوقاف اور ان پر قائم ادارے براہ راست انتظامیہ کے کنٹرول میں چلے جائیں گے، نیز پرائیویٹ مساجد ومدارس کا سلسلہ بھی انتظامیہ کے رحم وکرم پر ہو گا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان میں مساجد ومدارس کے بارے میں عالمی استعمار کے اس مبینہ ایجنڈے کی تکمیل کا فیصلہ کن قدم ہو گا جس سے ڈیڑھ سو سال سے دینی تعلیم وعبادت کا جو نظام آزادانہ کردار ادا کر رہا ہے وہ خدانخواستہ باقی نہیں رہے گا"(۳۷)

---

۳۵ میڈیا سنٹر وفاق المدارس پاکستان، ۱۰ ستمبر، ۲۰۲۰

۳۶ انٹرویو: ایکسپریس نیوز، ۱۱۰ اکتوبر، ۲۰۲۰

۳۷ انٹرویو: روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، ۱۹ دسمبر ۲۰۲۰ء

مولاناڈاکٹر حسن مدنی (معروف محقق اور اہلحدیث عالم دین)

لکھتے ہیں کہ یہ قانون بنیادی حقوق کے مخالف ہے جب کہ دستور پاکستان میں بنیادی حقوق کو تمام ملکی قوانین پر مطلقا بالاتر قرار دیا گیا ہے اور اس کیخلاف قانون سازی کو کسی مزید قانون سازی کے بغیر، فوری طور پر کالعدم قرار دیتے ہوئے ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ کو بنیادی حقوق کے تحفظ کی کامل نگرانی تفویض کی گئی ہے۔ اس قانون میں متعدد بنیادی قوانین متاثر ہوتے ہیں مثلا اس میں مذہبی امتیاز پر مبنی قانون سازی کی گئی ہے اور یہ اجتماعی اور انفرادی آزادی اظہار پر پابندی بھی لگاتا ہے مزید یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ سے متصادم قانون سازی ہے۔(۳۸)

علامہ محمد افضل حیدری (سیکرٹری جنرل وفاق المدارس الشیعہ پاکستان)

یہ بل شریعت محمد ﷺ و اہل بیت کے فرامین کے منافی قرار دیا ہے۔ انھوں نے واضح کر دیا کہ اوقاف کا کوئی عہدیدار کسی بھی مقدس مقام چاہے وہ مسجد مدرسہ ہو یا امام بارگاہ کنٹرول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔(۳۹)

ڈاکٹر عبداللہ (پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف کنفلکٹ اینڈ سیکیورٹی اسٹڈیز' کے مینیجنگ ڈائریکٹر)

حکومت کا یہ اقدام بہت اہم ہے۔ لیکن ہمارے اندرونی معاملات کو ہمیں خود حل کرنا چاہیے تھا۔ نہ کہ ایف اے ٹی ایف کے کہنے پر ہم ایسی قانون سازی کریں۔(۴۰)

ابھی تک کوئی بھی ایسا جید عالم دین نہیں جس نے حکومتی موقف کی تائید کی ہو، بلکہ وفاقی وزیر مذہبی امور نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس ایکٹ میں بہت سارے ابہامات موجود ہیں۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مزارات اور مساجد کا دہشت گردی اور منی لانڈرنگ سے کبھی تعلق نہ رہا ہے بلکہ مزارات اور مساجد خود دہشت گردی کا شکار اور نشانہ بنے ہیں۔ البتہ دہشت گردی اور منی لانڈرنگ کا الزام مخصوص مکتبہ فکر کے دینی مدارس اور تنظیموں پر رہا ہے۔ ایسی تنظیموں کو حکومت نے کالعدم قرار دے دیا ان کے مدارس اور مساجد کو حکومت اپنی تحویل لیں نہ کہ اس کو پوری امت کے لیے مشکلات کا سبب بنائے۔

۳۸روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، ۱۹ دسمبر ۲۰۲۰ء

۳۹ شیعہ نیوز: مئی ۲۴، ۲۰۲۱ء

۴۰ انٹرویو: وائس آف امیریکا، ۲۱ فروری، ۲۰۲۱

تحقیقی مقالہ سے حاصل مندرجات حسب ذیل ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے جو چیز وقف کر دی جاتی ہے وہ در اصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتی ہے، بندے اس وقف شدہ چیز سے صرف نفع اٹھا سکتے ہے، اس کو آگے منتقل نہیں کیا جا سکتا، جیسے گھر وقف کیا تو اس کو باحفاظت رکھا جائے گا البتہ اس کی سکونت کی سہولت یا کرایہ پر دے کر آمدن رفاہ عامہ پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ مسجد کے ساتھ ملحق گھر یا دوکان کو کرایہ پر دے کر امام صاحب کو تنخواہ یا مسجد کے معامالات میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اوقاف کے حوالے سے معاملات واضح ہے کہ یہ اللہ کی ملکیت ہوتی ہے جس کو منتقل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کو بیچا جاسکتا ہے۔ آئمہ کرامؒ کے نزدیک کسی شئے کو وقف کر دینے سے وہ شئے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ اور اپنی بقا تک اسی حالت میں برقرار رہتی ہے، مفوضہ افراد کے لیے استفادہ کا باعث بنی رہتی ہے۔ وقف شدہ چیزوں کو اس کے سابقہ مالک نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کر سکتا اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اس پر اپنی ملکیت جتلا سکتا ہے۔ وقف شدہ زمین یا چیزوں کو منتقل یا خرید و فروخت کے لیے پیش نہیں کیا جا سکتا ، بلکہ وہ Non-transferable ہوتی ہے۔ وقف شدہ جگہوں کے منافع کو جائز کاموں یا صدقہ کے طور پر استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

حکومت کے پاس کردہ وقف پراپرٹی ایکٹ 2020 کی شرعی قوانین اور اس کی حساسیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حکومت وقت نے اس ایکٹ کو نہایت عجلت میں پاس کروایا عجلت ہی اس عمل کو مشکوک کر دیتی ہے۔ اوقاف پراپرٹی ایکٹ ۲۰۲۰ء اسلام کی اساس اور بنیادی قوانین کے خلاف ہے۔ فیٹف کی ہدایات اور بیرونی دباو کے تحت قانون سازی کی جارہی ہے جبکہ ملکی معروضی حالات کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ ملک کے سٹیک ہولڈرز اور مذہبی قیادت کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے کردار کو مکمل طور مسخ کر دیا گیا۔ محکمہ اوقاف جو کہ ایک آرگنائزیشن کے طور پر کام کر رہا ہے، جو کہ بنیادی سٹریکچر سے محروم ہے، اس کو یہ فرائض تفویض کیے گئے۔ محراب و منبر کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ عوام الناس کا علماء کرام سے تعلق کو کمزور کیا جائے۔ مساجد و مدارس کو منی انڈرنگ اور دہشت گردی کی زد میں لایا جاسکیں۔ ناظم اعلیٰ اوقاف کو بذریعہ اعلامیہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی وقت وقف املاک کا قبضہ، اس کا انتظام وانصرام، کنٹرول اور دیکھ بھال اپنے زیر اختیار لے سکتا ہے۔ جو کہ سراسر شرعی قوانین اور

ملکی آئین کے خلاف ہے۔ علماء کرام کے تحفظات کو سننا چاہئے اور مناسب لائحہ عمل اختیار کیا جائے جو کہ فریقین کے لیے قابل عمل ہو۔

تجاویز و سفارشات:

وقف پراپرٹی(ترمیمی) ایکٹ 2020 ا کی بنا پر حکومت اور علماء کرام کے درمیان ایک بداعتمادی کی فضا قائم ہو گئی ہے، جس کا ازالہ اشد ضروری ہے۔اس حوالے سے چند تجاویز / گزارشات حسب ذیل ہیں تاکہ حکومت اور علماء کرام کے درمیان ڈیڈ لاک کو ختم کیا جاسکے۔

وقف پراپرٹی میں ہر چیز کو لے لیا گیا ہے جو بھی کسی ویلفئیر کے کام کے لیے استعمال ہو رہا ہے مثلاً سکول، کالج یونیورسٹی، ہسپتال جو خرید کر بنائی ہوئی پراپرٹی کو اس زمرے میں نہ لایا جائے گا۔

ا. پاکستان میں تمام دینی فلاحی اداروں، مساجد اور خانقاہوں کو رجسٹرڈ ہونا چاہیے۔

تمام مزارات بطور فلاحی ادارہ کے رجسٹرڈ ہوں ہر مزار کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو فلاحی اور تعلیمی کام کرے۔ مزارات تعلیم و تربیت کے فلاحی پروجیکٹس کا بجٹ مختص کریں۔

مزارات کے نذرانہ سے حاصل ہونے والی آمدن مزارات کی ویلفیر، تعمیر و ترقی، زائرین کی تعلیمی و تربیت اور راہنمائی پر خرچ کی جائے۔ محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب ملازمین کی تنخواہیں گورنمنٹ پنجاب کے بجٹ سے ملنی چاہیئے۔

رجسٹریشن کے بعد ہر رجسٹرڈ خانقاہ، مسجد اور اس پر قائم دینی فلاحی پروجیکٹ کا بینک اکاونٹ ہو۔ اکاونٹس کی ٹرانزیکشن کا مکمل ریکارڈ ہو، تمام بینک اکاونٹس بائیو میٹرک ہیں جنہیں ایف آئی اے، نیب اور دیگر ادارے مانیٹر کرتے ہو۔ منی لانڈرنگ کو روکنے کے لیے ایف آئی۔ اے اور نیب پہلے سے موجود ہیں، وہ کام کر رہے ہیں، رجسٹریشن میں اس طرح کی سخت شرائط عائد کر کے غلط تاثر دیا جارہا ہے کہ حکومت مساجد کے خلاف ہے۔

۲. درج ذیل شرائط بھی خدشات کا باعث ہیں:

(۱) ٹرسٹی کو منیجر بنادیا جائے گا جو آمدن اخراجات کی رپورٹ بنا کر دینے کا پابند ہو گا۔

(۲) معلومات چھپا کر درج کرنے پر اڑھائی کروڑ جرمانہ اور سزا نا قابل ضمانت ہو گی۔

اس میں یہ خدشہ لاحق ہے کہ متولی کو بطور مینجر بنا کر اس کو حکومتی جواب دہ بنا دیا گیا۔ مدرسہ، مساجد اور خانقاہ کی آمدن کا واحد ذریعہ صدقات و خیرات ہیں۔ صدقات و خیرات اعلانیہ و خفیہ دونوں طریقوں سے دیا جاتا ہیں بلکہ چھپا کر دینے کی زیادہ فضیلت بیان کی گئی، اس صورت میں ذرائع آمدن بتانا ماوائے عقل ہے۔

کسی مسجد / خانقاہ کو بند کرنے / قبضہ کرنے کا اختیار اوقاف یا کسی سرکاری ادارے کے پاس نہ ہو جو ادارہ خانقاہ، مسجد، مدرسہ آئین پاکستان امن عامہ کے خلاف دہشت گردی میں ملوث پایا جائے اس پر سیر میں الزامات ہوں تو کورٹ اس کے بارے میں فیصلہ کرے اس طرح بدعنوانی، منی لانڈرنگ میں ملوث ادارے پر بھی کیس بنایا جائے۔

۳. مساجد و مدارس کی رجسٹریشن کا آسان طریقہ کار ہونا چاہیے۔ جیسا کہ این جی اوز کمپنیز ا، ویلفیئر ایجنسیز آرڈیننس ۱۹۶۱ اور سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ کے تحت رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ مساجد و مدارس کو بھی اسی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرنا چاہئے۔ رجسٹریشن فارم میں سالانہ اخراجات کا تخمینہ اور آمدن کے ذرائع تحریر ہوں۔

حکومت اور ریاست مخالف بعض سیاسی و مذہبی رہنماہوں کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے دینی حلقے پہلے ہی مضطرب تھے انسداد دہشت گردی کے لیے بنائے گئے اپنی منی لانڈرنگ ایکٹ ۲۰۲۰ سے اس جھوٹے پروپیگنڈے کو تقویت ملی مذہبی طبقے کے خدشات حقیقت بن گئے ہیں۔ مذہبی حلقوں کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے انہیں یقین دہانی کرانا ہو گی کہ وہ رجسٹریشن کروائیں محکمہ اوقاف ان کی پراپرٹیز پر قبضہ نہیں کرے گا۔

مصادر و مراجع

- القرآن الکریم منزل من اللہ
- ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۸ھ
- الزحیلی، الدکتور وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالاشاعت، ۱۴۳۳ھ، کراچی
- امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مترجم داؤد راز دہلوی، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۲۰۰۶ء
- المرغینانی، برھان الدین ابوالحسن المرغینانی، ھدایہ مع فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، ۱۴۱۰ھ
- ڈاکٹر راغب نعیمی، ماہنامہ عرفات، اکتوبر۔ نومبر ۲۰۲۰ء
- السرخسی، محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسی، المبسوط، بیروت: دار المعرفۃ، ۱۳۹۸ھ
- فتاویٰ عالمگیری اُردو ترجمہ مولانا سید امیر علی، ادارہ نشریات اسلام، لاہور، ۱/ ۲۶۲
- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی، کتاب الام، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۳ھ
- الکاشانی، علاوالدین ابو بکر،، بدائع الصنائع، مکتبہ زکریا، کراچی
- ابن قدامہ، المغنی، معجم الفقہ الحنبلی، دار عالم الکتب، ا، الریاض، لطبعۃ الثالثہ ۱۹۹۷ء
- الدردیر، احمد بن محمد الدردیر، شرح الصغیر، مصر، دار المعارف، ۱۳۹۲ھ
- امام ابوداود سلیمان اشعث، الجامع السنن، مکتبہ اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۴۰۳ھ
- ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، مترجم بدیع الزماں، علامہ، ضیاء احسان پبلشرز، ۱۴۰۸ھ
- ایڈووکیٹ, میاں خالد حبیب الٰہی وقف پراپرٹیز آرڈیننس ۱۹۷۹ میں ترامیم مزارات، مساجد اور دینی مدارس وغیرہ پر حکومتی شب خون، ماہنامہ بین المذاہب، لاہور، اپریل ۲۰۲۱
- زاہد الراشدی ، مولانا، مساجد و مدارس اور وقف اداروں کے بارے میں نیا قانون، ماہنامہ بین المذاہب، لاہور، اپریل ۲۰۲۱
- بخاری، ڈاکٹر طاہر رضا، فیتھ اور اوقاف:، ۹۲ نیوز، ۰۸، جنوری، ۲۰۲۱
- اسلام ٹائمز: ۳۱ مئی ۲۰۲۱، آفیشنل ویب سائیٹ
- جامعہ بنوریہ، ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۱ : آفیشنل ویب سائیٹ

- مفتی منیب الرحمن،زاویہ نظر،روزنامہ دنیانیوز ۲۲اکتوبر ۲۰۲۰
- انٹرویو:سماءنیوز،۲۷ستمبر،۲۰۲۰
- میڈیاسنٹروفاق المدارس پاکستان،۱۰ستمبر،۲۰۲۰
- انٹرویو:وائس آف امیریکا،۲۱فروری،۲۰۲۱
- انٹرویو:ایکسپریس نیوز،۱۰اکتوبر،۲۰۲۰
- انٹرویو:روزنامہ اوصاف،اسلام آباد،۱۹ دسمبر۲۰۲۰ء
- روزنامہ اوصاف،اسلام آباد،۱۹ دسمبر۲۰۲۰ء
- شیعہ نیوز:مئی ۲۴،۲۰۲۱ء